

مکتبہ اسلامیہ

سید احمد شہید  
شاہ اسماعیل شہید

اسلامیہ اکیڈمی  
۴۰، میدان لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طریقہ

سید احمد شہید  
شاہ اسمعیل شہید

ترجمہ



مولانا محمد اکرم

اسلامی کے ایکٹریکٹ

۴ اردو بازار لاہور



✓  
۲۹۷، ۴۲  
س ۹۵ ص  
۲/۱۶۶۸

طابع \_\_\_\_\_ منصور احمد

ناشر \_\_\_\_\_ اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور

بدیہ \_\_\_\_\_ = ۲۲ روپے

مطبع \_\_\_\_\_ المطبعة العربية لاہور

تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار

کاتب \_\_\_\_\_ سیف اللہ کیلانی



# فہرست مضامین!

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۴	فصل اول - طریق ولایت کے امتیاز کے وجہ سے یہ فصل چار ہدایتوں پر مشتمل ہے۔	۱۳	حمد و نعت
۲۴	پہلی ہدایت - حب عشقی کے حاصل کرنے کے اسباب میں اور یہ دوسرا افادہ پر مشتمل ہے۔	۱۴	سبب تالیف کتاب
۲۴	پہلا افادہ - حصول عشق کی ایک مثال دوسری ہدایت - حب عشقی کے مویذات کے بیان میں - اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔	۲۲	مقدمہ ادعائیں میں تین افادہ ہیں
۲۶	پہلا افادہ - حب عشقی کے مویذات سے ریاضت ہے۔	۲۲	پہلا افادہ - شریعت اور طریقت فرقہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد اللہ جل و علا کی محبت ہے۔
۲۸	دوسرا افادہ - حب کے مویذات سے الحان خوش و غیرہ ہے۔	۲۲	دوسرا افادہ - حب ایمان کے اعمال و مقامات اور نتائج و ثمرات تیسرا افادہ - اکابر ائمہ طریقت اگرچہ سلوک راہ نبوت کے کمالات سے موصوف تھے لیکن اس نسبت کے حاصل کرنے کے طریق سلوک راہ ولایت کے طریق سے ممتاز نہیں بیان کیے
۲۸	تیسرا افادہ - منجملہ حب عشقی کے مویذات سے ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روح طبعی کی کثافت کا باعث ہوں۔	۲۲	باب اول وجہ تمتاز طریقتین کے بیان میں اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	کے بیان میں اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔	۲۸	تیسری ہدایت۔ اشد حبِ عشقی کے بیان میں اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ۔ اس حب کے آثار سے ایک یہ ہے کہ اس کا مقصد صابغ اللہی کا اپنی اصل کی طرف پہنچنا ہے، کسی قانون کی پابندی اس کی خواہش میں داخل نہیں۔
۳۱	پہلا افادہ۔ کیفیتِ عشقیہ کا بیان۔		
۳۲	دوسرا افادہ۔ فنا و بقا کے مقام کا بیان۔		
۳۳	تیسرا افادہ۔ طریقِ نبوت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں اور چار ہدایتوں پر مشتمل ہے۔	۲۹	دوسرا افادہ۔ اس حب کے آثار میں سے تفرود ہے۔
۳۶	پہلی ہدایت۔ حبِ ایمانی کے حاصل کرنے کے اسباب کے بیان میں اور یہ تین تمہید اور دو افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلی تمہید۔ انسان کی اصل پیدائش کا بیان۔	۳۰	تیسرا افادہ۔ اس حب کے آثار میں مرشد کے ساتھ استقلالِ قافلہ کا تعلق شدید ہو جاتا ہے۔
۴۱	دوسری تمہید۔ انسان کی نجات اس میں ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہے۔	۳۰	چوتھا افادہ۔ اس حب کے آثار سے علوم اور طاعات ظاہرہ سے لاپرواہی ہے۔
۴۳	تیسری تمہید۔ سوال اور احوال و افعال کی آپس میں جو نسبت ہے اس کا بیان۔	۳۰	پانچواں افادہ۔ اس حب کے آثار سے ایک نہ سمجھنا اس علاقہ کا ہے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع ہے۔
۴۷	پہلا افادہ۔ سعید وہ ہے جو ازل سے سعید لکھا جا چکا۔	۳۱	چوتھی ہدایت۔ جب عشق کے ثمرات



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	افادہ پر۔	۴۷	دوسرا افادہ۔ تعظیم سے ملی ہوئی حب
۵۵	پہلا افادہ۔ حق تعالیٰ کی رضا جوئی		کس طرح حاصل ہوتی ہے۔
	میں پوری ہمت صرف کرتا۔ حب ایمانی	۴۹	دوسری ہدایت۔ حب ایمانی کے مویدات
	کے عمدہ آثار میں سے ہے۔		کے بیان میں۔ اور یہ وہ تمہید اور تین
۵۶	دوسرا افادہ۔ بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر		افادہ پر مشتمل ہے۔
	ہو جانا منجملہ آثار حب ایمانی کے	۴۹	پہلی تمہید۔ حب ایمانی کے حصول کے
	ہے۔		اسباب کی اصل کیا ہے۔
۵۸	تیسرا افادہ۔ حب ایمانی کے آثار میں	۵۰	دوسری تمہید۔ حب ایمانی کے مویدات
	سے ایک یہ ہے کہ ریاضات شاقہ		کی طرف اشارہ۔
	کی چنداں پروازہ کی جائے۔	۱۱	پہلا افادہ۔ حب ایمانی کے عمدہ
۶۰	چوتھا افادہ۔ منجملہ آثار حب ایمانی		مویدات سے ایک یہ ہے کہ اتباع شریعت
	کے طاعات کی لذت پانا ہے۔		کا پختہ ارادہ کریں۔
۶۱	پانچواں افادہ۔ حب ایمان کے آثار	۵۱	دوسرا افادہ۔ حب ایمانی کے عمدہ
	سے ایک یہ ہے کہ فواید متعدد یہ کو نفس		مویدات سے ایک یہ ہے کہ جانب
	کی تکمیل پر ترجیح دے۔		حق کو جانبِ نفس پر ترجیح دیں
۶۲	چھٹا افادہ۔ عمدہ ترین آثار حب ایمانی	۵۲	تیسرا افادہ۔ سنت کے زندہ کرنے اور
	سے تقویٰ کی حقیقت ہے۔		بدعت کے مٹانے میں کوشش کرنا
۶۳	چوتھی ہدایت۔ ثمرات حب ایمانی کے		ہے۔
	بیان میں۔ اور اس میں پانچ افادے اور	۵۵	تیسری ہدایت۔ حب ایمانی کے آثار
	دو فائدے ہیں۔		کے بیان میں۔ اور یہ مشتمل ہے چھ



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۸۹	مقدمہ - اور اس میں ایک افادہ ہے۔ افادہ - اذکار و اشغال و مراقبات و مقامات کا بیان -	۶۳	پہلا افادہ - حب ایمانی کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کمال تعظیم و محبت تو دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے -
۹۰	پہلی فصل - بدعات کے پرہیز کرنے کے بیان میں - اور اس میں تین بداعتیں میں -	۶۹	دوسرا افادہ - ایمان حقیقی کے بیان میں -
"	پہلی بدایت - اور اس میں دو تمہیدیں اور چھ افادے ہیں -	۸۰	تیسرا افادہ - اعیان کی متابعت کی برکات -
"	پہلی تمہید - کشف و شہود میں مومن و کافر - مبتدع و متبع سنت سب شریک ہیں -	"	چوتھا افادہ - قرب ملکوت کا بیان -
۹۲	دوسری تمہید - صوفی ناما محدودہ حق میں بڑے نخل انداز ہیں -	۸۱	پانچواں افادہ - ریاست ادوار و اطوار کا بیان -
"	پہلا افادہ - شعائر اللہ کی بے ادبی - صوفی ناما محدودوں کی بدعات میں سے ہے -	۸۳	پہلا فائدہ - انبیاء کے کمالات کے نمونے بطور نخل اولیاء کو حاصل ہوتے ہیں - بس اس سے زیادہ کچھ نہیں -
۹۳	دوسرا افادہ - توحید و جہود الحادی کا بیان -	"	دوسرا فائدہ - راہ نبوت اور راہ ولایت کافرق -
۹۴	تیسرا افادہ - مسئلہ تقدیر کا بیان -	۸۹	دوسرا باب بدعات سے بچنے اور عبادات کے ادا کرنے کے طریق اور اس میں ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک حاتمہ ہے -
۱۰۱	چوتھا افادہ - مرشد کی تعظیم حد سے		



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	افضل ہونے کا بیان -		زیادہ تر بڑھائی چاہیئے۔
۱۱۸	تیسرا افادہ - ماہ محرم میں ماتم داری اور تعزیہ سازی رافضیوں کی بدعات میں سے ہے۔	۱۰۲	پانچواں افادہ - اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی عادت ہے۔
۱۲۲	تیسری ہدایت - ان بدعات کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے الزامات سے پھیل گئی ہیں۔ اور اس میں ایک تمہید ہے۔ اور دو افادے ہیں۔ اور ایک قائدہ۔	۱۰۶	چھٹا افادہ - اولیاء اللہ کی نذر و نیاز بدعت ہے۔
۱۳۵	تمہید ان رسموں کے بیان جو شادی اور ماتم کے مواقع پر ہندوستان میں مروج ہیں۔	۱۰۷	زندوں کی عبادتوں کا ثواب مردوں کو پہنچنے کی دو سبیل ہیں۔
۱۳۸	پہلا افادہ - بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے روکنا ہندوؤں کی رسم سے ہے۔	۱۰۸	پہلی سبیل۔
۱۳۹	دوسرا افادہ - باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا جاہلیت کا بقیہ ہے۔	۱۰۸	دوسری سبیل - تزدہ ایسا کام کرے کہ اس سے مردہ کو نفع پہنچانا مقصود ہو۔
۱۳۲	دوسری فصل - تہذیب اخلاق میں - اور اس میں تین ہدایتیں ہیں۔	۱۱۲	دوسری ہدایت - ان بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں کے میل جول سے رواج پکڑ گئی ہیں۔ اور اس میں تین افادے ہیں۔
۱۱	پہلی ہدایت - پسندیدہ اور ناپسندیدہ		دوسرا افادہ - حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینا، رافضیوں کی بدعات میں سے ہے۔
		۱۱۴	دوسرا افادہ - بعض بزرگان دین کا ہدایت پھیلانے میں بعض صحابہؓ سے



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۳۹	تیسرا افادہ - مسلمانوں کو مصائب میں توکل کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا ضروری ہے۔	۱۳۲	اخلاق کے اجمالی ذکر میں۔ اور اس میں تین تمہیدیں اور پانچ افادے ہیں۔ پہلی تمہید۔ بخل۔ حسد وغیرہ۔ بد عادتیں قیصر رحمانی کے نزول کی مانع ہیں۔
۱۴۲	چوتھا افادہ - اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کرتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت کیا ہے۔	۱۳۶	دوسری تمہید ر سلف صالحین کو بد عادت سے نفس پاک کرنے کے لیے اعمال شرعی کا بجالانا اور پیشواؤں کی ہمنشینی کافی ہوا کرتی تھی۔
۱۴۳	پانچواں افادہ - اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر عام مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے۔	۱۳۷	تیسری تمہید اعمال میں چاروں مذاہب کی متابعت عمدہ چیز ہے۔ لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان میں منحصر نہیں۔
۱۴۵	فائدہ - مسلمان کو چاہیے کہ اخلاقِ حسنہ کے حاصل ہونے اور بد اخلاقوں سے پاک ہونے کو اللہ کی عنایت سمجھے۔	۱۳۷	پہلا افادہ - جو شخص امرار اور حکام میں سے راہ سلوک میں قدم رکھے اس پر اعمال شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ انصاف و عدالت کا التزام بھی بہت ضروری ہے۔
"	دوسری ہدایت - بد عادتوں کے مفصل معالجہ کے بیان میں۔ اور اس میں ایک تمہید اور گیارہ افادے ہیں۔	۱۳۸	دوسرا افادہ - ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اول کبر و دوسرا مسلمانوں کے درمیان فساد ڈالنا۔
"	تمہید - بد عادتوں میں سے دس عادتیں بہت تہلیلت ہیں۔		



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	پہلا افادہ - حرس اور اس کا علاج	۱۴۶	چیزوں کے اجمالی بیان میں - اور اس
	دوسرا افادہ - طمع اور اس کا علاج	۱۴۸	میں دوا فادے میں -
	تیسرا افادہ - نخل اور اس کا علاج، نخل اور طمع کے علاج میں فرق کا بیان -	۱۴۹	پہلا افادہ - نام خدائی محبت اور تعظیم کا نہ ہونا عبادت میں سمحت نخل انداز ہے -
	چوتھا افادہ - حرام کا علاج	۱۵۰	دوسرا افادہ - شرعی احکام اور عبادت میں اہتمام نہ کرنا بھی بھاری محفل ہے -
	فائدہ - بیگانی عورت کی طرف دل کے میلان کے وقت کیا علاج کرنا چاہیے -		
	پانچواں افادہ - عیبت کا علاج	۱۵۴	فائدہ - نام مقبولوں ساکوں کا ذکر -
	چھٹا افادہ - جھوٹ کا علاج	۱۵۵	
	ساتواں افادہ - حسد کا علاج	۱۵۶	دوسری ہدایت - عبادت میں نخل اور اس کا تفصیلی ذکر - اور ان کے علاج اور اس میں تین افادے ہیں -
	آٹھواں افادہ - تکبر کا علاج	"	
	نواں افادہ - ریا کا علاج	۱۵۷	
	دسواں افادہ - کینہ کا علاج	۱۵۸	پہلا افادہ - نفس اور شیطان کے خطر انداز ہونے کا بیان -
	گیارہواں افادہ - مرض کے دور ہونے کے بعد امتحان ضرور ہے -	۱۵۹	
	تیسری فصل - عبادت میں نخل انداز چیزوں کے بیان میں - اور اس میں دو ہدایتیں ہیں -	۱۶۰	دوسرا افادہ - زکوٰۃ دینے سے جی چرانے کا علاج -
	پہلی ہدایت - عبادت میں نخل انداز	"	تیسرا افادہ - فرض حج اور جہاد سے جی چرانے کا علاج -
			چوتھی فصل - طاعات کے طریقوں کا



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۹۶	وجہ اول - طریق اصحاب الیمین -		بیان اور اس میں ایک تمہید اور پانچ
۱۹۷	دوسری وجہ - طریق سابقین -		افادے ہیں -
۲۰۰	تیسرا افادہ - صاحب حالات کو عام مؤمنین کی عزت کرنا چاہیے -	۱۷۲	تمہید - تہذیب باعلاق کو نفس کشی کہنا غلط تعبیر ہے -
۲۰۱	چوتھا افادہ - نجات کا دار و مدار کلمہ توحید پر ہے -	۱۷۳	پہلا افادہ - ارکان اسلام کی اصلاح کا طریقہ -
۲۰۳	تیسرا باب سلوک راہ ولایت کے بیان میں اور اس میں چار فصل اور ایک مکملہ ہے -	۱۸۳	دوسرا افادہ - مال سے قطع تعلق کا امر نہیں -
۲۰۴	پہلی فصل - طریقہ قادریہ کے اشغال کے بیان میں - اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے -	۱۸۵	تیسرا افادہ - روزہ کا بیان -
"	تمہید - اشغال طریقہ قادریہ کا خلاصہ -	۱۸۶	چوتھا افادہ - حج کا بیان -
"	پہلی ہدایت - ذکر کے طریقوں کے بیان میں - اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے -	۱۸۷	پانچواں افادہ - جہاد کا ذکر -
۲۰۵	دوسرا افادہ - ذکر دو ضربی کے بیان میں -	۱۸۸	خاتمہ - متفرق قائدوں کے بیان میں - اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے -
۲۰۶	تیسرا افادہ - ذکر سہ ضربی کے بیان میں -	۱۹۱	پہلا افادہ - سرود بلا منرا میر - اور بے ریش لڑاکوں سے میل جول کی خرابی کا بیان -
		۱۹۶	دوسرا افادہ - نیک اخلاق کا حاصل کرنا - اور بد اخلاق کا پھوڑنا دو وجہ پر ہے -



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۰۶	پہلی ہدایت - اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے۔	۲۰۶	چوتھا افادہ - ذکر چار ضربی کا طریقہ۔
۲۰۷	پہلا افادہ - توسط اور وسیلہ کا بیان۔	۲۰۷	نائدہ - اس طریق پر ذکر ظلمت بشریت کو مٹا دیتا ہے۔
۲۰۸	دوسرا افادہ - ذکر آلا اللہ کا طریق۔	۲۰۸	دوسری ہدایت - اقام نکر کے بیان میں۔ اور اس میں سات افادے ہیں۔
۲۰۹	تیسرا افادہ - تیسرے ذکر کا بیان۔	۲۰۹	پہلا افادہ - مراقبہ وحدانیت کا بیان۔
۲۱۰	چوتھا افادہ - ذکر نفی و اثبات کا بیان۔	۲۱۰	دوسرا افادہ - مراقبہ صمدیت کا بیان۔
۲۱۱	پانچواں افادہ - مراقبہ کا بیان۔	۲۱۱	تیسرا افادہ - شغل دورہ کا بیان۔
۲۱۲	دوسری ہدایت - فوائد متفرقہ کا بیان اور یہ ہدایت دو افادوں پر مشتمل ہے۔	۲۱۲	چوتھا افادہ - شغل نفی کا بیان۔
۲۱۳	پہلا افادہ - آسمانوں کے انکشاف اور ارواح کی ملاقات کا بیان۔	۲۱۳	نائدہ - شغل نفی کے ساتھ شغل یادداشت بھی کرنا چاہیے۔
۲۱۴	دوسرا افادہ - کشف قبور کا بیان۔	۲۱۴	پانچواں افادہ - نفی اللفی اور فتاوالفتنا کا بیان۔
۲۱۵	تیسری فصل - اشغال طریقہ نقشبندیہ کا بیان اور یہ ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے۔	۲۱۵	چھٹا افادہ - توحید صفائی وغیرہ کا بیان۔
۲۱۶	تمہید - لطائف ششگانہ کا ذکر۔	۲۱۶	ساتواں افادہ - ذات بحث کی معرفت کا بیان۔
۲۱۷	پہلی ہدایت - اقام ذکر کے بیان میں اور یہ چار افادوں پر مشتمل ہے۔	۲۱۷	دوسری فصل - اشغال طریقہ چشتیہ کا بیان اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے۔



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۵۸	تمہید۔ بے سمجھ سالکوں کی بعض غلط فہمیوں کے بیان میں۔	۲۲۷	پہلا افادہ۔ لطائفِ ستہ کے ذکر بتانے کا طریقہ۔
۲۶۱	مقصد۔ راہِ ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں۔	۲۲۸	دوسرا افادہ۔ جنسِ نفس کے ساتھ نفی و اثبات کا بیان۔
۲۶۹	چوتھا باب سلوکِ راہِ نبوت کے بیان میں اور یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے۔	۲۲۹	تیسرا افادہ۔ سلطانِ الذکر کا بیان۔
۲۸۷	پہلا افادہ۔ مقامِ توبہ کے بیان میں۔	۲۳۱	فائدہ۔ پیر مریدوں کو سلطانِ الذکر حاصل ہونا کس طرح معلوم کرے۔
۲۸۷	دوسرا افادہ۔ ذکرِ ایمانی اور مراقبہِ صمدیت کے بیان میں۔	۲۳۱	چوتھا افادہ۔ شغلِ نفی کے ساتھ شغلِ یادداشت کے ملانے کا بیان۔
۲۹۰	تیسرا افادہ۔ فنائے ارادت کے بیان میں۔	۲۳۹	پونچھواں فصل۔ مجددی طریقہ کی اصطلاحات کے حاصل کرنے کے بیان میں۔
۲۹۳	چوتھا افادہ۔ مراتبِ عظمت کے بیان میں۔		اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے۔
۲۹۸	پانچواں افادہ۔ مراقبہِ الوہیت کے بیان میں۔		تمہید۔ لطائف کے مقامات کے بیان میں۔
	چھٹا افادہ۔ مقامِ انکشاف و ہر اللہ کے بیان میں۔		مقصد۔ اس طریقہ کے مستعمل الفاظ کی تفسیر کے بیان میں۔
۳۰۲	فائدہ۔ طالبینِ راہِ نبوت کی خاصیتیں۔	۲۳۹	۲۵۸
۳۱۴	خاتمہ۔ حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض معاملات اور واردات کے بیان میں۔		تمہید۔ راہِ ولایت کے سلوکِ تاکی کے بیان میں۔ اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے۔

تمت



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدوثنا جو بے نیاز مطلق کی بارگاہ کے شایان شان ہے۔ وہ اسی کی ذات پاک کے بیان کے سوا کسی کے بیان میں نہیں آسکتی اور اس دعویٰ کی دلیل فخر و دو عالم کے کلام اَحْصٰی تَنۡاءَ عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِکَ سے روشن ہے اور ایسا شکر ہے جو اس کی ان گنت و بے شمار نعمتوں کا حق ادا کرے کسی مخلوق سے نہیں ہو سکتا کیوں کہ خود شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اور کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر تمام عالم "خلق و امر" جس کا نام دوسرے لفظوں میں شخص اکبر ہے اپنے جیسے ہزاروں عالموں کو ہمراہ لے کر شکر کے اس میدان کے درمیان نہایت جدوجہد سے دوڑ دھوپ کرے اور پھر نعمائے الہی کا پورا شکر بجالانے کا خیال تک اس کے دل میں گزرے تو ثمر مندی کے پسینے کے سوا اور کوئی اپنی پیشانی کا زیور نہ دیکھے اور ہزاروں زبانوں سے اپنی بے زبانی کا اقرار و اعتراف کر کے بندگی کے محکمہ میں اپنے عجز و ناتوانی کا شاہد عدل اس فرمان واجب الافغان کو پیش کرے۔ **وَ اِنْ تَعَدَّ وَاٰیۃَ اللّٰهِ لَا تَحْصٰہَا** پشت خاک سے اس کے حمد و شکر کا حصہ ادا نہیں ہو سکتا مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے حکم فرماوے ناچار اس بچارے کا یہی چارہ ہے کہ اپنی قوت و طاقت سے انکسار کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کیلئے **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** کہہ کر کبھی قصور کے گریبان سے سرنکالے اور اس حکیم حقیقی کی وکالت کے حکم سے جس نے اس ناچار محض کو خود حمد و شکر کی تعلیم کی ہمیشہ اس نعمت عظمیٰ کی لذت مذاق جان میں پہنچاتا رہے اور کلمہ شہادت **اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ** اور کلمہ تمجید **سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَاَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْاَكْبَرُ**

نہ یعنی تیری حمد و ثناء کا شمار و احصا میں نہیں کر سکتا۔ تیری ذات پاک ایسی ہے جیسے خود تو نے اپنی ذات پر ثناء کہی۔ **۱** یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کر دو گے تو ان کو گن نہ سکو گے۔ **۲** یعنی سب طرح کی حمد اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ **۳** یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بند ہے۔



وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

کو اپنا بہتم و ہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درودِ لا محمد و صاحبِ مقام محمود پر نازل ہو یعنی احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و اجمعین و علی دارشہ و نوابہ الی یوم الدین علینا مہم و نسیم بر جنتک یا رحم الراحمین۔

آتا بعد: عاجز ذلیل خداوند جلیل کی رحمت کا امیدوار بندہ ضعیف محمد اسماعیل عرض کرتا ہے کہ اس کم ترین پر خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور سب سے بڑی نعمت ہادی زمانہ مرشد یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفل ہدایت منزل میں حاضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ قرب الہی کو نفع پہنچا دے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلس عالی میں کلمات ہدایت آیات سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قرب الہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوض البیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق بجز اس کے کوئی نہیں کہ ان بلند پر واز مضامین کو تحریر کے پتھرے میں قید کیا جاوے۔ اگر بحکم

شہیدہ کے بود مانند دیدہ

اور اس کے بھجے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں اور اللہ بہت بڑے اور اللہ تعالیٰ بزرگ بزرگ کے سوا کسی نیکی کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ۱۲ لہٰذا یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام رحمتیں اور سلام نازل ہوں ان پر اور ان کی تمام اولاد پر اور سب صحابیوں پر اور رزق قیامت تک جنے ان کے وارثانِ علم اور نائین دین ہیں ان پر اور ان کے ساتھ اور ان کے زمرہ میں داخل کر کے ہم پر بھی نازل ہوں میری رحمت کے سب ہر بانوں سے زیادہ ہر بان۔



حضرت اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث الشَّاهِدَاتُ بِرَأْيِ مَا لَا يَرَاهُ الْغَائِبُ  
 اس مدعا پر شاید عدل ہے لیکن تاہم مقولہ مَا لَا يَدْرُكُ كَلْمًا لَا يُدْرِكُ كَلْمًا  
 کے اس امر کے تمام کرنے میں کمر بستہ کو چست باندھ کر تہ دل سے نیت خالص کر کے  
 پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب انادت مآب قدوہ  
 فضلائے زمان، زیدہ علماء دوران مولانا عبدالحئی دام اللہ برکاتہ جو حضرت سید صاحب کی بارگاہ عالی  
 کے ملازموں کے سبک میں منسلک ہیں، کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامین ہدایت آگین حضرت  
 سید صاحب کی زبان سے سن کر مولانا نے تحریر کیے تھے، طے پس ان اوراق کو حلوئے بے دود اور  
 غنیمت بے مشقت سمجھ کر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہ درج کر دیا۔ اگرچہ  
 اس کتاب کی تالیف میں مناسب بھی تھا کہ جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے  
 میں حضرت جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کیا گیا۔ اس طرح  
 تمام کتاب کے مضامین میں بہن طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذات والا صفات ابتداء  
 فطرت سے جناب رسالتا علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی کمال کی مشابہت پر پیدا کی  
 گئی تھی اس لیے آپ کی لوح فطرت علوم رسمیه کے نقش اور تحریر کے دانشمندیوں کی راہ و  
 روش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرار غامضہ کا سمجھنا تو مفید مقدمات  
 اور تعلیمات کے وارد کرنے کے سوائے اور سلف متقدمین کی اصلاح سے ان مضامین کے  
 مطابق کینے بغیر اہل زبان کے اذبان پر جو کہ علوم رسمیه کے عادی ہو گئے ہیں محض آپ کی  
 زبان برکت نشان سے صادر ہوئے کلمات کے ترجمہ سے دشوار معلوم ہوتا تھا لہذا قارئین

سے یعنی حاضرانے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنہیں غائب نہیں دیکھتا ہے یعنی جو شے ہمارے حاصل نہ ہو

کے وہ ساری کی ساری چھوڑی بھی نہیں جاسکتی۔

۲ اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہمیشہ رکھے۔ ۱۲۔



کے سمجھانے کی سہولت کے لیے بعض مقامات میں کسی قدر تقسیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقدمات کی تمہید اور تہذیبات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قسب اُحقیقین، فخر العرفاء، المکملین، اعلمم بالشد حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ معیناً اس عاجز نے اس کتاب کے ہر دو حصہ کو اطلاق کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گزار کر دیا تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہو جائے اور جو نقصان اس پر پڑا اس کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آگیا ہو۔ آنجناب کی اصلاح کی وجہ سے اس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام "صراطِ تقسیم" رکھا اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا گیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ **لَمَّا تَوَقَّعْنَا نَبَأَ الْوَعْدِ بِالنَّبِيِّ الْوَعْدِ**  
**عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْهِ أَنَبْنَا**

۱۲۔ یعنی مجھے کچھ تو فہم نہیں مگر ساتھ اللہ کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں  
 گرو گرو کرتا ہوں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

یہ تین افادہ پر مشتمل ہے

### پہلا افادہ

جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل و علا کی محبت حاصل کرنا ہے چنانچہ فقیرہ حدیث "مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلَهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهِا يَعْنِيْ جِسْمِ كَيْ نَزْدِيْكَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُوْر رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْسِيْ سَبِّ مَاسُوَا كِي نَسْبَتِ زِيَادَةً تَرْمَحْبُوْبٌ هُوْنِ (اَسْنِيْ اِيْمَانِ كَا مَزْهَجُ كَيْتَا) اَسْنِيْ اَمْرِكِيْ تَصْرِيْحٌ بِئِيْ اُوْر اِيْتِ اِذْ اَلَّذِيْنَ اَمْنُوْا اَشَدَّ مَحَبَّةً لِلّٰهِ رَ يَعْنِيْ اِيْمَانِ وَاَلِيْ اللّٰهُ تَعَالٰى كِي مَحَبَّتِ مِيْنِ مَضْبُوْبٌ هِيْنِ) اَسْنِيْ كِي طَرَفِ اِشَارَةٍ هِيْءِ۔ اِگْرُ حِيْجَةُ تَمَامِ صُوْفِيَا ئِيْ كَرَامِ اُوْر اِجْمَاعِ طُوْا لَفِ اِنَامِ كِي نَزْدِيْكَ يَهْمَسُّ اِجْمَاعِيْ اُوْر مُتَّفِقٌ هِيْ لِيْكِنِ اَسْنِيْ مَقَامِ مِيْنِ نَهَايَتِ بَارِيْكَ نَكْتَهِيْ هِيْ جِسْمِ سِيْ اَكْثَرِ اَهْلِ زَمَانِ غَافِلِ اُوْر حِيْوَكِيْ هُوْنِيْ هِيْنِ اُوْر وَه نَكْتَهِيْ هِيْ هِيْ كِي حَبْتِ نَفْسَانِيْ جِسْمِ كُو دُو سَرِيْ لَفْظُوْنِ نِيْنِ لَقْبِ عَشْقِ سِيْ نَامَزْدُ كَرْتِيْ هِيْنِ اُوْر حَبْتِ اِيْمَانِيْ جُو حَبْتِ عَقْلِيْ سِيْ مَشْهُوْرٌ هِيْ "اِنِ دُو نُوْنِ كِي دَرْمِيَانِ فَرْقِ كِيَا جَاوِيْ كِيُوْنِ كِيْ پَهْلِيْ حَبْتِ مَبَادِيْ سَلُوْكَ كِي وَاِرُوَاتِ سِيْ هِيْ اُوْر دُو سَرِيْ حَبْتِ اَنْبِيَا كَرَامِ كِي كَمَالَاتِ اُوْر اَوْلِيَا ئِيْ عَنَّا مِ كِي مَقَامَاتِ مِيْنِ سِيْ هِيْ۔ اَكْثَرِ عَوَامِ صُوْفِيَا ئِيْ قَسْمِ اَوَّلِ كُو دُو سَرِيْ كِي جَابِجَارُ كَرُ اُوْر اَسْنِيْ كُو اِشَارَاتِ شَرْعِيَّةِ كَا مَشَارَالِيَّةِ سَمِيْجُ كَرُ اَنْبِيَا اُوْر اَوْلِيَا كِي سِيْرُ كُو اَهْلِ عَشْقِ وُوْجِدُ كِي اَحْوَالِ سِيْ تَطْبِيْقِ دِيْنِيْ مِيْنِ نَاسِخِ كِي سُرُوْرِيْ اُطْهَاتِيْ هِيْنِ حَالَا كِي اِنِ بَزْرُ كُو اَرُوْنِ كِي سِيْرُ كُو اِنِ سَاكُوْنِ كِي وَاِرُوَاتِ سِيْ كَسِيْطَرِحِ كِي مَطَالِبَتِ نَهِيْنِ۔ اَسْنِيْ اِحْمَالِ كِي تَفْصِيْلِ يَهِيْ هِيْ كِي عَشْقِ اَسْنِيْ كِيْجَهْرَا هِيْ اُوْر بِيْ قَرَارِيْ كَا نَامِ هِيْ جُو مَقْصُوْدِ سِيْ دَسْتِيَابِ نَهِيْ هُوْنِيْ كِي وَجْهِ سِيْ اِنْسَانِ كِي بَالْمُنِ مِيْنِ پِيْدَا هُوْتِيْ هِيْ اُوْر دُو اَمْرُوْنِ سِيْ تَمَامِ قُوِيْ بَالْمُنِ مِيْنِ سُرَايَتِ كَرُ جَانِيْ هِيْ



اس کیفیت کا انجام اور اس کی نہایت اس مقصود کا پالینا اور اس محبوب کا وصال ہے۔  
 اولاً اس کیفیت کا موقع قلب ہے جو تمام کیفیات نفسانیہ کا محل ہے پھر ثانیاً تمام قوائے  
 باطنہ اور اس کا نہایت درجہ طالب کا مطلوب کے یافت میں اپنے آپ سے غائب اور  
 مضمحل ہو جانا ہے پھر جب یہ غایت مرتب ہو جاتی ہے تو اس پر لیشانی اور بے قراری  
 کی شوکس فرود ہو جاتی ہے۔ اور وہ کیفیت جو عشق سے نامزد ہے زائل ہو جاتی ہے اور حب  
 عقلی سے یہ مراد ہے کہ طالب کے دل میں اس چیز کی طلب کا ارادہ جو شادمانہ ہے جس کے  
 فوائد اور منافع اور اس کی طرف اپنے محتاج ہونے پر اس نے اطلاع پائی ہے اور اس  
 داعیہ نے طریق طلب کی مشقیں اٹھانا اس پر سہل کر دیا ہے اور اس سبب سے اسکی طلب  
 میں کمر ہمت چست باندھ کر جو جیلہ اپنے فکر کے کیسہ میں رکھتا تھا۔ سب کچھ اسکی  
 طلب میں خرچ کر ڈالا اور اختیاراً بغیر مجبوری کے اپنا سب سرو سامان چھوڑ دیا۔ اور اس  
 محبت کے واقع ہونے کی جگہ اولاً تو عقل ہے جو معلومات کا خزانہ ہے پھر ثانیاً قوائے باطنہ  
 میں بھی یہی ارادہ اثر کر جاتا ہے جیسے پانی درخت کی جڑ سے اس کے پتوں اور پھول پھل تک  
 سرایت کر جاتا ہے پس عقل میں کیا کیا فکر اور کیسی کیسی تجویزیں اس کے حاصل کرنے کے لئے  
 درست کرتا ہے اور دل میں کیا کیا ہمتیں اور کیا کیا ارادے اسکی طلب کے لئے برانگیختہ کرتا  
 ہے اور جوارح اور اعضاء پر کیسی کیسی مشقتوں کا سامنا اور کیسے کیسے مالوفات اور مرغوبات  
 کا ترک کرنا اس مطلوب کے راستہ میں چلنے کے لئے اپنے اوپر گوارا کرتا ہے اور جس طرح  
 پہلی "حب عشقی" کا نتیجہ علم کا فنا ہونا ہے یعنی ماسوائے محبوب سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے  
 بھی غافل اور بے خبر ہو جانا اسی طرح دوسری حب عقلی کا ثمرہ فنا ہی ہمت ہے یعنی  
 جو بات کہتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اسی کی طرف سے سنتا ہے اور جس نظر و فکر کا نتیجہ  
 محبوب کے حاصل کرنے اور اس کے راستہ میں چلنے کے سوا کچھ اور ہو وہ اسکے نزدیک  
 اس قسم کے وسوسوں میں سے ہے جن کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور جو محبت اور عداوت اور



پسند کرنا اور ناپسندی کہ محبوب اور اس کے طریق کے مناسب اور مخالف کے ساتھ نہ ہو اس کے آگے ایسے عوارض کے قبیل سے جن کی طرف کچھ التفات نہیں کی جاتی غرض تحصیل مطلوب اور اس کے طریق کی تمہید کے خیال نے طالب کے ظاہر اور باطن کو اپنی حکمرانی اور فرمانروائی کے نیچے دبایا ہوا ہوتا ہے برخلاف پہلی حب کے کہ اس میں محبت کے تمام باطن کا حب سے پر ہو جانا اس کی تحقیق اور پایا جانے کے لئے شرط نہیں کیوں بسا اوقات ایک چیز کا عشق اس کے بغض عقلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خاص کر جب کہ حب عقلی اور حب عشقی میں تعارض ہو تو اس وقت تو یہ اجتماع ضدین ضرور لازم آجاتا ہے مثلاً ایک نوجوان دیندار والدین سے نیک سلوک کرنے والے کو کسی عورت یا کسی بے ریش لٹکی کا عشق لگ جاتا ہے اور چون کہ شارع یا اس کے والدین جو اس کے نزدیک حب عقلی سے محبوب ہیں اس امر سے روکتے ہیں۔ ناچار وہ سعادت مند دل کی تہ سے اس معشوق کو کہ بلکہ اس کے عشق کو مکروہ اور مبعوض رکھتا ہے اگرچہ اپنی طبیعت کی رو سے اس کا مغلوب ہی ہو جاوے لیکن دوسری حب چوں کہ اس کا مقرر و موقوع اصل عقل ہے اور وہاں سے اس کے لشکروں نے قوائے طبعیہ پر چڑھائی کی ہے اس لئے محبت کے تمام باطن کو مسخر کر لیا ہے کسی طرح معارض کی اس میں گنجائش نہیں اور جس طرح کہ پہلی حب محبوب کو پالینے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور اس کی سوزش اور بھڑک فرو ہو جاتی ہے اسی طرح دوسری حب محبوب کے وصال سے ترقی میں قدم رکھتی ہے اور ایک سے ہزار گنا ہو جاتی ہے اور اس قدر وسعت اور کشادگی پکڑتی ہے کہ ہرگز ایسی وسعت اور قوت ہجر اور جدائی میں متصور نہیں کیوں کہ پہلی حب کا مبنی اور منشاء محبوب کا نہ پانا تھا اور ہجر اور فراق اسکی شرط تھی اور قاعدہ کی بات ہے کہ اِذَا فَاَتَ الشَّرْطَاتِ الْمَشْرُوطِ اور

یعنی جب شرط ناپدید ہو تو مشروط بھی نابود ہو جاتا ہے



اور حسب ثانی کا منشاء، محبوب کے منافع اور فرائد کا علم اور اس کے کمالات کا جاننا اور اس کی طرف اپنی محتاجی کو سمجھنا تھا۔ اور یہ معنی وصال میں واضح تر ہو جاتا ہے کیوں کہ علم الیقین عین الیقین سے بدل جاتا ہے اور تفصیل کے ساتھ جمال کی شرح ہو جاتی ہے مثلاً پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے یعنی معدہ میں حرارت جو ش مارتی ہے اور سینہ میں سوزش اور لب پر خشکی ظاہر ہوتی ہے اس وقت اسکو پانی کا عشق ہو جاتا ہے یعنی طبیعت کی تڑپ سے اسنے پانی کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور اس کے نہ پانے کی وجہ سے بیقراری اور گھبراہٹ عارض ہو جاتی ہے اگرچہ کسی سے اس نے یہ نہ سنا ہو کہ پانی پیاس کو بچا دیتا ہے تاہم اس کو پانی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے اور اگرچہ کسی جسمانی یا نفسانی ضرر کے اندیشہ سے عقل پانی کے استعمال سے مانع ہو اور جب عین پیاس کی شدت میں اسے میٹھا پانی مل جاوے اور پی کر اس سے سیراب ہو لے اور رونگٹے رونگٹے میں اس کی سیرابی سرایت کر جاوے۔ اس وقت اس شخص پر ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے کہ اگر اس سے تعبیر کریں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ماسوائے پانی سے نسیان اور فراموشی حاصل ہو گئی ہے بلکہ بسا اوقات سکر اور نشہ کی طرح خمار ساطاری ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے تھوڑی سی دیر کے لئے بخود ہی میسر ہو جاتی ہے اور وہ پیاس کی حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اہل زراعت اور کسانوں کو پانی کی نسبت حسب عقلی ہے کیوں کہ ان کا میلان پانی کے حاصل کرنے کی طرف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کی کھیتیاں اور چراگاہ اور باغ بیچے جوان کی عیش و معاش کا سرمایہ اور زندگی کا مدار ہیں پانی کے بغیر کسی صورت میں سرسبز نہیں ہو سکتے جنھن کہ پانی کی طرف اپنی کمال حاجت اور پھلوں اور غلوں میں پانی کی نہایت منفعت کو سمجھ کر اسکی طلب کا خیال اس کے دل سے اٹھتا ہے اور ان کی تمام ہمت کو پانی کی طلب میں مصروف کر دیتا ہے پس کیا کیا دعائیں اور زاریاں پانی کی طلب میں ان سے صادر ہوتی ہیں اور کیا کیا حیلے اور تدبیریں اور چوسوں کے مرتب کرنے میں ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور



کیا کیا محنتیں مشقتیں نہروں اور کٹوؤں کے کھودنے اور حوضوں کے درست کرنے میں رات  
 دن کسانوں پر اور ان کے چہارہ پاویں پر گزرتی ہے اور یہ لوگ ان تمام دشواریوں کو اتنا کمال  
 اور فخر سمجھ کر ان امور اور ان جیسی دشواریوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر ان کے حاصل کرنے  
 میں ایسی سرگرمی اور چالاکی دکھاتے ہیں جس میں کسی طرح سستی اور کوتاہی کو دخل نہیں  
 ہوتا اور اگر کبھی کوئی کسی قوم کا ان کاموں میں لپست ہمت ہو جاوے تو دوسرے کسان اس  
 پر طعن کرتے ہیں اور اسے کم عقلی اور لپست ہمتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جتنا پانی انہیں  
 حاصل ہوتا ہے اس کے منافع اور فوائد پر عین الیقین سے اطلاع پا کر اپنی تمام کوشش  
 اور سعی کو اور جو جو مشقتیں اسکی طلب میں اٹھانی تھیں سب کو بجا اور بر محل سمجھتے ہیں  
 اور اس اپنی محنت پر خوشحال اور شکر گزار ہوتے ہیں اور مشقتوں کے اٹھانے میں زیادہ  
 چالاک ہوتے ہیں جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے  
 بعضے خاص بندوں کو جن کی قسمت میں سعادت ازلی تھی برگزیدہ کر کے محض اپنی عنایت  
 و مہربانی سے اپنی محبت کی دو قسموں میں سے ایک یا دونوں کی طرف ہدایت کر کے اس  
 سعادت دو جہانی کے سرمایہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے ثمرات و نتائج کے ساتھ فخر اور  
 امتیاز بخشتا ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور محبت کی ان دونوں قسموں کیلئے  
 کئی اسباب اور تائید کرنے والی چیزیں اور کئی آثار اور ثمرات ہیں جو اسی نوع کے ساتھ  
 خصوصیت رکھتے ہیں اور چونکہ طالب راہ حق محبت کی دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو  
 دوسری قسم سے انہیں امور کی بدولت پہچانتا ہے اس لئے ان امور اربعہ کا نام رکھا  
 گیا ہے وجہ التمايز نيمادين النوعين ۔

۱۲ یعنی ہر دو قسموں کے آپس میں

علیہ علیہ پہچاننے کی وجہیں یعنی اس کتاب میں جہاں وجہ التمايز نيمادين النوعين کا لفظ آوے گا مراد اس سے  
 بھی چار چیزیں ہوں گی



## دوسرا افادہ

چوں کہ حسبِ ایمانی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت پر جا کر ختم ہوتے ہیں اس لئے اس طریق کا نام جس کی ابتداء حسبِ ایمانی سے اور انتہا نبوت پر ہے "راہِ نبوت اور نسبت نبوت رکھا گیا اور چونکہ حسبِ عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات معرفت پر جا کر ختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وجودِ حضرت حق جل و علا کے سامنے اور اشیاء کے حقائق نیست معلوم ہوتے ہیں اور یہ معرفت ولایت کا خلاصہ ہے اس لئے اس طریق کو جس کی ابتداء حسبِ عشقی ہے اور انتہا معرفت پر ہے "راہِ ولایت و نسبت ولایت سے نامزد کیا گیا۔

## تیسرا افادہ

مضامین کتاب کی تقدیم و تاخیر کا سبب

اس امت کے اکابر یعنی ائمہ طریقت و پیشوایان حقیقت اگرچہ طریق نبوت کے کمالات کے ساتھ موصوف اور اس کے ثمرات کے مقام میں راسخ القدم تھے لیکن انہوں نے اس نسبت کے حاصل کرنے کا طریق راہِ ولایت کے حاصل کرنے کے طریق سے ممتاز نہیں فرمایا اور اس راستہ کے مباحث میں بالاستقلال کچھ کلام نہیں کیا اور اس راہ کے مبادی کی تعیین میں سعی بلیغ نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب دونوں قسم کی محبت میں امتیاز کے وجہ سے منعقد کیا جاوے اور چوں کہ ہر طریق کے آثار و علامات کا دریافت کرنا اس طریق میں چلنے اور سسوک کرنے پر مقدم ہے لہذا اس باب کو باقی البواب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ نفسِ ناطقہ کو اخلاقِ رزیدہ اور صفاتِ کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اور اوصافِ جمیدہ اور فضائلِ جمیدہ سے مجلی اور زینت ناک کرنا اور عبادتِ شریعہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے راہِ نبوت کی بنیاد اور راہِ ولایت کی رونق و بہار ہے اس لئے ضرور



ہو کہ ایک باب میں اس کتاب کا جو تخلیہ اور تخلیہ مذکورہ شامل ہو۔ عبادات شرعیہ کے ادا کرنے کے طریق پر متضمن ہو۔ ہر دو طریق کے سلوک سے پہلے اور وجوہ تائید طریقین کے بیان سے پیچھے ہو معین کیا جاوے تاکہ طالبین راہ نبوت کو اپنے کام کا سرشتہ ہاتھ میں آ جاوے اور راہ ولایت کے سالکین کو اپنی سعی کے ثمرات دکھائی دینے لگیں اور نیز اکابر طریقت نے اگرچہ افکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں نہایت کوشش لیکن حکم اس مصرع کے **عز سحر و سحر وقتے و ہر نکتہ مقامے دار و بے ہر وقت کے مناسب اشغال** اور ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طریق کے پیشرواں میں سے اہل تحقیق اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوششیں کر گئے ہیں۔ بنا برآں مصلحت وقت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کا ایک باب ایسے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں معین کیا جاوے اور طریق ثلثہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال کی تجدید سے باقی طریق کے اشغال کی تجدید پر اکتفاء کی جاوے کیوں کہ یہی تینوں طریق سب طرق سے زیادہ مشہور ہیں پس ان تین طرق کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ نسبت ولایت کا حاصل کرنا راہ نبوت کے سلوک کو آسان کر دیتا ہے اور چونکہ نسبت ولایت کا صاحب نسبت نبوت کو تھوڑی سعی سے حاصل کر لیتا ہے اس لئے حسن ترتیب کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ باب (جس میں سلوک کی طریق ولایت کا بیان ہے) **باب چہارم سے جو سلوک راہ نبوت پر مشتمل ہے مقدم کیا جاوے** **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**

یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے اور تحقیق کی مہاریں اس کے ہاتھ میں ہیں



# باب اول

## تہاؤں طریقین کے وجوہ کے بیان میں

یعنی جن وجوہ سے طریق نبوت اور طریق ولایت میں امتیاز و فرق ہوتا ہے۔ ان کا بیان

اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

### فصل اول

طریق ولایت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں اور یہ فصل چارہ ہدایتوں پر مشتمل ہے۔

### پہلی ہدایت

حبت عشقی کے حاصل کرنے کے اسباب ہیں اور یہ دو افادہ پر مشتمل ہے۔

### پہلا افادہ

جاننا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت کے حاصل کرنے کا عادی ذکر و فکر ہے لیکن جو ذکر و فکر محبت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہو سکتا ہے وہ اس ذکر و فکر سے جدا ہے جو دوسری قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہو سکتا ہے چنانچہ دونوں قسموں کی تفصیل احکام کے ضمن میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا جاوے گا۔

### دوسرا افادہ

مخفی نہ رہے کہ حصول عشق کا سبب ایک مثال بیان کرنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے سو اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے لطیف تر اور زیادہ صاف ہے۔ جب زمین کے اجزائے لطیفہ سے جن کو دغان کہتے ہیں مل جاتی ہے ان اجزائے ارضی کو اپنے چیز کی طرف جو سب اجزاء عنصریہ سے مافوق اور اوپر ہے کھینچتی ہے تاکہ ان کو اپنے آپ میں فانی کر کے آثار احکام میں اپنا ہم رنگ اور مشابہ بنالے لیکن غبار جو کہ جو میں تو دسے کے تو دسے جمع ہو رہا ہے چونکہ اس دغان کو چیز نار

سے نابین آسمان و زمین کو جو کہتے ہیں ۱۲



کی طرف چڑھنے سے مزاحم اور مانع ہوتا ہے ناچار اقتضائے نار اور اقتضائے غبار کے درمیان کش مکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہو جاتا ہے اور اس تمناع اور مزاحم کے سبب سے رعد کی ہولناک آواز آگ کے برقی شعلے حادثات ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اجزا و ناریہ اپنی تندہی اور تیزی کی وجہ سے بعض عوائل کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہا دیتی ہے اور بعض موائع کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو زمین پر اگندہ اور پریشان کر دیتی ہے۔ بعد ازاں اجزائے لطیفہ دکانہ کو کچھ کھچا کر اپنے آپ میں فانی اور نیست و نابود کر دیتی ہے۔ اسی طرح لفظ مبارک اللہ کلاسم ذات، جو عالم الفاظ میں حضرت یحییٰ بن سمانہ و تعالیٰ کی تجلی ہے، جب ذاکر کے حلق زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مال مال کر دیتا ہے بشرطیکہ ذکر جہر جو وسوسہ کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کے لئے موضوع ہے، اس طریق کے مطابق ہو جو صوفیائے کرام کے نزدیک معهود و مقرب ہے علیٰ ہذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گمشدگی اور گم نامی بخشا ہے بشرطیکہ ذکر خفیہ جو اس لفظ مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے اور لوگوں کے اختلاط اور ہمکلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لئے موضوع ہے، اس طریق پر واقع ہو جو صوفیاء میں مشہور و معروف ہے خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنی حاصل ہو گیا ہو خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصور کی طرف انتقال ہو جاوے اور یہ عالم علم و ادراک میں حضرت حق جل جلالہ کی تجلی ہے جو سب تجلیات سے الطف اور بلند نہاد اور حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے اور جب یہ تجلی یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیط محض اور مجرد بحت ہے اس کے ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ اس کی اصیرت کی آنکھ اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جاوے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف نظر



جہاں اور اس کے ماسوا کی طرف نہ دل سے ذرہ مہر التفات بھی صادر نہ ہو اور اگر گاہ بگاہ ماسوا کا خطرہ اس کے ذہن میں گزر جاوے تو امور اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے نہ تو دل سے اور قوم یعنی صوفیائے کرام کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔

الغرض جب طالب اپنے ادراک اور سمیت سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلی اس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے تو سالک کی لطیف ترین اجزاء کو جس کا نام روح الہی ہے اپنا آشیانہ بنا کر اور اس کے ساتھ امتزاج پا کر اسکو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے اور روح الہی جو کہ عالم پاک سے ہے اور **ذَلِ الرُّوحِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** اسکی شان میں ہے اور اس مشق خاک یعنی جسم میں مجسوس و مقید ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب اس تجلی کے نور سے اس کا چہرہ مصفا اور مصقول ہو گیا اور کمالات حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کہ (حدیث) **وَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى سُوْرَتِهِ** اسی کی طرف اشارہ ہے اور اپنے فراموش شدہ اصل کو پھر یاد کر کے اصل کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے پس اس تجلی کا اس روح کو کھینچنا بہ سبب اس کی آگاہی اور بیداری کے جو اس تجلی کے استقرار کی وجہ سے حاصل تھی اور روح کا کھج جانا حظیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضاء کرتے ہیں اور رفیق اعلیٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں لیکن چونکہ بشریت کا غبار حظیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہو جاتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کش مکش اور مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اس سبب سے شورش اور بے قراری اور گرمی اور نغمہ کے اندر جو روح طبعی سے ملقب ہے پیدا ہو جاتی ہے جس طرح غصے کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت لبثاشت اور دل کی کشادگی پیدا

۱۱ یعنی کہہ دو روح میرے بت کے امر سے ہے ۱۲ منہ ۱۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا

یعنی صفت پر ۱۳ نغمہ کے معنی ہیں نفس اور جان ۱۲



پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل یہ شور و غلج اور تغلغل جو کہ روحِ نفسانی میں پیدا ہو گئی ہے۔ طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کر دیتی ہے اور ایسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانونِ شرع اور قواعدِ ادب سے باہر کھینچ لے جاتا ہے اور اس کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے جنگلوں اور دیوانوں سے انس اور دل لگی ہو جاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے وحشت ہو جاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشکباری حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے اور چونکہ اس کیفیت کی حامل اور اٹھا نیوالی روح حیوانی ہے اس لیے اس کو حبِ نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت انا فانا بڑھتی جاتی ہے تاکہ بشریت اور نا آشنائی کا حجاب مچھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو کر اس محبت کا ثمرہ مترتب ہو جاتا ہے۔

### دوسری ہدایت

حبِ عاشقی کے مؤیدات کے بیان میں اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے:

### ہدایہ افادہ

حبِ عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے یعنی کم بولنا کم سونا اور لوگوں سے اختلاط اور صحبت کم رکھنا اس لیے کہ جس حیوانی کو ان امور سے رقت اور لطافت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر روح حیوانی رقیق تر ہو اسی قدر تغلغل اور شور و غلج اور گرمی کا پیدا ہو جانا اس میں جلدی سے ہوتا ہے۔

### دوسرا افادہ

حبِ عاشقی کے مؤیدات میں سے الحانِ خوش اور صورتِ دلکش اور قصصِ شوق آمیز اور اشعارِ عشق انگیز کا سنا ہے۔

یہ تغلغل کے معنی ہی شور و غلج کے ہیں ۱۲ منہ



## تیسرا افادہ

منجملہ مؤیدات حبِ عشقی کے ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روحِ طبعی میں کثافت پیدا ہونے کے باعث ہوتے ہیں مثلاً مہبت سوزا اور ہمیشہ کثیف غذاؤں کا کھانا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جو اہل تجربہ پر غفنی نہیں۔

## تیسری ہدایت

آثارِ حبِ عشقی کے بیان میں اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے۔

## پہلا افادہ

منجملہ آثار اس حب کے ایک یہ ہے کہ اس کا اقتضا، ذاتی حجابِ بشری کا پھاڑنا اور روحِ الہی کا اپنی اصل کی طرف پہنچنا ہے فقط کسی قانون کی مطابقت اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل نہیں خواہ قانونِ شرع ہو خواہ قانونِ ادب اور نہ کسی کی رضا اور خوشنودی کا طلب کرنا اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ محبوب کی رضا ہو یا اس کے غیر کی اور نہ کسی کی متابعت کا التزام اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ اپنے محبوب کی متابعت ہو یا اس کے سوا کسی اور کی۔ یہ مت سمجھنا کہ اس کلام سے یہ مقصود ہے کہ اربابِ عشق و اصحابِ مزا جید قیودِ شرعیہ سے مقید نہیں ہو یا آدابِ عرفیہ سے متائب نہیں ہوتے اور رضائے مولیٰ کے طالب اور متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملتزم نہیں ہوتے۔ حاشا وکلا یہ بات ہرگز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حب بالذات ان امور کے مقتضی نہیں اس کا مقتضی صرف یہ ہے کہ صاحب اس حال کا حضرت ذوالجلال کے مشاہدہ میں مضحل اور فانی ہو جاوے ولس جس طریق سے یہ کیفیت حاصل آوے فیہا کسی طریق کی خصوصیت کو اس کے اقتضائے ذاتی میں دخل نہیں مثلاً اگر اس حال کے صاحب کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کا ظن مزا میر کے سننے اور عشق مجازی اور او شغل بزرگ کے ارتکاب اور اوقات کو انکار و طاعات سے خالی رکھنے وغیرہ ممنوعاتِ شرعیہ میں ہو تو البتہ دل سے ان امور کی طرف میلان اور کشش پیدا ہو جاوے گی۔ اگرچہ صاحب



حال دینداری اور قشری ہونے کی وجہ سے اس خیال کے اظہار کے ظہور سے مانع ہووے بلکہ اس خیال کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ عشق مجازی میں عاشق کا مطلوب اپنے معشوق کے جمال کا مشاہدہ اور اس کا قرب اور وصال ہوتا ہے اگرچہ معشوق کو اس عاشق کے قرب سے ایلا پہنچے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ یعنی معشوقان مجازی اپنے عاشقوں کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمدورفت کرنے سے سخت مانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب و جوارہ بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں حتیٰ کہ گالم گلوش اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے مگر وہ عشاق مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوقوں کی محفلوں اور مجالس میں آمدورفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور پار کے کوچے میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمال عالی ہمتی شمار کرتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کے اشعار نظمیہ اور کلمات نثریہ اس امر پر دلالت صریحہ رکھتے ہیں۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلام شکایت آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے اور حب عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس بغض کے مرتبہ میں جاگرتا ہے تاہم ارباب عشق مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح صرفہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حب عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حب عشقی اور حب عقلی میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

## دوسرا افادہ

اس حب کے بعض آثار میں سے تفریب یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور زنگارنگ کے علائق کے ہجوم اور عروص سے تنگدل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا، مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں اور جمعوں کے قائم کرنے



اور اہل قرابت وغیرہ دوی الحقوق کے ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تدریج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے

### تیسرا افادہ

منجملہ آثار حب عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سبحانہ و تعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے اور اسکی ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا متعلق ہو جاتا ہے چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرما کرے تو البتہ میں اس کی طرف التفات تک نہ کروں گا

### چوتھا افادہ

منجملہ اس حب کے آثار علوم اور طاعات ظاہرہ سے لاپرواہی ہے کیوں کہ ان علوم کا شغل پر اگندہ علوم امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے اور چوں کہ اس کا کام بساطت و درلبساط ہے اس لیے ایسے امور کا اشتغال اس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے۔

### پانچواں افادہ

منجملہ آثار حب عشقیہ کے نہ سمجھنا اس علاقہ کا سے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے لئے ایک باطن ہے اور وہ تعلق دل کا ہے حضرت حق جل و علا سے اور اس تعلق کے مختلف انحاء اور ڈھنگ ہیں اور ان انحاء میں سے ہر ایک کا نام نسبت رکھا جاتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے محل پر مذکور ہے اور ایک شریعت کا ظاہر ہے اور وہ ادا شرعیہ کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا اور ان افعال ظاہرہ اور تعلقات قلبیہ کے درمیان ایک نہایت باریک علاقہ ہے کہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کو شرح و تفصیل سے اس کے بیان کی توفیق ملی ہے پس جو شخص اپنے وجدان سے اس علاقہ کو سمجھ لے اس کی عبادت سر اسر مغربے پوست



ہو جاتی ہے اور اس کے افعال احوال کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ ورنہ وہ شخص قشری اور محض خشک زاہد ہو جاتا ہے۔ اگر ظاہر افعال شرعیہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہو نہیں تو ایک گونہ الحاد ہے دینی، اس کے عقائد میں راہ پاجاتا ہے۔ اگر باطن شرع کے ساتھ تمسک کر کے ظاہر شریعت کو درجہ اعتبار سے ساقط کر جائے اور چونکہ اس علاقہ کا سمجھنا کثرت افعال کو وحدت احوال میں انتظام دینے کے قبیل سے ہے اس لیے صاحبِ حبِ عشقی کو اس میدان میں بولا کرنے کی گنجائش نہیں مگر اربابِ حبِ عقلی کی تقلید سے اور ان آثار سے جو مذکور ہوئے ان آثار کا کھوج لگانا جو بسبب تنگی مقام کے قلم تحریر میں نہیں آسکے۔ اہل دانش و صاحبانِ فطانت پر چنداں مشکل اور دشوار نہیں اَلْعَاقِلُ سَتَكْفِيهِ الْاِشَارَةُ۔

### چوتھی ہدایت

حبِ عشقی کے ثمرات کے بیان میں اور یہ تین افادوں پر مشتمل ہے۔

### پہلا افادہ

جب کیفیتِ عشقیہ کی شدت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا غبار کھل جاتا ہے اور ظلمانی اور نورانی پردے مچھٹ جاتے ہیں اور بناء بر وعدہ الَّذِينَ جَاهِدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور مطابق کلمہ فَادْكُرُوْنِي اذْكُرْكُمْ کے ضرور مشاہدہ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب اور محبت کا معنی جو کہ مضمون اَنَا عِنْدَ نَظْرٍ عَبْدِي فِي كَاهِي اور جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے۔

لے عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے بلکہ یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھا دیا کرتے ہیں تم مجھے یاد کرو گے میں تمہیں یاد کروں گا تم میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرنے لے اور تو اللہ کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پاوے گا :

وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرْتَنِي وَأَدْفَعِيكَ اللَّهُ بِحَبْلِ خِطَائِكَ



اور جوتب و تاب اور قلق و اضطراب محرومی اور مجبوری کے وقت میں برداشت کیے تھے ان کے بدلے میں سرور و ابہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی اور شکرگوشی کے سرو پا ہاتھ آتے ہیں غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انیسیت سے بدل جاتی ہے۔

## دوسرا افادہ

پھر جب توفیق کارا ہمارا مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقاء کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے ٹکڑے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزائے لطیفہ اس آگ کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں داخل ہو کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ ٹکڑے (لوہے کا) آگ کے انگاروں میں شمار ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیوں کہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہ ہائے نار یہ کے لشکروں کے، نجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مرتب ہوتے ہیں وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مرتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مرتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لیے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کیے جاسکتے ہیں چنانچہ آیہ **وَمَا نَعْلَمُ عَذَابَ نَارٍ كَمَا نَعْلَمُ عَذَابَ نَارٍ** اور آیت **نَارِ آدْرَ بَلْغَمٍ** اسی کی طرف

لہ یعنی میں نے اس کام کو اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کیا بلکہ سویرے رب نے ارادہ کیا۔



اشارہ ہے

الغرض اگر اس میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سوزبان کے ساتھ آگ اور اپنی  
 عینیت اور یک جان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور خواہ مخواہ ضرور ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت  
 سے غافل ہو کر یہ بول اٹھتا کہ میں جلائیوالی آگ کا انگارہ ہوں اور میں ہر وہ چیز ہوں کہ باورچیوں  
 لوہاروں اور ستاروں بلکہ تمام پیشہ وروں کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسی  
 طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں دریائے احدیت کی گہری  
 تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو انا الحق اور لیس فی جفیی سوی اللہ کا آوازہ  
 اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ  
 الذی یبصر بہ و یدہ الّتی یبطش بہا اور ایک روایت کی رو سے کہ  
 رآناہ الذی یتکلم بہ اسی حال کی حکایت ہے اور حدیث ہے اذ قال  
 اللہ علی لسان نبیہ سمع اللہ لیمن حیدرہ . . . اور حدیث  
 کہ یقیناً اللہ علی لسان نبیہ ما شاء اسی سے کہنا یہ ہے اور یہ نہایت  
 باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے چاہئے کہ تو اس میں خوب تامل و غور کرے اور اس کی تفصیل

کو دوسرے مقام پر چھوڑیے

رَأَىٰ ذَٰلِكَ فَلَا أَقُولُ لِأَنَّهُ سِرُّ لِسَانِ النَّاطِقِ عِنْدَ الْخَوْسِ

یعنی اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ وہ ایسا مجید ہے جس سے بولنے والی زبان

کہ یعنی میں خدا ہوں کہ یعنی میرے بر دو پہلو میں بجز اللہ کے اور کچھ نہیں کہہ یعنی میں اس کا کان بن جاتا ہوں  
 جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس  
 سے وہ پکڑتا ہے کہ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے کہ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے  
 نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف کی اور حمد کی کہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے  
 نبی کی زبان پر حکم چاہے بھیجتا ہے ۛ



گوئی ہے اور زہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیوں کہ جب وادی  
 مقدس کی آگ سے نکلے اے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صادر ہوئی تو پھر اشرف  
 موجودات سے جو حضرت ذات سبحانہ و تعالیٰ کا نمونہ ہے۔ اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی  
 تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا  
 اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور  
 کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لَیْسَ سَاۗلِیْکَ لِاَعِیْبَتِیْ  
 وَلَیْسَ اِسْتَعَاذِیْ لِاَعِیْبَتِیْ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں  
 گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب  
 حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی ۲۰۷  
 عَاذِیْ وَ لِیْسَا فَقَدْ اَذِنَتْ بِالْحَرْبِ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے

### قیسرافادہ

پھر جب کوئی اور لطیفہ غیبی اور جذبہ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک  
 کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہے جس کے سبب سے تمام حقائق  
 کو ذیہ اور موجودات امکانیہ ذات بچوں کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور نسبت  
 پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے درمیان ظاہر  
 ہونے لگتی ہے غرض بساط وجود پر حضرت حق کی قومیت کا انبساط اور ان حقائق متکثرہ کا  
 قیام اس ذات واحد یکتا کے ساتھ اس کی سمجھ میں آسکتا ہے اور آیت ۱۰۷ هُوَ الْاَزَلُّ

یہ یعنی بے شک میں خدا ہوں تمام جہان کا پروردگار ہے یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے  
 لڑائی کے لیے میدان کارزار میں لگاتا ہوں یعنی سب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی  
 ہے اور وہ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے



هُدَى الْآخِرِ وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ وَهُوَ بِكَلِّ نَبِيِّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَحْمَتِهِ لَوَادِلِيَّتُهُ بِجَبَلِ  
 الْإِلَادِ مِنْ الشَّادِحَةِ الشُّنْبَلِ الْهَيْطِ عَلَى اللَّهِ كَمُضْمُونِ كَيْ سَاثِمِ دَمِ مَارِنِ لَكُنَابِي

سبحان اللہ جب عشقی کی کیا عمدہ تاثیر اور مجلسی کا کیا خوب جذب ہے کہ یہ ایک مشت خاک  
 اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہو جاتی ہے اور اس بے قدر مٹی نے بڑے

رب الارباب کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا

۷ جسم خاک از عشق بر افلاک شد ۶ کوہ در رقص آمد و چالاک شد

عشق جان طور آمد عاشقا ۶ طور مست و خرموسنی صاعقا

یعنی خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا۔ پہاڑ عشق کے طفیل رقص میں آیا  
 اور چالاک ہو گیا۔ اسی عاشق عشق طور کی جان ہے طور مست ہے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر  
 گئے ہیں اور اس مقام کے لوازم میں سبک وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الہیہ کے  
 ساتھ لب کھولنا اور ان آیات کے مضمون کو پڑھنا

۷ آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم ۶ فاش گر گویم جہاں بر ہم زخم

جملہ معشوق است و عاشق پرورہ ۶ زندہ معشوق است و عاشق مردہ

منجملہ احکام حب نفسانی کے جس قدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہو چکا باقی  
 رہی اس مقام کی شرح و بسط خصوصاً مقام فنا اور بقا کی تفصیل پس قوم یعنی صوفیاء کی  
 کتابوں سے طلب کرنی چاہیے اور قدوة الاولیاء اور زبدة الاصفیاء یعنی حضرت ولی اللہ  
 رحمۃ اللہ علیہ اس کمال کو "قرب التوافل" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

## دوسری فصل

طریق نبوت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں اور یہ فصل چار ہدایتوں پر مشتمل ہے

۷ یعنی اگر تم سب سے نچلی ساتویں زمین تک ایک رسی لٹکا دو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا گرے گی ۶



## پہلی ہدایت

حب ایمانی کے حاصل کرنے کے اسباب کے بیان میں اور یہ تین تمہید اور دو افادہ پر مشتمل ہے۔

## پہلی تمہید

جانتا چاہیے کہ انسان کی اصل پیدائش میں چند چیزیں فطرتاً رکھی ہوئی ہیں اور ان امور کا اچھا جاننا اور ان کی ضدوں کو برا سمجھنا اس کی طبیعت میں رکھا ہوا ہے اور نوع انسان کا ہر فرد شہرہ کی اس کی جبلت اہل جہل و عناد جنہوں نے اچھی فطرت کو بگاڑ دیا ہے اور اپنی جبلت کے احکام کو برباد کر دیا ہے۔ کی تقلید کے نقش سے صاف پاک ہوان امور کو اپنی اور تمام اپنے ہم جنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں کو اپنے اور اپنے ہم جنسوں کے غیب اور نقص کا سبب جانتا ہے اور ابنائے نوع میں سے جس کسی کو ان امور سے خالی اور اور ان کی طلب و تلاش سے بے رغبت پاتا ہے اسے کم فہم اور بے وقوفوں کی جماعت سے شمار کرتا ہے اور ان فطرتی امور میں سب سے عمدہ منعم اور احسان کرنے والے کی محبت اور اس کی تعظیم ہے اور اس کی جانب میں اس کے ماسوا پر تہنیز دینا اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنا اور اس کی رضا جوئی میں مشقتیں اٹھانا اور مالوفات کو ترک کرنا اور مرغوبات کو اس کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنے آپ کو اس کے بندوں کے زمرہ میں شمار کرنا اور اس کے سامنے اپنے نفس کو ناپسند محض دیکھنا اور اس کی مدح و ثنا کے ساتھ زبان کھولنا اور جوارح کو اور ہاتھ پاؤں کو اس کی خدمت اور اطاعت میں استعمال کرنا اور اس کے بار احسان کو نیچے گردن کو پست کرنا اور اپنے اوپر اس کی منت و احسان کو قول اور فعل سے ظاہر کرنا اور مرغوب اور دل پسند چیزوں کو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ترک کر دینا اور اس کی رضا جوئی اور احکام کی بجا آوری کے ارادہ پر دل کو محکم اور مضبوط رکھنا اور اس کے سامنے پست ہونے اور نیاز رکھنے سے



مار نہ کرنا گونا گوارہ اور دشوار و ناگوار کام پیش آجاویں اور امور مذکورہ پر جن کا خلاصہ منعم کی حق شناسی ہے اشتقامت رکھنا اور ہمیشگی کرنا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایک ایسا علاقہ ہو جاتا ہے کہ کبھی ملت العمر اس کے عہدہ سے کسی خدمت کے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکتا اور کسی چیز کو اس کی نعمتوں کے مقابل و موازی نہیں سمجھ سکتا اور اس کی خدمات کی بجا آوری میں محنتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی جہز اسوائے اس کے اس کی رضا کے اور کچھ نہیں جانتا اور اگر تو خوب غور اور تامل کرے گا تو افراد انسان میں سے کسی فرد کو جو فطرت کی خوبی میں اپنے اقران کا مستم اور مانا ہوا ہو۔ اس معنی سے خالی نہ پاوے گا اور محبت منعم کے ساتھ مدح اور تعریف کرنا اور اس کے ساتھ فخر اور بڑائی کرنا اور منعم کی ناشکری اور احسان نہ ماننے سے پرہیز اور نفرت کرنا اور نمک حرامی کو گالی اور دشنام دہی کے مقام میں استعمال کرنا اس نوع کے افراد میں جاری ہے مثلاً اگر تو کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور اپنے موالی اور مالکوں کی خیر خواہی اور آقا کی نمک حلالی اور استاد کی تعظیم اور بادشاہوں کی فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرے تو البتہ وہ شخص اپنے قول کو منجملہ اپنے مدائح اور تعریفوں کے شمار کرے گا اور اس مدح سے اسے خوشی اور فرحت حاصل ہوگی بلکہ اس قائل کی نسبت نفع رسائی کی کوشش اور محبت کا خیال اس کے دل میں محکم ہو جاوے گا۔ اور اگر والدین کی نافرمانی اور مالکوں سے بھاگنا اور آقا کی نمک حرامی اور استادوں کی ابانت اور بادشاہوں کی بغاوت کو کسی طرف نسبت کیا جاوے تو البتہ وہ شخص اس قول کو اپنی مذمت اور ہجو سمجھ کر اس کے قائل کی نسبت رنجیدگی اور غصہ اور غضب بہم پہنچا کر اس کے قائل کی ایذا رسانی میں کوشش کرے گا اور جب منعم کے فروع میں سے ہے اس کے شعائر کی تعظیم کرنا یعنی جن امور کو منعم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ایسی مناسبت ہے کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو ان امور کا خیال کرتے ہی منعم کی طرف انتقال کر جاوے جیسے منعم کے نام اور کلام اور لباس اور ہتھیار کی تعظیم کرنا یہاں تک کہ اس کی سواری اور رہنے کے مکان



کا ادب کرنا چنانچہ جس شخص کو ان امور کا محاورہ ہو اور امراء عظام و مصاحبان کرام وغیرہ حق شناسوں کے ساتھ صحبت و نشست برخواست رکھتا ہو اور انہیں فرمان بادشاہی اور تخت سلطانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور جب شعائر منعم کی تعظیم کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس چیز کی تعظیم کا باعث ہو جاتی ہے جو اس کی محبت کی تائید کرے اور اس کے شکر کا رواج دے مثلاً جو شخص منعم کی شکر گزاری کی طرف دعوت کرتا ہے یا اس کی خدمت گزاری کی طرف اس محب کی تائید کرتا ہے یا اس کی نعمتوں پر اطلاع اور آگاہی دیتا ہے، وہ عزیز معلوم ہونے لگتا ہے، اور جب یہ مرتبہ بھی کمال قوت پکڑ جاتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے تو ان امور کی تعظیم کا سبب ہو جاتا ہے جو اس محب سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گزاری میں ظاہر ہوئے ہوں یعنی ان افعال و اقوال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو منعم کی نعمتوں کے مقابلہ میں بجا لایا تھا اور جو اموال اس کی رضا جوئی میں خرچ کیئے تھے ان کی تعظیم کرتا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ یہ خیال اپنے اقوال اور افعال پر عجب و ناز کے قسم سے اور مال کے خرچ کرنے پر فخر کے قبیل سے ہے کیوں کہ ان اقوال و افعال و اموال کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے تو محبت کے کمالات میں سے ہیں اور دوسری جہت سے منعم کے شعائر و نشانات میں سے ہیں اور ان کی تعظیم اور عزت دوسری جہت سے متعلق ہے نہ پہلی جہت سے اور منجملہ ان امور کے محبت جواد اور فیاض کی ہے اور مراد جواد سے وہ شخص ہے کہ امور نافعہ یعنی فائدہ مند چیزوں کی بلا غرض بخشش اور فیاضی کیا کرتا ہے کیوں کہ ہر انسان سلیم الفطرت جس شخص کو اس صفت سے موصوف جاتا ہے بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے مثلاً اہل سخاوت و فتوت اور اہل باجود و مروت خواہ وہ سلاطین ذوی الاقتدار ہوں یا امراء نامدار و انائی اور لیاقت والے لوگوں میں سے ہر شخص ان کو تہ دل سے دوست رکھتا ہے اور ان سخیوں کی عزت و جاہ کی ترقی اور زیادتی کی خواہش ان کے دل کے اندر استقرار پکڑ جاتی ہے خواہ ان بزرگوں سے کوئی



انعام نہیں پہنچا ہو یا نہ چنانچہ اہل وجدان پر پوشیدہ نہیں حالانکہ ان کے بزرگوں میں سے کسی کو حقیقت سخی اور جواد نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ سوائے حق جل و علا کے جو شخص امور نافعہ کی فیاضی کے در پے ہوتا ہے اور فیض رسانی میں کوشش بجالاتا ہے تو البتہ دینی اور دنیاوی غرضوں میں سے کوئی نہ کوئی غرض اسے ضرور ہوتی ہے خواہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی یا ثواب جزیل کی طلب یا عذاب اخروی سے بچنے یا اپنے اخلاق کی تہذیب یا اپنے نام و نشان کی خواہش یا سخاوت و کرم سے مشہور ہونے یا اپنے بھولیوں کی مدد اور ثنا کی تمنا وغیرہ اس قسم کے امور اس سخاوت اور فیاضی کا باعث ہوتے ہیں لیکن چونکہ فیاضی اور انعام کے وقت یہ سخی لوگ اس غرض کو پوشیدہ اور مستور رکھتے ہیں اور محض بے غرضی ظاہر کرتے ہیں اس لئے اوپر اوپر کی نظر میں جواد مطلق کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں اس وجہ سے صاحبان فطانت اور دانا لوگوں کی محبت کے مستوجب ہو جاتے ہیں جب مجازی جوادوں کا یہ حال ہے تو جواد مطلق سبحانہ و تعالیٰ کے کیا کہنے کہ حقیقت میں صفت جود و کرم اسی ذات فیاض پر منحصر ہے اور پس کیا تو دیکھتا نہیں کہ اگر کبھی کسی وقت میں کسی شخص کو کرنے والے سے انعام اور فیض رسانی کے وقت اپنی غرض کا حاصل کرنا یا کسی منفعت کا حاصل کرنا ظاہر ہو جاوے تو سب سمجھ دار لوگ اسے کریم النفسوں اور فیاضوں کی جماعت سے نکال کر کمینوں اور لپت ہمتوں کے زمرہ میں سے شمار کرتے ہیں اور منجملہ ان امور کے صمد کی تعظیم ہے اور مراد صمد سے وہ شخص ہے کہ خود بے نیاز ہو اور اس کے غیر کو اس کی طرف حاجت پیش آوے اور صمدیت ایسا امر ہے کہ کمال اور نقصان میں متفاوت ہے کیوں کہ کھانے اور پینے اور جوارع وغیرہ لوازم حیوانیت سے مستغنی ہونا صمدیت کا ایک مرتبہ ہے اور جہت اور شکل اور لون وغیرہ لوازم جسمانیات سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور مددگار اور وزیر اور شریک اور شیر اور آلات اور وسائط وغیرہ لوازم عجز سے مستغنی ہونا اور ایسا ہی جاسوسوں اور



اور سرکاروں اور خفیہ نوکیسوں اور وقایح شکاروں وغیرہ لوازم جہل سے مستغنی ہونا اس سے  
 اوپر کا مرتبہ ہے اور علت سے مستغنی ہونا خواہ فاعل ہو یا قابل جسے دوسرے لفظوں میں  
 وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ایک مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور دوسرے مراتب  
 فوقانیہ کو اس پر قیاس کرنا چاہیئے اور اس طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے  
 مراتب بھی متفاوت ہیں کیوں کہ حل مشکلات اور دفع بلیات میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے  
 اور تربیت اور تغذیہ اور تنمیہ میں محتاج ہونا دوسرا مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے  
 اور ہاتھ پاؤں اور قوتوں کے حاصل ہونے میں اس کی ایجاد اور عنایت کی طرف محتاج ہونا  
 ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے اور نفس وجود اور بقائے وجود میں اس کا  
 محتاج ہونا یعنی کتم عدم سے نکلنا اور منقذ شہود پر جلوہ پذیر ہونا ایک اور مرتبہ ہے  
 جو اس سے بھی اوپر ہے اور ان کے سوائے مراتب فوقانیہ کو انہیں پر قیاس کرنا چاہیئے  
 اور صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال و نقصان میں اس کی مثل  
 ہوتا ہے یعنی جس قدر زیادہ صمدیت عالی ہوگی اور احتیاج صمد کی طرف قوی تر ہوگا اسی  
 قدر تعظیم جو اس کے مقابل ہے زیادہ کامل اور جامع ہوگی غرض صمدیت اور تعظیم ترازو  
 کے دو پلوں کی طرح خیال کرنا چاہیئے جس قدر ایک پلہ میں علو اور رفعت ہوگی اسی  
 قدر دوسرا پلہ پستی اور تنشینی کی طرف جھک پڑے گا اور اس امر کا ثبوت کہ تعظیم صمد  
 لوازم انسانیت میں سے ہے یہ ہے کہ جو شخص کسی مذہب کا پابند ہو خواہ وہ مذہب  
 حق ہو یا باطل عبادت کو جو غایت تعظیم کا نام ہے کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا تا  
 وقتیکہ اس کی صمدیت ثابت نہ کر لے یعنی عبادت اسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو

نہ غدا دینا کھانا پلانا نہ تمغہ بڑا نا چھوٹے سے بڑا کرنا نہ کتم کے معنی پر وہ نہ منقذ چوترا یعنی نابودگی  
 کے پر وہ سے نکل کر وجود ظاہری کے بلند چوترا پر ظاہر ہو جائے میں نام مخلوق اور سبحانہ و تعالیٰ کا محتاج ہے۔



غائب کی ابتائے جنس کی حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو اور جو عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اس کی طرف محتاج ہو بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے معبود کے مستحق عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے اور شارع نے بھی معبودان باطل کی معبودیت کو صمدیت کے نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جا بجا ان کی محتاجی کو ثابت کیا ہے اور ان کے پوجنے والوں کا کسی حاجت میں ان کی طرف محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے چنانچہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور منجملہ ان امور کے اہل کمال کی محبت اور ان کی تعظیم ہے اور یہ امر ظہور اور ہدایت ہے اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ محتاج بیان نہیں کیوں کہ ہر سلیم الفطرت جس شخص کو کسی کمال سے موصوف جانتا ہے جیسے علم و ذکاوت اور قوت و قدرت اور حسن بیعت و صورت اور وقار و تمکین وغیرہ، ضرورتاً دل سے اس شخص کو دوست رکھتا ہے اور جس قدر اس کی تعظیم و تکریم کر سکتا ہے بجالاتا ہے اور اس کی صحبت و ہم نشینی میں کوشش کرتا ہے اور چونکہ صفات کا طہ مراتب کمال و نقصان میں بے حد تفاوت رکھتی ہے اس لیے حب و تعظیم جو ان کے مقابلہ میں ہوگی ناچاراً متفاوت ہوگی مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب ان امور میں سے ہر ایک امر سلیم الفطرت انسان کے باطن میں حب و عقلی کے پیدا کرنے کے لیے کافی ہے تو ان سب امور کا جمع ہونا خصوصاً جب نہایت مرتبہ کمال میں ہو تو بے شک ایسی محبت کے زیادہ ہونے اور بے حساب تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا جس سے زیادہ متصور نہیں۔

## دوسری تمہید

چونکہ منعم حقیقی اور جواد مطلق کے علم میں افراد انسان کے لیے مصائب و آفات سے نجات پانے کا یہ وسیلہ اور برترین مناصب سے کامیاب ہونے کا ذریعہ اس کے سوائے اور کوئی نہیں تھا کہ حق جل و علا کی نہایت قوی محبت جو اس کی نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہو حاصل کریں اسی لیے منعم کی محبت اور اس کی مثل اور امور جو



عین جہالت میں اس کی طبیعت کے اندر ودیعت رکھے ہوئے تھے انہیں امور کو اس سعادت جاودانی اور سرمایہ دو بہانی کے افاضہ کا طریق مقرر کر کے اشرف اور کامل ترین اور انسان کی زبان ہدایت نشان پر اس امر کی منادی کرا دی کہ اَحْتُوا لِلّٰہِ لِمَا یَخْتَدٰکُمْ مِنْ نَحِیۡتِہٖۤ اَیۡنِ اللّٰہِ التّٰلِیۡ سے محبت رکھو۔ اس آیت کے وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلا کھلا کر تمہاری پرورش اور تربیت کرتا ہے اور کوہِ فطرت سے یہ آواز دے دیا کہ ذٰلِکَ اِنۡ کُنۡتُمْ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ نَاۡتَبِعُوۡنِیۡ۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرے قدم بقدم چلے چلو اور لطف اور مہربانی سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں سے مشحون اور آثارِ صمدیت کی شروح و بسط سے پر اور صفات کمال کا ثابت کرنے والا اور نقص و زوال کے داغ کا دور کرنے والا تھا اس کے لطن میں دالا اور ایسی تسبیحات اور تکبیرات جو کہ اس کی صمدیت کی مشعر ہیں اور ایسی تحمیدات جو اس کے جوہر و انعامات سے خبر دینے والی اور اس کے اوصاف و کمالات کی مخبر ہیں اور ایسی تہلیلات جو اس کے تفویض و الوہیت کو جو کہ صمدیت کی اصل ہے ظاہر کرنے والی ہیں اور تفریر و بربیت کو آشکارا کرنے والی ہیں جو کہ بخشش و انعامات کی اصل اور حماید و کمالات کی بیخ و بنیاد ہے۔ اکمل افراد کے واسطہ سے تعلیم فرمادیں اور محض اپنے فضل و کرم سے اَفْصَحَ الْعَرَبِ وَالْحَمْدُ کے بیان بلاغت نشان سے وہ آیات واضح کر دیں جو آفاق و اطراف عالم میں منبث و پراگندہ تھیں اور ذوات و نفوس میں مضمر اور پوشیدہ تھیں اور وہ عجائبات آشکارا کر دیے جو اجرام علویہ اور اجسام عنصریہ خصوصاً نوع انسان کے اندر رکھے ہوئے تھے یعنی اس کے ایجاد میں بہت سے تغیرات اور تحولات جیسے لطف ہونا اور علقہ اور مضغہ

خ پیدا نش سے منبث کے معنی ہیں پھیلی ہوئی ہے مضمون کے معنی چھپی ہوئی ہے علقہ جا ہوا خون ہے گوشت کی چھوٹی سی بوٹی جو منہ میں ڈال کر چبا دی جاسکے۔



بننا جو مادہ پر گزرتے ہیں اور اس کی تصویر اور نقاشی میں رنگہائے خوشنما اور صورتہائے دلربا اور اعضائے متناسبہ اور قوائے متخالفہ کا ایجاد کرنا اور اس کی تربیت میں غذا پہنچانا اور نشوونما دینا اول تو شکم مادر میں ثانیاً صغیر سن اور بچپن میں اور ثالثاً جوانی اور کلاں سالی میں رابعاً بڑھاپے اور سن شیونخت میں پھر دفع بلیات اور حل مشکلات اور اغاثت ملہوفین اور اجابت دعائے مضطربین سے اور اس کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا تاکہ جو امور خیمہ فطرت کے اندر مستور تھے منقذہ ظہور پر جلوہ گر ہو جائیں اور دین حنیفی ان کے نصیب ہو جس کے معنی بجز تعقیل فطرت کے اور کچھ نہیں چنانچہ مضمون اس آیت کا اَنْتُمْ وَجْهَکُمُ الْبَرِّیِّ حَنِیْفًا  
فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَصَّلَ النَّاسَ عَیْنًا اَلَا تَبْدِیْذُ لِمَنْ لَمَلِقَ اللّٰهَ ذٰلِکَ الدِّیْنِ الْقِیْمِ  
اس امر کا شہد ہے اور مدلول آیت بَدُؤُا مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا اِس  
امر پر دل ہے

### تیسری تمہید

جاننا چاہیے کہ اگرچہ افعال و اقوال فروع و توابع احوال میں لیکن بعض وجہ کے لحاظ سے ان کو احوال کے مشتمل اور مکمل بھی شمار کر سکتے ہیں کیوں کہ افعال اور اقوال قالب اور بدن کے حکم میں ہیں اور احوال بمنزلہ روح اور جان کے ہیں اور جس طرح قالب بے جان جمادات کی جنس سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح جان بے قالب زکویرالت سے عاقل و برہنہ

نے مصیبت زدوں کی فریاد کو پہنچانا ہے صیقل کرنا اور روشنی کرنا ہے یعنی ایک طرف کا ہو کر اپنے چہرے کو صحیح کر جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس فطرت کو لازم پکڑ اسے ضائع نہ ہونے دے اللہ کی پیدائش کا بدل دینا جائز نہیں یہی ہے دین سیدھا ہے جب یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دی ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ ہم ملت ابراہیم کو تمہارے رہیں گے جو سب باطل دین چھوڑ کر ایک طرف کا ہو گیا تھا:



ہے مثلاً گالم گلوز اور مارپیٹ اگرچہ کیفیت غضبیہ کے فروغ سے ہیں اور قوت غضبیہ احوال قلبیہ سے ہے لیکن ان آثار کو اس کے متمات اور مکملات کے مرتبہ میں رکھنا چاہیے کیوں کہ اگر کسی کو حالت غضب یا فرحت عارض ہو اور اس کے آثار جیسے سب و شتم یا نغمہ و سرود سرائی اور ضرب و جلد یا عیش و نشاط کے اسباب کی آرائش اور عشرت و انبساط کی محفلوں کا ترتیب دینا اور ان کی مثل اور اقوال و افعال فرحیہ یا غضبیہ کے ظہور سے حیا مانع آئے تو ایسا غضب اور فرحت و وسوسہ نفسانیہ کی جنس سے شمار ہو کر فوراً غضب کی آگ کی لپٹ منطقی ہو جاتی ہے اور فرحت کا انبساط انقباض اور پشیمانی سے بدل کر باطل ہو جائے گا اور اگر اس حالت قلبیہ کی تائید اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ سے کرتے رہیں تو البتہ اسے قوت اور تیزاید و ترقی ملیسر ہو جاتی ہے اور وسعت و احاطہ حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح منعم جواد کی محبت اور اس صمد کی تعظیم جو اپنے کمالات میں اضداد و انداد سے منزہ ہے اگرچہ امور قلبیہ اور حالات نفسانیہ میں سے ہے لیکن اقوال محبت انگیز اور افعال تعظیم آمیز اس کو دوبالا کر دیتے ہیں اور وہ آب و تاب بخشتے ہیں جو اہل وجدان سلیم پر مخفی نہیں اور ان امور کے سوا وہ حالت قلبی ایسی ہو جاتی ہے جیسے ہاتھ کا تپ اور شہسوار بے اسپ، جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

### پہلا افادہ

واضح ہو کہ مرد سلیم الفطرت جو ازل الازل سے زمرہ اہل سعادت میں لکھا جا چکا ہے اور بارگاہ الہی سے ایک عنایت مخفی اس کے بارہ میں مرعی رکھی گئی ہے جب اپنے گوش ہوش سے اس امر کو سنتا ہے کہ اس کا منعم حقیقی جس نے نعمت ہائے جسمانیہ و نفسانیہ

لے گالی گلوز ہے مارنا کوڑے لگانا ہے کبھی ہوئی



اس کو بخشی ہیں صمدیت کے برترین مراتب میں اور جو دو بخشش کے بلند ترین مناصب میں واقع ہیں۔ اور کامل ترین اوصاف اور بہترین نعوت سے متصف ہے اور نقص کے سمات سے منزہ اور زوال کی صفات سے مبرا ہے اور یہ شخص قوی ترین مراتب احتیاج میں واقع ہے کیوں کہ ہر گھڑی اور ہر ساعت میں ہر چیز کے لئے اس کا محتاج ہے گویا کہ اس کا تمام وجود حاجت درجات ہے یہاں تک کہ اپنے جوارح اور اعضاء میں بھی اس کا محتاج ہے گویا کہ اس کا تمام وجود حاجت درجات ہے اور منعم حقیقی کی نعمتیں باوجود کمال صمدیت اور بے پروائی کے ہر ساعت بارش کی طرح برس رہی ہے اور اپنی بصیرت کی آنکھ سے ان آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو آفاق و انفس میں پراگندہ اور پھیلی ہوئی ہیں اور ان عجائبات پر نظر ڈالتا ہے جو کہ از سمک تا سماک اور از ثری تا ثریا بلکہ عرش یا فرش خاص کر نوع انسان میں خصوصاً اس ناظر کے اپنے نفس و ذات میں جن کے بعض کی طرف شروع کلام میں اشارہ گذر چکا ہے مبسوط اور پھیلائی ہوئی ہیں تو لا بد امور مذکورۃ الصدر جو اس کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے سینہ کو پر کر دیتے ہیں اور اس کی نہ دل سے منعم حقیقی کی نسبت بڑی حبت اور نہایت درجہ کی تعظیم اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ایسے اقوال و افعال کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے جو اس کی تعظیم اور اس کے شکر پر دال ہوں اور اس کی صمدیت اور اس کے کمالات کے شایان شان دکھلائی دیں اور ایسے سوال کے بذل و فخر کر ڈالنے کی متقاضی ہوتی ہے جن سے اس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے پس اس کی تسبیحات و تحمیدات و تکبیرات جو افعال خضوعیہ اور بزرگوار تعظیمیہ کے ساتھ ممنون ہوں۔ مبعہ ملاحظہ ان معانی کے جو اول کلام میں مذکور ہوئے ہیں اس

لہ داغوں اور لغظوں لہ یعنی مرو سلیم الفطرت اپنے آپ کو یوں سمجھتا ہے کہ میں سخت محتاج ہوں لہ

زیر آسمان تک کہ خواہش کرنے والی شہ فریونی والے لہ لہ ہونے



سے سرزد ہونے لگتے ہیں خصوصاً تہلیل جو اس کے اعلائے مراتب صمدیت اور اقوی سے  
 مقام ربوبیت سے منفرد و یگانہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سے ظاہر ہونے لگتی  
 ہے خصوصاً اس کا کلام پاک جو امور اربعہ مذکورہ کا ایسی وجہ پر شارح و مفسر ہے جس  
 سے بڑھ کر متصور نہیں باوجودیکہ وہ کلام پاک شعائر منعم کی تعظیم سے مخلوط و مزوج ہے پس  
 اس کلام پاک کو وہ مومن پاک کمال تعظیم سے بجمع تدبیر معانی کے اس وجہ سے کہ پہلے مذکور  
 ہو چکا ہے زبان پر لاتا ہے اور ان اذکار کی لذت خصوصاً اس کلام کی عظمت اس کے قلب و  
 عقل کو مالا مال کر دیتی ہے اور الفاظ کی شیرینی اور مضامین کی رنگینی اس کے دل کو شکار  
 کر لیتی ہے اور اس کے ہوش و عقل کو سرسبز و روشن اور نورانی کر دیتی ہے اور خیالات  
 منتشرہ اور وساوس پر اگندہ اور امانی باطلہ اور عزائم عصیاں اور حب و تعظیم ماسوی اللہ  
 کو پاش پاش کر کے لاشے اور فانی کر دیتی ہے اور اس کے عقل اور دل کو الوات بہیمہ سے  
 پاک کر دیتی ہے یہ ہے ذکر اس قوم کا اور ہم نے اس کا نام ذکر ایمانی رکھا ہے اور چونکہ  
 ابتدائے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ اقوال لسانی اور افعال جسمانی سے احوال نفسانی کو  
 تائید عظیم بہم پہنچتی ہے اور آب و تاب فحیم میسر ہوتی ہے پس بناء علیہ ذکر مذکور امور اربعہ  
 فطریہ کی زیادتی اور ترقی کا باعث ہو جاتا ہے اور ایک الفت اور تعظیم جدید ذکر کے وجود  
 سے نوارہ کی طرح جوش ماراٹھتی ہے اور حب اور تعظیم کا جوش اور اقوال و افعال کا  
 صدور کا متقاضی ہے اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا جائے گا تا کہ تہلیل کا مضمون  
 جس کے معنی میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا یگانہ ہونا الوہیت و ربوبیت اور فضائل  
 ذاتیہ اور فوائض متعدیہ میں اور اقصائے مراتب استخوانا و راسخ وجود لغبار کے ساتھ متصف

لے باطل آرزو میں ۱۲ منہ ۲۰ حج لوٹ بمعنی لاگ و سپٹ ۳۰ بہت بڑی ۱۲ سے نعمتیں جو

دوسروں کو پہنچی ہوئی ہیں



ہونا اور انعام و تاثیرات کے وسائل کا نظر سے گر جانا اور ان کی طرف التفات کرنے سے مراض و درگروانی کرنا اور ان کے حال سے بالکل بے اعتنائی اور لاپرواہی کرنا اس کے دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اور نہایت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تمام کائنات جو عالم کون میں ظہور پذیر ہے اور آئندہ ظہور پکڑ جاتی ہیں تمام کو بلا واسطہ اس کی قدرت کاملہ سے متعلق و وابستہ جانتا ہے اور جو انعام کہ اس پر اور اس کے امثال پر قابض ہو جاتا ہے سب کو بلا حجاب اس کی تربیت بالغہ کے آثار سے شمار کرتا ہے اور جو کمال کہ موجودات کے ذرات میں سے کسی ذرہ میں چمکتا ہے سب کو اس کے جمال لائیزال کا عکس سمجھتا ہے اور جو نقصان ممکنات میں سے کسی ممکن کے اندر ہوتا ہے سب کو اس کے بارگاہِ جلال سے دور اعتقاد کرتا ہے پس ساعتہ فاعتر اس کی قدرت کے عجائبات کے دریا میں غوطے لگاتا ہے اور بلبلے کی طرح بادی حیرت کے سوا کچھ ہاتھ میں نہیں آتا۔ آنا فنا اس کے انعامات کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور بجز مضمون عجز و خجالت اور اسکی نعمتوں کے حقوق کے ساتھ قیام نہ کر سکنے کے سوا کچھ حاصل نہیں کرتا۔ یہ ہے فکر اس قوم کا اور ہم نے اس کا نام رکھا ہے مراقبہ صمدیت

### دوسرا افادہ

جب یہ فکر حد کمال کو پہنچ جاتا ہے تو الفت شدید تعظیم مفرد کے ساتھ ملی ہوئی اس کے دل کی در میں سے سر نکالتی ہے اور اس کے سب قوی باطنہ کو مضحک کر دیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اس کی تشبیہ بجز گل جانے تک کے پانی میں یا ضمن کمال شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اوپر دیکھتا ہے تو تمام آیات عظمت اور انعام کی پاتا ہے



اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے تو آثارِ عظمت و انعام دیکھتا ہے اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اس کی خدمت اور اس کے انعام کے شکر میں خاک سے برابر کر دے بلکہ خاکِ سترو برباد بنا ڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اس کے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اس کی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکا دیتا ہے اور اپنے آپ کو اس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور قوتوں کو بھی منجملہ اس کی نعمتوں کے شمار کر کے اور اس کی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے۔

مازم بخشم خود کہ جمال تو دیدہ است  
انتم بیائے خود کہ بہ کویت رسید است  
ہر دم ہزار بوسہ زلم دست خویش را  
کہ دامنت گرفتہ بہ سوگم کشیدہ است

اور جس وقت اس کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا تمام باطن اس اسمِ عظیم کی عظمت اور جلالت سے اس طرح لرزے میں آجاتا ہے جس طرح نسیمِ سحر کی تاثیر سے شاخِ درخت بیدار اس کی ہر بن مو سے اپنے عجز اور احتیاج کی ندا اور اس بولیِ انعم کی بے نیازی اور استغناء کا آوازہ فوارہ کی طرح جوش ماراٹھتا ہے پس اس الفتِ شدیدہ کو جو کہ نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہو جاتی ہے "حبِ ایمانی سے ملقب کرتے ہیں اور چونکہ اس حب کا بیج مومن کی عقل کی خاک پاک میں جو اتباعِ ہوا و اختراعِ بدعت سے خالی ہے بویا ہوا ہوتا ہے اس لیے ہم اس کا نام حبِ عقلی رکھتے ہیں اور اس وجہ سے کہ شارع نے اسی حب کی طرف دعوت دی ہے اور اپنے بندوں کی مدح کے مقام میں اسی کو ذکر کیا ہے اور دین کے تمام ارکان اور



آداب کو اسی حبت کے حاصل کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے اس لیے ہم اسے حبتِ ایمانی سے بھی نامزد کرتے ہیں

## دوسری ہدایت

حبتِ ایمانی کے مویدات کے بیان میں اور ڈوہ تمہید اور تین افادہ پر مشتمل ہے :

### پہلی تمہید

مخفی نہ رہے کہ حبتِ ایمانی کے حصول کے اسباب کی اصل اور اس سعادت جاودانی کی مویدات کی یح و بنیاد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا اجتہاد اور اس جواد مطلق تعالیٰ شانہ کا اصطلاح و اصطفاء ہے جو کہ ازل الازل میں اس ذرہ ناچیز کا نصیب ہو کر اسے زمرہ مقبولان سے شمار کر لیا ہے پس وہی اجتہائے ازیلی اس ذرہ ناچیز کو حقیقہً خاک سے اٹھا کر ذرہ سماک تک کشاں کشاں لے جاتا ہے اور ہر مقام میں ایک لطف جدید اور تربیت مناسب اس سے ظہور میں آتی ہے لیکن چونکہ وہ اجتہائے فطری مستوٰی الاثر اور مفقود الخیر ہوتا ہے اور بعض امور مناسبہ کی ملاقات سے خفا کا پردہ اس کے چہرہ سے دور ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے آثار ظہور پذیر ہو جاتے ہیں بنا بریں ان امور کو منجملہ مویدات اور آثار کے شمار کر سکتے ہیں اگرچہ مؤید حقیقی اور سبب اصلی وہ نور ازیلی ہے جو کہ ابتدائے آفرینش سے اس کی طبیعت کی تہ میں ودیعت رکھا گیا تھا کیوں کہ ان امور مؤیدہ کے اضعاف مضعف سے ان آثار کے عشر عشر کا حاصل ہونا مستبعد معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ اس قسم کے الطاف اس قسم کے وظائف پر مرتب ہوں۔

۱۔ مہربانی کرنا ۲۔ چن لینا ۳۔ برگزیدہ کرنا ۴۔ پستی سے آسمان کی بلندی ۵۔ اس کا اثر پوشیدہ ہے اس کی نجرگم ۱۰۰

۶۔ دو چند سے چند ۷۔ دسویں حصے کا دسواں حصہ



## دوسری تمہید

جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس سرمایہ سعادت کے مؤیدات کو تحریر اور تقریر میں مقید کرنا نہایت مشکل ہے بلکہ ناممکن امر ہے لیکن مقولہ **مَا لَا يُدْرِكُ كَلِمَةً لَا يَتْرُكُ كَلِمَةً** کے بموجب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ صاحبان عقل و دانش غیر مذکورہ گو مذکورہ پر قیاس کر کے حقیقت کا سراغ لگایا ہے۔

## پہلا افادہ

حسب ایمانی کے عمدہ مؤیدات سے ایک یہ امر ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو سچتہ اولیٰ مضبوط کریں اور موافقت سنت پر کمال رغبت کریں اور بدعت سے نہایت درجہ نفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کو قوت اور زور سے پیچہ مارنا یعنی کتاب میں اور سنت رسول امین کا ظاہر و باطن سے پورا پورا اقتداء کرنا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کمر ہمت کو چست باندھنا اور اس جل جلالہ کا اعتقاد اور تعظیم اور اس شعائر کا ادب خصوصاً شرع شریف کا ادب جو کہ اعظم شعائر ہے خوبی سے درست کرنا یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے عبادات شرعیہ کا کثرت سے بجالانا ہے یا وسواس کو بہم پہنچانا ہے جسے عوام الناس تقویٰ کے نام سے ملقب کرتے ہیں بلکہ مقصود اس سے عقائد شرعیہ پر قلب کا اطمینان ہو جانا اور ادا دینیہ کی نسبت تہ دل سے محبت اور رغبت اور تعظیم کا جوش مارنا اور خالق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں خلیق کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کرنا اور مانع اور عائق کے اٹھانے میں ارادہ کا محکم کرنا چنانچہ اپنے منعم کی رضا جوئی میں اپنے جان و مال کو برباد کر دینا ہے اور اس کے ادا کر کے بجا آوری میں اپنے سروسامان کو ہار دینا اپنی مہمت عالیہ کے سامنے ایک جو کے برابر بھی

نہ یعنی جو چیز ساری کی ساری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل ہی نہ چھوڑ دینا چاہیے بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیے۔ جتنا ہو سکے اتنا ہی سہی لے رکاوٹ ۱۲ مینہ



نہ شمار کرے اور جس عائق و مانع کو اپنی ہمت کی ترازو میں اس کی رضا جوئی سے موازنہ کرے  
 ذرہ کے برابر بھی اس کا وزن نہ سمجھے بلکہ اس کی بصیرت کی آنکھ میں ان دونوں کا موازنہ ایسا  
 دکھائی دے جیسے تنکے کو پہاڑ سے تو لٹا اور اپنے دل میں اس مانع کے اٹھانے اور اس  
 عائق کے ہٹانے پر دلیری پائے اور باعتبار ہمت مردانہ اپنے آپ کو اس پر غالب اور  
 زبردست سمجھے اگرچہ وہ عائق نہایت سخت اور دشوار گزار ہو۔ پہلوان آہنی تن کی طرح  
 نقیبوں کی سرور سرائی کی آوازیں اور ہمسر جوڑوں کے میدان میں نکلنے کے نعرے اس کو مست  
 کر کے لڑائی کے میدان میں کھینچ لائیں پس وہ شیر مست بہادری اور پرولی کے نشہ کے سبب  
 سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں جانتا بلکہ اپنے دل میں یقیناً جانتا ہے کہ جس کی طرف ہمت کا منہ  
 اٹھاؤں گا اور جھڑپ کا رخ کروں گا فوراً بے حقیقت چینیوٹی کی طرح پا مال کر ڈالوں گا  
 اگرچہ رستم زماں وافر سیلاب وقت ہو اور یہ ایک وجدانی امر ہے کہ تقریر و تحریر کا دائرہ اس کے  
 بیان و تصویر سے تنگی کرتا ہے بجز وجدان صحیح اور قلب سلیم کے کسی کو اس کا رخانہ میں دخل نہیں

عزت مٹنے نشناسی بخدا تاناہ چشی ۶

## دوسرا افادہ

منجملہ مؤیدات حب ایمانی کے جانب حق جل و علا کو جانب نفس پر ترجیح دیتا ہے ایسی  
 طرح کہ نفس میں اس سے ایک قسم کا انکسار اور تنگفتگی پیدا ہو جائے اور صفت بہیمیت کی  
 بنیاد میں اس سے انقلاب ظاہر ہو جائے اور جو امور اس انکسار کے باعث اور اس  
 انقلاب کے موجب ہوتے ہیں ان میں بحسب اختلاف اشخاص اور اوقات اور برائے تفاوت  
 اور فرق ہے مثلاً جو شخص کھانے پینے کا فریفتہ ہے اور مکھی کی طرح نان و حلوی پر گر  
 پڑتا ہے۔ اس کی بہیمیت کے دور کرنے میں ان امور کی خواہش کو ترک کرنا اور غیر کو اپنے اوپر

لے اکھڑ جانا اور گر جانا



محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایثار کرنا جس جگہ نہ ایسی چیزوں کے حصول کی طمع ہو نہ حق شناسی اور خدمت گزارسی کی امید ہو اور نہ زہد و ایثار سے مشہور و نیک نام ہونے کی توقع ہو، دخلِ عظیم رکھتا ہے علیٰ ہذا القیاس اس شخص کی تطہیرِ قلب میں جس کی فطرت میں جس کی فطرت میں عورتوں کی عشق بازی اور شہوت رانی رکھی ہوئی ہے۔ اگر اس کو حسن اتفاق و یاوری بخت و اقبال سے معشوقہ ذاتِ جمال اور محبوبہ صاحبِ حسب و مال رقیبوں سے نظر بچا کر آئے تو اس خوشی کے وقت میں خدا نے تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کے لیے اور اس کے عذاب سے ڈر کرنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبت مصاحبہ طرفین کے دامنگیر حال ہے اور شوق و شہوت جو شہ زہن ہے اور کسی مانعِ طبعی اور عرفی کا نام و نشان نہیں حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی بدنی مشقتیں اٹھائی تھیں اور بہت سے اموال خرچ کیئے تھے، دخلِ عظیم رکھتا ہے۔ اسی طرح بخیل مال پرست و منان طالب و عزت و نام محض بوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا اس حیثیت سے کہ نام و نشان کی طلب اور مبدول علیہ کی مداحی اور حق شناسی کی امید نہ ہو یا اس کے کسی پہلے احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت و جود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو۔ ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تو واضح کرنا۔ باعزت اغنیاء کے حق میں جو اپنے اقربان و امثال میں عزت و جاہ سے ممتاز ہوں۔ اسی طرح ہلاکت کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا جہاں جان و مال کا تلف ہونا اور عیال و اطفال کی بربادی نظر آتی ہو، اہل جہنم و بندوں لوگوں کے حق میں جنہوں نے میدانِ کارزار اور معرکہ نبرد کا چہرہ آنکھ سے نہیں دیکھا اور زمانہ کے گرم و سرد کو مطلق

۱۲ صاحبِ جمال ۱۲ مودتہ یعنی جس کو کچھ دیا ہے ۱۳ یعنی کج سوس کا اس طریق سے مال خرچ کرنا

ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۴ نامردی



نہیں چکھا اور اسی طرح بحث و مناظرہ میں سکوت کرنا اور سچی بات میں جھگڑا اچھوڑ دینا اور  
 اپنی نافرمانی اور غلطی کا اقرار کر لینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت و تبحر میں مشہور ہیں اور  
 قوت مناظرہ اور خصم (جانب مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تادیل کے فن  
 میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور حل اور منع میں کعبے علیا رکھتے ہیں اور اسی طرح اپنے ابنائے  
 جنس و اقربان پر حسد نہ کرنا اور نام و نشان کی مطلق پرواہ نہ کرنا اور اہل زبان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا  
 اور خوارق و کرامات اور کشف و وقائع آئندہ اور دعائے قبولیت کے اظہار میں کوشش نہ کرنا  
 ان مشائخ کے حق میں قوت تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف و وقائع میں مشہور ہیں یہ تو اختلاف  
 اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا و لیکن بحسب اختلاف اوقات کے جو فرق  
 ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھ لو یہ پانی کا پیالہ ہے جسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً  
 آباد شہروں میں اور جاری نہروں کے کنارے پر کوئی کوڑھی کے بدلے بھی خرید نہیں کرتا۔ پھر  
 ناگاہ ایسا وقت آجاتا ہے کہ ایک لق و دق بے آب و کاه میدان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور  
 شدت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتا ہے پس ہزار جہد و جہد سے آب زلال کا ایک  
 پیالہ کہیں پیدا کر کے اپنی تمام ہمت سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اور اپنی زندگی کو اس میں منخر  
 سمجھ کر اس پیالہ پر آب کو ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ خشکی لب اور سوزش سینہ کو اس آب  
 زلال سے دور کرنے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشنے اس اثناء میں ایک اور شخص  
 جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایشار کیا اور گو یا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر اور اپنے  
 جگر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس شخص کو دے دیا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
 ہے کہ ہر طالب علم جو مدرسہ میں بیٹھتا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہوتا  
 ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق بچاتا ہے پس



ناگاہ ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ اس میں اظہارِ کلمہ حق جا نبازی کا موجب اور آبروریزی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا کسی بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے۔  
 ایسے وقت میں کلمہ حق کہنا بڑی قدر قیمت رکھتا ہے، القصد ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل سہل اور آسان آسان کام ہیں کہ بحکم عادت اکثر یہ کوئی عالی ہمت شخص ان کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کاموں کے لئے چنداں اہتمام نہیں کرتا اور یہ کام اپنے فاعل کے نفس میں کچھ اثر نہیں بخشتے۔ پھر ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ یہی امور افضل عبادات اور مشکل ترین ریاضات ہو جاتے ہیں اور فاعل کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ ان سے ہزار چند امور سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔

### تیسرا افادہ

حُبِ اِیْمَانِی کے منجملہ مؤیدات کے بڑے مواقع عظیمہ میں کسی فعل کا واقع ہونا ہے چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے کو شمش کرنا یا طرق حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولان بارگاہ حق تعالیٰ میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہل بلا یا مصائب میں سے کسی مظلوم ستم رسیدہ کی فریادرسی کرنا یا اہل حوائج و خراشت رسیدگان میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہل قلق و اضطراب کی تنگی کی کشائش کرنا یا کسی بیوج قناب کے گرفتار سے حالت عسرت و ناداری کا دور کرنا اور اسی طرح ایسی سعی و کوشش جس سے نفع عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاح فیما بین الناس حاصل ہو۔ اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گزری ہو اور چنداں صرف اموال کثیرہ یا اوقات عزیزہ کا موجب اور ابدال مرغوبات اور ترک مالوفات کا باعث نہ ہوئی ہو۔

### فائدہ

ما قبل ہر فن حدیث پر پشیدہ نہ رہے کہ احادیث رسول امین اور انار سلف صالحین میں جو سہل سہل اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمرات کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر



ہوتا ہے اجمالاً اس کی وجہ یہی سمجھنی چاہیئے۔ یعنی یہ افعال یا دوسری قسم سے ہوں گے یا تیسری قسم سے اور وہ اگر بمع شرائط صادر ہوں تو اپنے فاعل کے نفس میں نعت ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے ہیں اور حب ایمانی بحسب مراتب خود کمالات وہ نقصانات بالذات موجب نجات اور سبب زفع درجات ہے واللہ اعلم

### تیسری ہدایت

حب ایمانی کے آثار کے بیان میں اور بہ مشتمل ہے چھ افادہ پر

### پہلا افادہ

حب ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام ہمت و عزیمت کا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے مقبولہ طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی طرف دعوت کرنے میں جدوجہد کرنا اور ترک بدعت و فساد کی طرف ان کو ہدایت کرنا مکالمہ و مشاہدہ اور حصول مقامات فنا و بقا اور حقائق اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب و تمنا کرنا ہے اور ہرگز ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا محروم ہونا ہے۔ ان مقامات سے یعنی یہ کہ صاحبان حب ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پاسکتے حاشا و کلا (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ سب لوگوں میں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادت مشاہدہ و مکالمہ سے کامیاب ہونے والے ہیں اور میدان ہائے فنا کے شہسواروں میں زیادہ تر چالاک اور معارف و انکشاف حقائق اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصود اصلی اور مراد ولی بجز رضاے مولیٰ و اطاعت مصطفیٰ اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کسی طریقہ کسی یا محض عنایات و جذبات و بہی سے ان کے نصیب ہو جائیں بیٹے

فراق و وصل چہ باشد رضاے دوست طلب  
کہ حیف باشد از وغیر از میں تمناے



الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلبِ رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمانبرداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے بجز اور بعد سے جو کہ "اس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اس کے غصہ اور غضب کا موجب نہ ہو" اسے کچھ عار نہیں اور وہ حالات نفسانیہ اور ملکاتِ قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی توقع اور زیادتی میں کام نہ آئیں اس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراقِ ہمت اور فنائے عزیمت کے نتائج سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائقِ حبیبیہ اور بغضیہ کا جن کا منشاء رضا جوئی خداوندی نہ ہو منقطع ہو جانا اور خوفِ خدا و محبتِ الہی کی وجہ سے طلبِ مشکل کشائی اور دفعِ بلیات و استدعا منافع وغیرہ کا اسی میں منحصر ہو ہو جانا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے حالاتِ قلبیہ میں سے کہ اس کا نام وثوقِ اعتمادِ علیٰ تربیت اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے کی فکر سے ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولیٰ کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی امید اس کے دل میں راہ نہیں پاسکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اس کی اجازت سے بے کھٹکا تصرف کرتا ہے اور اس کے فرمانبردار غلاموں اور سرکش چاکروں پر بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہی اعتمادِ قلبی توکل کی روح ہے اور باقی امور اس کے قالب ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ کل کا مقتضا اسباب (عادیہ) کا مطلق ترک کر لینا ہے نہ بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا

گفتے پیغمبر باواز بلند بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

## دوسرا افادہ

منجملہ آثارِ حسبِ ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر ہو جانا اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ تفصیل ہے اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضا جوئی کے لئے مشقتیں اٹھاتا ہے اور ان مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہنچتی ہے لیکن



چونکہ اپنے منعم کی رضا اور خوشنودی ان مشقتوں کے برداشت کرنے میں سمجھتا ہے اس لئے وہ تمام سختی اور تلخی اپنے اوپر روا رکھتا ہے۔ اور اس محنت کشی اور تحمل مشقت کو جو اس نے محض اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کی ہے صبر کی جنس سے شمار کرنا چاہیئے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ منعم نے اس کو اپنی رنگارنگ نعمتوں میں محفوظ کر رکھا ہے اور طرح طرح کی عنایتوں سے کامیاب کر رکھا ہے مثلاً ایک بڑا عالی شان محل اس کے لئے محفل شادی کی ترتیب دے رکھی ہے اور اہل عشرت و نشاط اور خوشی اور دل لگی کے لوگ اس کے لئے حاضر کر رکھے ہیں اور مسند شاہانہ اور حدّ عروسانہ اس کے لئے تیار کر رکھا ہے پس وہ بندہ فرمانبردار انقیاد و شعائر کمال عزت و افتخار سے اس محفل میں رونق افروز رہے تو ایسی خوشی اور شادمانی اور فرحت اور کامرانی اگر پھر یا لپو اسے کاٹے تو فرماں بردار غلام جو سر سے پاؤں تک انعامات و اکرامات سے پرہور ہا ہے خوشی کی موجوں اور فرحت کی نہروں میں اس دکھ کو ذرہ برابر نہ سمجھے گا اور ہرگز اس درد کا رنج اس کے دل پر نہ گذرے گا اور اگر پہنچانی کی کوئی حرکت کسی وقت اس سے صادر ہو تو پھر اپنے دل میں شرمندگی اور خجالت کھینچے گا اور اس ناشائستہ فعل کے صدور کی وجہ سے اپنے آپ کو طفل طبعوں اور سبک مزاجوں کے گروہ سے شمار کرے گا۔ اسی طرح حب ایمانی والا بہ سبب ملاحظہ کثرت نعم خداوندی اور طرح طرح کی تربیت ربانی کے کسی مصیبت کو اگرچہ اعظم المصائب کیوں نہ ہو ایک جو کے برابر شمار نہیں کرتا اور اس مصیبت کی کدورت اس کی خوشی اور سرور میں کسی طرح کا خلل اور فتور نہیں ڈال سکتے۔ پس ان بلاؤں کی پرواہ نہ کرنا اور شدائد و مشکلات کو خاطر میں نہ لانے اور مصیبتوں کا اثر اس مومن کے دل میں نہ پہنچے اور منعم کی نعمتوں کے ساتھ کمال سرور و ابتہاج کو شجاعت بر بلا یا جاننا چاہیئے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ صاحب حبّ ایمانی کا کام صبر کے درجہ تک نہیں اترتا اور شکر کی روح وہی سرور قلبی ہے کہ بے شمار نعمتوں اور بے حد بخششوں کے ملاحظہ کرنے کے سبب سے



ظاہر ہوتا ہے اور باقی تمام افعال اور اقوال تعظیمہ اس کے قالب میں اور شجاعت ہر بلا یا کی  
 فرع سے ہے ہمیشہ خوش اور بے غم رہنا کیوں کہ شجاعت اصل وہی فرحت اور سرور ہے  
 جو کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے پھر باوجود آنکہ تمام کائنات  
 سے جن کے منجملہ یہ مشت غبار اور ذرہ یہ مقدار ہے "وہ ذات والا صفات مستغنی اور بے

پرواہ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس ذات کثیر الاستغناء علم نیرل ولایزال ہے اور  
 اس کی نعمتوں کا ہر حال میں فیضان در رہا ہے اور اس شجاعت کے فروغ سے ہے فنا  
 الہی پر راضی رہنا اس لیے کہ وہ مومن حقیقی اور محب حقیقی جب اپنے کو باوجود عدم استحقاق  
 طرح طرح کی نعمتوں اور رنگارنگ کی شفقتوں میں مستغرق اور اپنے آپ کو ان سے مالا مال دیکھتا  
 ہے تو البتہ اس کی عقل خالص جو کہ نور ایمان سے روشن ہے ہر بلا اور مصیبت کو جو اسے پیش  
 آتی سے تربیت اور تادیب کے قبیلہ سے شمار کرتا ہے اور اس سے قطع نظر کر کے جب اس  
 بات کا خیال کرتا ہے کہ اس کی ذات کسی طرح سے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا استحقاق  
 نہیں رکھتی تو نعمت کے زیادہ نہ ہونے کی شکایت یا بعض نعمتوں میں فتور واقع ہونے کا گلہ  
 اس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ حکایت شکایت اور حرف گلہ کے لیے اپنے ذہن میں کوئی  
 موقع نہیں پاتا بیت

بدرود صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف است

اسی لیے صاحب حب ایمانی کو اشعار شوقیہ اور مضامین عشقیہ سے "جن کے اکثر کا دار و مدار کلمات  
 گلہ اور شکایات پر ہوتا ہے کچھ ذوق ولذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے اشعار سننے سے  
 اسے ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے :

### "بلیسر افادہ"

منجملہ آثار حب ایمانی کے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ معظوظ نفسانیہ مباحہ میں  
 ریاضات شاقہ کی پھداں پرواہ نہ کرنا ہے۔ یعنی ان دشوار کاموں کو صاحب حب ایمانی اپنے



کلمات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کا تحمل نہیں کرتا۔ ان اگر کوئی غرض اغراضِ  
 صحیحہ سے جو کہ اس کے کمال کے لوازم اور اس کے حال کے آثار سے ہے مرتب ہو دے تو البتہ  
 ان دشوار کاموں کو سہیل بلکہ لذیذ جان کر کمال جراتِ دل اور وسعتِ صدر سے تحمل کرے گا جیسے جہاد  
 اور اس جیسے اور مؤیداتِ دینِ منین اور متماتِ شرعِ متین میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا  
 اور جیسے اس مرغوب کی ترک میں جس کی رغبتِ دل کی تہ میں جگہ پکڑ گئی ہے اور اس کا علاقہ سویدائے  
 قلب میں جانشین ہو گیا ہے، مشقت کا اٹھانا اور جیسے بھوک پیاس اور برہنگی کو مشقت کو برداشت  
 کرنا بہ سبب اشارہ اہل حوائج کے اپنے نفس پر اور ان جیسے اور بھی بہتیرے امور ہیں جو محنت کشی  
 کے موجب ہو سکتے ہیں غرض کہ صاحبِ حب ایمانی ایسے ریاضات کو بلا موجب قصداً اختیار نہیں  
 کرتا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حظوظِ انسانیہ اور لذائذِ جسمانیہ اس کو بڑی ترقی بخشتے ہیں چنانچہ  
 اس آیت سرابِ ہدایت میں اس امر کا اشارہ ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا**  
**صٰبِرِيْنَ مَا رَزَقْنَاكُمْ** یعنی اے ایمان والو! ستھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عنایت  
 کیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح کے بعض مہربان مولیٰ اپنے برگزیدہ غلاموں کو اپنے  
 مال و متاع میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت نہیں دیتے ہیں۔ پس اگر وہ برگزیدہ بندہ محض یگانگی  
 کے اظہار کے لئے بلکہ اپنی نہایت محتاجی (اور اس امر) کے ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کا کوئی دوسرا  
 کارساز نہیں جو اس کے حوائج کا ذمہ دار ہو یا کوئی دوسرا مولیٰ نہیں جو اسے حظوظِ نفسانیہ سے  
 کامیاب کرے بعض متاعوں میں ضرورت سے زیادہ تصرف کرے تو البتہ یگانگی اور اتحاد کا  
 رابطہ زیادہ تر مستحکم ہوگا اور اگر اس سے پرہیز و اجتناب کرے تو البتہ دوئی اور یگانگی کا  
 پردہ اپنے اور مولیٰ کے درمیان ڈالا ہوگا بلکہ اگر تم مالکوں اور مخلص غلاموں کے معاملات میں اچھی  
 طرح سے غور اور تامل کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ بعض معاملات میں ایسے غلاموں کا نفسانی  
 لذتوں اور جسمانی ضرورتوں کا درخواست کرنا بلکہ فرمائش سے مانگنا علاقہ عبودیت کی آب و تاب  
 کو اس قدر زیادہ کر دیتا ہے کہ اس سے ہر چند خدایتوں سے ایسے علاقہ کا حاصل ہونا متصور



نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بندہ برگزیدہ جانتا ہے کہ اس کے مالک نے سب  
 عیش و عشرت کا سامان اسی بندہ کے واسطے مہیا کر رکھا ہے لیکن سرن واسطے ظاہر کرنے  
 اپنے احسان کے یا واسطے ظاہر کرنے محتاجی غلام کے یا واسطے کشادگی طبع کے ان کے  
 استعمال کی اجازت کو اس کی غلام کی درخواست پر موقوف کر رکھا ہے پس ایسے حوال میں درخواست  
 اور طلب ان لزاماً اور حظوظ جسمانی کی ایک ایسا لطف رکھتا ہے جو خارج از حد بیان ہے خلاصہ  
 یہ ہے کہ جب حظوظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ کا حاصل کرنا معاملات حب ایمانیہ میں جو کہ مقصود  
 و مطلوب احکام شرعیہ سے یہی ہے اکثر اوقات موجب خلل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات میں نفع  
 عظیم بخشتا ہے اور کم از کم یہ فائدہ بخشتا ہے کہ دروازہ شکر کا جو حب ایمانی کے عظیم آثار سے  
 ہے اہل ایمان کے منہ پر کھول دیتا ہے اسی لئے کلام ربانی اور آیات قرآنی ان لذائذ کی اباحت پر  
 ناطق ہیں اور ان لذائذ کے حاصل کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے سکت ہیں چنانچہ فرمایا  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ یعنی اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں  
 جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں اور فرمایا يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا  
 یعنی اے پیغمبرو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور اعمال صالحہ سجالاؤ اور فرمایا تِلْ مِنْ حُرْمِ زَيْتٍ  
 اللَّهُ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۗ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا  
 فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ یعنی کہو کس نے حرام کی اللہ  
 کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے ظاہر کی اور ستھری چیزیں رزق سے تو کہو وہ ان لوگوں  
 کے لیے ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بہ اشتراک خالص انہیں کے لیے ہیں قیامت  
 کے دن

### چوتھا افادہ

مبجلہ آثار حب ایمانی کے مناجات کی حلاوت اور طاعات و عبادات کی لذت پانا ہے اور  
 اس امر کی حقیقت شروع کلام میں مذکور ہو چکی ہے کیوں کہ حب ایمانی ایسی الفت اور محبت



کا نام ہے جو نہایت درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی ہے اور یہ امر بحکم ضرورت اقوال و افعال تعظیمیہ کے صدور کا موجب ہوتا ہے بلکہ مدح لسانی اور تعظیم جسمانی کا تاہم حد سے متقاضی ہوتا ہے کہ بدول صدور ان امور کے اس حب کے صاحب کے دل کو چین نہیں پڑتا جیسے صاحب غضب سے افعال غضبیہ کا سرزد ہونا اور صاحب سرور سے افعال فرحیہ کا صادر ہونا بہ ضرورت ہوتا ہے چنانچہ ابتداء میں اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے الغرض صاحب اس حال کے حق میں باطن شرع جس سے مراد تعلق بالند ہے ظاہر شرع کے ساتھ جس سے مراد افعال جوارح ہیں ہمیشہ مخلوط رہتا ہے اور اس کے احوال باطنیہ ان افعال ظاہریہ سے ملے جلے رہتے ہیں پس احوال ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں اور افعال احوال کی قوت و کمال کو ترقی بخشتے ہیں اور اسی عبادت میں لذت اور طاعت میں شیرینی پانے کے سبب سے خشک ملائی سے دور اور الحاد و بے راہی سے پاک ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امر تقویٰ و عبادت میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

### پانچواں افادہ

مخبراً انار حُب ایمانی کے فوائد متعدیہ کو اپنے نفس کی تکمیل پر ترجیح دینا ہے مثلاً اصلاح فیما بین الناس اور انتظام سیاست منزلی اور سیاست مدنی کو اور خلق اللہ کو خدمت میں مشفقوں کے برداشت کرنے اور ان کی تربیت میں تکلیف سہنے کو اور ان جیسے اور لوگوں کے اختلاط ولے امور کو عزلت اور تنہائی اور لوگوں سے مہاجگ کر جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے اور اپنے اوقات کو اذکار و مراقبات سے معمور رکھنے پر ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ پچھلے امور اگر حصول مشاہدہ اور مکالمہ میں تاثیر قوی رکھتے ہیں لیکن قسم اول کو رضائے خداوندی کے کھینچ لانے میں دوسری قسم کے امور سے زیادہ ترمداختلت ہے اور اس حُب کا صاحب کسی کمال کو اسباب جلب رضائے حق جل و علا کے ہم وزن اور مساوی نہیں سمجھ سکتا۔



## چھٹا افادہ

حب ایمانی کے عمدہ ترین آثار اور اس کے افضل ترین لوازم سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی تعبیر عرف شرح میں صلاح کے ساتھ کی گئی ہے جس جگہ فرمایا **وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ** **وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ** **وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ** یعنی جو فرمانبرداری کرے اللہ اور رسول کی پس وہ ہمراہ ہیں ان لوگوں کے جن پر اللہ نے پیغمبروں میں سے اور صدیقیوں میں سے اور شہیدوں میں سے اور نیکو کاروں میں سے اور حدیث شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا **التَّقْوَىٰ لَهْرُنَا** وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ ضرر کرنے والے امور کی نقصان رسانی کا اذعان کمال اور نقصان میں متفادت ہے اور جو شخص نفس اذعان میں عدم تفاوت کا قائل ہے اس کا قول و جہان و بہمان کے خلاف ہے اور اس کا کلام مآول ہے اور اس کی تفصیل اپنے مقام میں کی گئی ہے۔ الغرض جو شخص امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کا نفس ان امور کے ترک پر اس کی اطاعت نہیں کرتا اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو اضعف ترین مراتب ہے اور اس کو محض اذعان عقلی سے نامزد کرتے ہیں اور ایک دوسرے شخص سے جس کو امور ضارہ کی مضرت کا اذعان اس حد تک پہنچا ہے کہ اس کے سبب سے اپنے نفس کو ان امور کے ارتکاب سے روک سکتا ہے اگرچہ ان امور ضارہ کو پہنچنے کی خواہش اور ان کے ارتکاب کی میل اس کی طبیعت میں پوشیدہ ہے لیکن ان کی مضرت کا اعتقاد اس خواہش اور رغبت کا مقابلہ کر کے اسے نہیں چھوڑتی کہ اپنے اعضا اور جوارح کو پوشیدہ ناپاکی کے آثار سے آلودہ کرے پس اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو پہلے شخص کے مرتبہ سے قوی تر ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان افعالی رکھنا چاہیے اور ایک اور شخص ہے جنہیں ان امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد اس حد تک قوی ہو گیا ہے کہ جب وہ امور ضارہ اس کے روبرو حاضر ہوتے ہیں اور اس کے دل میں یہ وہم ٹپرتا ہے کہ ان امور کا اثر اس



کے نفس کو پہنچے گا یا اس کو کوئی ایسی تقریب پیش آئے جو اسے ان امور کے ارتکاب پر باعث ہو تو ایسے وقت میں اس شخص کے باطن میں ایسا خوف اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو امورِ طبعیہ کے انتظام کو درست کر دیتی ہے مثلاً اس کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اس کی آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں اور اس کے اعصاب میں استرخاء اور اس کے اعضاء میں تسخج ظاہر ہو پڑتا ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان قلبی رکھنا چاہیے پس انہیں مراتب ثلاثہ اذعانہ کو شرعی گناہوں اور واجبات کے چھوڑنے اور ان جیسے اور امور ممنوعہ شرعیہ کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیے جیسے کفار کے زینت، اور لباس میں تشبہ کرنا اور ان کی عیدوں میں خوشی منانا اور اہل بدعت و اہوا کے ساتھ میل جول کرنا اور ان کی بدعتوں کے رواج دینے میں شامل ہونا پس اذعان کا پہلا مرتبہ عین ایمان ہے کہ بدون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقویٰ کی روح شمار کرنا چاہیے کیوں کہ ظاہری تقویٰ امور ممنوعہ شرعیہ سے بچنے اور نفسِ بہیمی کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام ہے اور اس کی روح مراتب اذعان سے وہی مرتبہ ہے جس کے سبب سے نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں اور تیسرے مرتبہ کو تقویٰ حقیقی کی روح شمار کرنا چاہیے کیوں کہ حقیقی تقویٰ ممنوعات شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی روح وہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مراتب احسان سے معدود ہے یہ صاحب اس مقام کے آثار کا نمونہ ہے اور ہر صاحبان وجدان سلیم و ذہین مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امور مذکورہ میں تامل کرے گا لہذا ان امورِ لیسہ سے آثارِ کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

### چوتھی ہدایت

ثمراتِ حُبِ ایمانی کے بیان میں اس میں پانچ افادے اور دو فوائد سے مراد ہے:

### پہلا افادہ

ایمانی محبت جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے جب زیادہ تعظیم کے ساتھ فکر اپنی کمال



کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضا جوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضاء اور قوی کو اپنے اثروں اور نوردوں سے روشن اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر توکل اور نیک بختی اس کے تہ دل میں جاگیر ہو جاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں طرح طرح کے تصرفات سے کہ رنگارنگ لغمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مٹھی بھر مٹی کی پرورش اور بر قسم کی بلا اور مصیبت سے اس کا نگاہ رکھنا بھی انہیں میں سے ہے۔ تاثیر کرنے میں اس ذات بابرکات کی یکتائی کا ملاحظہ اس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعالی تو حید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے "اس کے دل میں یہاں تک بیٹھ جاتی ہے کہ اپنے تمام مال و اسباب کو اپنی ملکیت نہیں جانتا بلکہ اپنے آپ کو اس جو پائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے" خیال کر کے دنیاوی زینتوں اور زندگی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنے اعضاء اور قوی کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جان کر اپنے آپ کو اس نگرسی یا پتھر کی مانند جس کو اپنے مالک کے کاموں میں صادر ہونے میں واسطہ اور مہتیار ہونے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں سمجھتا ہے" اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اس کا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ **رَضِينَا بِاللّٰهِ تَعَالٰی رَبَّنَا** اسی مقام کی ایک رمز ہے اور تکالیف شرعیہ کے اٹھانے پر اس کے سینے میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ **وَيَا اِسْلَامَ دِينًا** اور ایسا ہی **اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ** اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنت کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے کہ **وَيَحْمَدُنِيَّ** ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ مخواہ بحکم **وَالَّذِينَ**

۱۔ یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوشنود ہیں۔ ۲۔ اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں ۳۔ اور کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے ۴۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں ۵۔ (باقی حاشیہ اگلا صفحہ)



جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَبْنَائِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ جِهَادٌ كَبِيرٌ  
 وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ أَلَمْ تَشْكُرُوا لِمَنْ لَكُمْ  
 أَوْ ذَلِكِ بَيَانَ اللَّهُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا . . . . . خدائے بلند اور

بزرگی کی محبت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضا مندی کے نور کہ آقمن شرح  
 اللہ سَدْرَةٌ لِلْإِسْلَامِ قَدْ هُوَ عَلَى نَوْرِ مِنْ رَبِّهِ انہی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو  
 جاتے ہیں اور اس کو اپنی ولایت کی پناہ میں لے کر اور اپنی تربیت کے سایہ میں لاکر اپنی  
 ایجاد اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بنا دیتا ہے حاصل کلام جناب پاک سے اس کو بہت سارا  
 اتصال اور ایجادات اور احکامات کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے کا بڑا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے  
 برابر ہے کہ وہ علوم عقلیہ میں ہو یا عوارض قلبیہ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روحانی شریعت  
 والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام دیتی  
 ہے یعنی اس طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس چیز کا نام  
 عقل ہے دوم ارادہ کرنے والی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادر  
 اور ڈر اور پیار اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور انہی جیسی اور باقی نفسانی  
 کیفیتوں کے اٹھانیوالی ہے اور جس کا لقب قلب ہے اور ان دونوں طاقتوں کا ذوق ظاہر  
 ہے اس واسطے کہ شجاعت کے معنی کا جاننا اور اس حقیقت کا معلوم کرنا اور چیز ہے اور  
 خود شجاعت اور چیز ہے کیوں کہ بہت سے شجاعت کے معنی کو جاننے والے اور اس کے  
 اقسام اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب کی بحث میں تحقیقات کرنیوالے ایسے بھی ہوتے

بقیہ جاشیدہ اور جنہوں نے ہمارے واسطے ممت کی بیشک ہم ان کو اپنی راہیں سو جھا دیں گے سہ یعنی میں  
 اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے ساتھ رکھے گا ویسا ہی پائے گا سہ جو  
 شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہی اس کو کافی ہے تمہ اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسکو تمہاری واسطے  
 پسند کرے گا سہ اور وہ نیکو کاروں کی والی ہے سہ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مولیٰ ہے جنہوں نے مانا



ہیں کہ کسی راہزن کا مقابلہ بلکہ کسی چور کا سامنا ان سے نہیں ہو سکتا اور بہت سی خون ریزی میں  
یکتا اور جنگ آزمائی میں طاق بہادر دیر ایسے ہوتے ہیں کہ بہادری کے معنی سمجھنا اور اس کو  
باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا ان سے مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے اور معاش یا معاد میں  
نقصان پہنچانے والی کسی چیز کے ضرر کا یقین کرنا اور بات ہے اور خود کسی خوف والی اس کیفیت  
کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کی بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا  
سست ہوجانا اور اعضاء کا بیکار ہوجانا اس کے آثار میں سے ہے "اور بات ہے اس لیے  
کہ اس خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں جانتے ہیں لیکن بزدل پر ایسی حالت گزرتی ہے  
کہ بہادر پر اس کا عشرِ عشر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی آدمی خوبصورت کی خوب صورتی کے جاننے  
اور اس کے خط و خال کے معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب  
اور قلق و اضطراب عاشق کے دل پر گزرتا ہے غیر کے دل پر نہیں گزرتا جب یہ تمہید ہو چکی  
اور عقل اور قلب کا فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہیے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش میں  
عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس چنانچہ آزمودہ کار لوگوں پر یہ  
بات پوشیدہ نہیں پس جو لوگ ابتدائے فطرت میں تیز عقل پیدا ہوئے ہیں جب ان کو ازلی  
عنایت اس مقام پر پہنچاتی ہے اور غیبی تاثیروں سے ان کو مشرف کر دیتی ہے تو اس کو  
ادراک کی طرف سے امور غیبیہ میں خادم بناتے ہیں اور علم کی جانب سے اللہ جل شانہ کسے  
رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان اس پر ظاہر کرتے ہیں مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے  
کہ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے کسی  
چیز کے سرانجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاملہ میں کلام کے ذریعہ سے اس کام کی طرف  
رغبت دلائی جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر اس واقعہ کا تمام حال اس کے  
سامنے حاضر ہو جاتا ہے یا امور کی سوج بچار کے وقت اس مامور بہ کام کے کرنے پر براہِ گنجتہ  
کرنے والے خیالات اور اس کے پھوٹے دینے پر اس کی بجا آوری کی تریح دینے والے



(دلائل) اس کے ذہن میں کھینکنے لگ جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہو جاتے  
 کو "جو تندرست جہاں سے متعلق ہیں" یا ان امور کے روشن ہو جانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق  
 رکھتے ہیں یا اجتہادی مسئلوں یا گھریا شہر کے انتظامی امور کے امکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے  
 اور اسی طرح اپنے ان بھلے اور برے کاموں کو "جن کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اشتباہ ہے"  
 نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور شباباش اور ملامت کو خوبصورت اور بدصورت رنگوں  
 اور خوش نما اور بد نما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح اور شریعت  
 میں محدث کہا کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ابتدائے پیدائش میں پاک دل والے پیدا ہوتے ہیں  
 امور مذکورہ ان کے دل سے نکلنے ہیں۔ ان کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ ہو یا نہ ہو یا مثلاً جن چیزوں  
 کا وقوع غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے ان پر اپنے دل پر ایسی دلیری اور  
 جرأت معلوم کرتا ہے اور برا نگینختہ کرنے والا ارادہ اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو مجبور  
 کر کے اس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور خود یہ شخص اس ارادے اور باعث کے پیدا  
 ہونے کے سبب میں حیران رہتا ہے اور اس کی وجہ کو نہیں سمجھ سکتا اور جن چیزوں کا وقوع  
 غیب میں اس کی وساطت سے مقرر نہیں ہوا ان کی نسبت اپنے آپ میں بزدلی اور ان چیزوں  
 کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد معلوم کرتا ہے (اور ان کے واقع ہو جانے کی صورت  
 میں سستی اور کاٹھی اور ان کے طلب کی مشقتوں کی برداشت میں تکلیف اور تھکان اس کے  
 دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب زدوں پر فوارے کی مانند پر غضب  
 دریا اس کے دل سے جوش مارتا ہے اور اس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور  
 مہربانی کا دریا اس کے اندر سے برستا ہے خواہ ان امور پر اس کو اطلاع نہ ہو جو غضب زدوں  
 کے مغضوب ہونے اور مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوئے ہیں اور خواہ اچھے یا  
 بد کاموں کے جواز یا عدم جواز کو نہ جانتا ہو ان کے صادر ہو جانے کے باعث اپنے آپ  
 میں خوشی یا دل گیری کو پایا کرتا ہے اور اس حلال اور پاک طعام کی طرف جو غیب میں



اس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اس کو خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کو حرام  
 طعام یا اس کے کھانے سے جو اس کے لیئے تیار نہیں کیا گیا اس کو نفرت پیدا ہو جاتی ہے  
 خواہ ظاہر میں اس کے حلال یا حرام ہونے کا حال بالعکس معلوم ہوتا ہے اور لہذا اوقات ان  
 بزرگوں کی عقل ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی ہے اور ان اندیشوں کے دل میں پیدا  
 ہونے کے سبب سے حیران رہتی ہے اور ایسے لوگوں کو شریعت میں شہداء اور حواریین کے نام  
 سے پکارتے ہیں اور امور کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا  
 محذوب اور حواریین کی عادت ہے یہ نہیں کہ صاحبان قرب ثواب کے مانند اس امر کے واقع  
 ہونے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے خود درپے ہو جائیں  
 پس دشمنوں سے بدلہ لینے اور دوستوں سے غم خواری کے موقع پر ان بزرگوں سے دعا کے سوا  
 اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اور اقطاب اور اوتار میں سے بعض امور دونوں قسم سے ہوتے  
 ہیں اور اس مقام کے لوازم سے یہ ہے خواہ اس مقام پر والا محدث ہو خواہ شہید کہ جو  
 دعائے مدعوئے کے ظاہر ہو جانے یا اس کے حاصل ہونے کے سچے ارادے کے پیدا  
 ہونے کے بعد صادر ہوئی ہو اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیوں کہ وہ دعا بھی تقدیر کے  
 ظاہر ہونے کے لباسوں اور فیض غیبی کی صورتوں میں سے ایک صفت ہے پھر جو شخص اس  
 مدعوئے امر کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان بزرگوں کے مقابلہ میں قائم ہو گا بے  
 شک ناکام اور خوار ہو گا اور جو شخص اس مدعوئے امر کے حاصل کرنے اور رواج دینے میں  
 کوشش کرے گا ضرور کامیاب اور فتح مند ہو گا اور اس مقام کی تحقیق اور اس مقصود کی  
 تفصیل صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیر ہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنی چاہیے۔  
 حاصل کلام اس رستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کے زمرے میں



میں شمار کیئے ہوئے ہیں جن کو ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے تدابیر امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ پس ان بزرگوں کے احوال کو بزرگ فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیئے۔

## دوسرا افادہ

اور اس مقام سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمان حقیقی کا مقام ہے اور بعض مردانِ حق اسی کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دل کشا مقام کے چہرے سے پوشیدگی کا پردہ دور کر کے اس کے نوروں کو صو طرح کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتی ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ جس طرح نفسانی لیاقتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور مقامات مرتبے ہیں پس بعض بد لیاقت اور بعض عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض میں دو ملکات طبعی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارہ میں غور کرو گے تو معلوم کر لو گے بعض آدمی ابتدائے پیدائش میں ہی ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہمجولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہم نشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ انہوں نے کبھی لڑائی کا منہ تک نہ دیکھا ہو اور رسم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنی ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور سواری اور شکار کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادری اور دلاوری کا دریا ان کے دلوں سے جوش مارتا رہتا ہے اور وہ لڑائی مہربانی کے واقف کاروں کی ہم نشینی کے واسطے کوشش کرتے رہتے ہیں اور جنگ آزمودہ لوگوں کو اور جنگ میں ان کی چال ڈھال کو مثلاً پگڑی باندھنے اور کرت پہننے اور زہروں کے استعمال کرنے اور سپاہیوں کی کاپوشاک اور اسی طرح بول و چال اور مجلس اور سواری میں انہی کے طریق کو تہ دل سے پسند کرتے ہیں اور جنگ کے مناسبات میں سے ہر چیز کو محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور لڑائی لڑنے والوں کی حکایات کی داستانوں کو قبولیت کے کالوں سے سننے میں الققد وہ امور جو لڑائی سے متعلق ہیں ان کے دل کی تہ میں ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں



اور اہل عرب کے ساتھ وہ لوگ طبعی دوستی رکھتے ہیں اور ان کے خلاف سے ان کو پیدا کنشی بیگانگی ہوتی ہے۔ پس ان کو عورتوں اور بیچڑوں اور انہی جیسے نامردوں اور بزدلوں اور ان کی چال ڈھال اور ان کے لباس وغیرہ سے نفرت ہوتی ہے اور جس کام کو جنگ سے کچھ تعلق ہو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کام اس امر سے برکنار ہو اس کے حاصل کرنے میں جس قدر زیادہ مشتقتیں اٹھائیں ان کے دل میں نہیں ٹھہرتا اور ان کے دل کو اس سے رکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور جب تک ان کو سامان جنگ ملے نہ ہو اور اور شفیق استاد لڑائی کے قانون ان کو نہ سکھائے اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر نہ ہوں، تنگ دل اور پریشان رہ کر اپنی زندگی کو سو طرح کے بیچ و تاب میں گزارتے ہیں اور جو یہ امور ان کو حاصل ہو جائیں ان کی تمام دلگیری اور پریشانی اور غم اور اندوہ جاتے رہتے ہیں پس اس قسم کا آدمی بہادری کی حقیقت کو طبیعت کے خزانے میں چھپائے ہوئے ہے اور اس کو لڑائی کے ہتھیاروں کی مشق اور اس فن کے استادوں کی تعلیم اور جنگ کے میدانوں میں حاضر ہونے کی ضرورت صرف بہادروں کے قابلوں کے حاصل کرنے کے واسطے ہے پھر سوچنا چاہیے کہ بہادروں کے قابلوں کے حاصل کرنے کی رغبت بھی ان کے دل میں کسی کے سکھانے یا کسی کی متابعت سے پیدا نہ ہوگی بلکہ اس کا پیدا ہونا بھی ایسے امور کے پیدا ہونے کی مانند ہے جو بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں کیوں کہ بہادری کا جو جوش اس کے دل میں موجود ہے اس کا پورا کرنا اس کے فنون کے حاصل کرنے کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اس کے فنون کا حاصل کرنا جنگ کے ہتھیاروں کے استعمال اور استادوں کی ہم نشینی، اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر ہونے کے بغیر ممکن نہیں پس لاچار و مجبور ہو کر ہتھیاروں کے ڈھونڈنے اور استادوں کے تلاش کرنے اور معرکوں کی جستجو میں لگ جائے گا اور ان چیزوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اس کے دل کی تابلیت سو طرح کی چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہوگی اور کوئی ہم عمر اور ہم جنس لڑائی کے امر میں اس کے ساتھ باری نہ کر سکے گا۔ اور دوسرے



بعض ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی سرشت کی سختی صاف اور شجاعت کے مخالف امور سے پاک ہوتی ہے پس اگر ایسے لوگوں کو مہربان استاد ہاتھ آجائے تو طاقت اور استاد کے سکھانے اور زمانہ کی موافقت کے اندازے پر لڑائی کے متعلق امور سے اپنا حصہ حاصل کر لیں گے اور استاد کا کمال عکس کے طور پر ان میں جلوہ گر ہو جائے گا اور دوسرا آدمی جو ابتداء سے پیدائش میں عورتوں کی طبیعت اور ہیچڑے کے مزاج والا بنایا گیا ہے اگر فن حرب کے ہزار استاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب سے اس کو فن جنگ کی تعلیم دینا چاہیں وہ ہرگز لڑائی اور سپاہ گری کے لائق نہ ہو سکے گا اور سارے شاہنامہ سے اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کرے گا

منیشرہ منم و نخت افراسیاب      برہنہ تنم را ندید آفتاب

یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیشرہ ہوں۔ میرے بدن کو کبھی آفتاب نے برہنہ نہیں دیکھا۔ اس طرح فیض ربانی کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقے ہیں۔ پس ہم پہلے طبقے والے لوگوں کے طبعی اجمالی کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں اور جب وہ پیدائشی اجمالی کمال اپنے وقت کے نبی کی پیروی کے سبب سے تفصیلی قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو اس کے اس طبعی چراغ پر جو ازل الازل میں عنایت خداوندی کے تیل سے روشن ہو چکا تھا یہ شریعت حقہ صاف شیشے کی مانند احاطہ کر لیتی ہے اور اس کے بسیط نور کو اپنے ہمزنگ کر کے

۱۔ اصطلاح اہل طریقت میں فیض ربانی کو شرعِ رحمانی کہا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ عموماً افرادِ انسانی کو اس رستے کی طرف ہدایت کرنا جس میں حضرت حق جل و علا کا قرب اور اس کی رضا مندی حاصل ہو اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق سے پرہیز کرنا سیکھ لیوے جو معاش اور معاد میں نقصان دہ ہوں اور تدبیر منزل اور مدینہ کے انتظام پر قادر ہو جائے ۱۲:



نہایت ہی عجیب اور غریب رونق بخشی ہے۔ پھر جبلی نور اور شرعی نور کے جمع ہو جانے سے وہ ملت حقہ جس نے اس صاحب کمال کے ہن سے دو بالا رونق حاصل کی ہے چکنے والے ستارے کی مانند عالم ملکوت اور ملک کے اختر شناسوں کی عقل کی آنکھ حیران کر دیتی ہے اور کھلات کے میدانوں کے شہسواروں اور احوال اور مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود سے **ہُوَ سَيِّدُنَا وَاعْتِقْ سَيِّدُنَا** کی ندا نکل آتی ہے۔ اس قسم کے صاحبان کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں۔ ان داناؤں اور عقل مندوں پر جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے منخر اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے پوشیدہ نہ ہو گا کہ صدیق من و ثقبہ انبیاء کا پیرو اور من وجہ شریعت کا محقق ہوتا ہے پس اگر صدیق ذکی القلب ہو گا تو وہ مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور نارضا مندی کو اور مخصوص عقائد صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادات اور استعدادوں کے سمجھا ہونے اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی نور کے طبیعت معلوم کر لیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جل شانہ کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے؟ اور فلاں خلق اچھا ہے یا برا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا فلاں شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قسم کے لوگوں میں مروج ہے انتظام کے مخالف ہے یا موافق پس ان امور مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت ہے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے۔ دوم عام طور پر کلیات شرع میں

۱۔ اس میں اس کلام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ابو بکر سیدنا وواعیق سیدنا یعنی ابو بکر ہمارے سردار اور پیشوا ہیں۔ اور ہمارے سردار کو انہوں نے آزاد کیا۔ دوسرے سید سے مراد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔



ان کے مندرج ہونے کے سبب سے اور جو کہ علم پہلے طریق سے اس کو حاصل ہوا ہے وہ تحقیقی ہے اور جو کہ علم دوسرے طریق سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی اور وہ صدیق و کی العقل ہے تر اس کے طبعی نور کی ان کلیات حقه کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو حظیرۃ القدس میں عام طور پر نوع انسانی کی پرورش کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور وہ کلیات اس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں وہ انہیں کلیات سے جزئیات تمام کو استنباط کر سکتا ہے پس شرعی علوم اس کو دو طرح سے حاصل ہوتے ہیں ایک تو جبلی نور کے ذریعہ سے اور دوسرا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ایسا ہو اور وہ فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس کے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسماء الہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرے اور فلاں طریق سے حاصل ہوا ہو وہ عقیدہ درست ہے اور معاش یا معاد میں نوع انسانی کی پرورش میں داخل ہے اور جو عقیدہ کہ فلاں حقائق یا فلاں اسماء و صفات یا فلاں واقع سے متعلق ہو یا فلاں طریق سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوع انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اس کا پڑھنا اور پڑھانا فضول چیز معلوم ہوتا ہے اور جو خلق اور ملک فلاں نتیجہ دے۔ یا اس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے ورنہ برا اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے ورنہ اس کا رد کرنا موافق ہے اور وہ انتظام کے مخالف ہے پس کلیات شریعت اور احکام دین میں اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور نیز اس کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نفث فی التروع سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کہتے ہیں پس ان بزرگوں اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ



امتوں کی طرف مبعوث ہوتے ہیں اور یہ بزرگ منظران حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء سے وہی نسبت ہوتی ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے سے بھائیوں سے یا بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیوں کہ ان کے درمیان بھی من وجہ نبوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ اور نام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط ان کو نصیب نہ ہوگا اگرچہ جہلا ان کی ریاست کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امامت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت اور ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں ہوئی اور ان کو اسی مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنی امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے کہ لے اللہ یصطفیٰ من العلیکۃ رسلاً من الناس اور ان اللہ استوفی آدم و نوحاً و آل ابراہیم و آل ابراہیم و آل عمران علی العلیین اور رزقنا علی العلیین و من ابائہم و ذریئہم و اخوانہم و ابتلیہم و ہدینہم الی صراط مستقیم اور اذکر عبداً نوابرہیم و اسحق و یعقوب اولی الایدی و الابصار انا اناسنہم بغالیۃ ذکری الدارہ و انہم عندنا

۱۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والا چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں سے ۱۲ بے شک آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھروالوں کو اور عمران کے گھر والوں کو جہانوں سے چن لیا ہے۔ ۱۳۔ اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت کی ہے اور ان کو پسند کر لیا ہے اور ان کو سیدھے رستہ پر چلایا ہے لکھ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب



## لَيْنَ الْمَصْطَلِفِينَ الْأَخْيَارِ

اسی معاملہ کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدا نے تعالیٰ کی رضا مندی ان کی رضا مندی میں داخل کی گئی ہے اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان رہانی حکیموں اور انبیاء اور مرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے جس کو تو تم کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جناب سید الحکماء اور سید العلماء شیخ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ زکائے عقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازمات میں سے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور بھی جانتا چاہیے قرب الوجود محض عطایا الہیہ اور صرف طبعی چیزوں میں سے ہے کسب اور اکتساب اور حدوث اور تجدد کو اس میں کچھ دخل نہیں ہاں اس جہاں لور کے آثار کا ظہور اس کے مددگاروں اور اسباب کے ملنے کے وقت تدبیر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی چیز ہے لیکن جو چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جدا کرتی ہے وہ قوت عالمہ ہے جو ابتداء میں پوشیدہ ہوتی ہے کیوں کہ اس وقت چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے اور کچھ عرصہ بعد اس چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور جیسا کہ ابتداء کے کلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہی مہربانی جو ازل الازل میں اس صاحب کمال کے بارہ میں عنایت ہوئی

(بقیہ مشیخ) ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کرو ہم نے ان کو ایک چینی ہوئی آخرت کی بار سے

امتیاز دیا ہے اور بے شک وہ ہمارے ہاں سب چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں

علاوہ قوم سے صرفاً صاف ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین مراد میں ۱۲ منہ



ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ  
افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملہ کی طرف کشاں کشاں لے  
آتی ہے۔ ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور برے کاموں اور خراب معاملوں اور  
رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ نگاہ رکھتی ہے پس وہ ضرور  
انبیاء کی اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے  
اس کا بیان یوں ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوب صورت آدمی کے عشق یا ہنر اور کمال  
کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں ایسا استغراق ہو جاتا ہے  
کہ اس کی وجہ اس کی قوت بہیمیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اور اسی فتور کے باعث ایسے کلاموں  
کی طرف ان کے دل سے کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف یا شریعت میں قبیح ہیں اور  
ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے دل میں پکا نہیں ہوتا اور بعض دوسرے آدمی جو  
عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور سرشت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں اور شفیق آباء  
اور سکھانے والے استادوں کی تربیت ان کے حق میں خرچ ہوتی ہے ان کا قبائح مذکورہ  
سے پرہیز کرنا عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا اور ان کی عقل کی تہ سے ان قبائح  
کی نسبت وہ تقدر پیدا ہوگا جو جبلی طہارت والے شخص کو نجاسات اور ناپاک چیزوں  
سے ہوا کرتا ہے اور اگر کسی وقت ان سے خطا اور نسیان کے طور پر قبائح مذکورہ کی طرف  
رغبت اور میلان ہو جائے تو وہ بے شک مشفق ہزار حیدہ سے اس کو ان ناپاک چیزوں  
کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا اسی طرح بعض اہل کمال پاک عشق کے غلبہ  
اور حضرت ذوالجلال کے مشاہدے کے استغراق اور فنا اور بقا اور چیزوں کے حقائق کے  
منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہو جانے  
سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور باطل عقیدوں  
اور بری عادتوں اور خراب معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور یہ بچنا ارباب قرب النوازل



کا حصہ ہے اور بعض ایک کمال نور جبلی اور عنایت ازیلی کے باعث بھلے کو برسے سے تیز کر کے اپنے آپ قیام مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں اور اگر کبھی ان سے امور مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہو جائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازیلی عنایت پکڑ کر عجیب و غریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِدَا وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا اٰی بْرَهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ لِنَصِّصَنَّ عَنْهٗ السُّوءَ وَالنَّخْسَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَسِيْنَ** اسی معاملہ کی حکایت ہے اور یہ حفظ انبیاء اور حکماء کا نصیب ہے اور اسی کو عصمت کہتے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے واسطے ثابت کرنا خلاف سنت اور اختراع بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں سمجھت سے امور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیثوں میں صحابہ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ اہل حدیث میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اور اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ اس جہاں سے منقطع ہو چکے ہیں اور قرب الوجود روئے زمین سے محو ہو گیا ہے بلکہ جب تک روشنی اور اندھیرے کا خوش رقمانہ و رنگ گھوڑا دوڑنے میں ہے وجود کا میدان اور حال اور مقام کے شاہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کی جگہ ہے ہاں صاحب کمال کے کمال پر یقینی علم حاصل ہونے کا طریق جو کہ مخبر صادق کی خبروں میں منحصر ہے نبوت کے زمانے کے گزر جانے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے جیسے کہ اس زمانے کے گزر جانے کے بعد غیر منصوص مشلوں میں نہایت

۱۔ بے شک زلیخا نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا ارادہ کیا۔ اگر اپنے

پروردگار کا برہان نہ دیکھتے تو ہوتا جو ہوتا ۱۲ منہ



کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گرہ ہوا کہ اس کا عشر عشر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اس مقام کے لوازمات میں سے ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح یہ ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتداءً فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے سوا ہی اس صاحب کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت میں لگی ہوئی ہے پس اگر کسی وقت لوازم بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل سے خدائے تعالیٰ کے سوا کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امور کو ان امور میں سے جن کے پائے جانے کے باعث اس کا جلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو وہی ازلی عنایت اس واسطے کو تذبذب کے ساتھ توجہ دیتی ہے اور بنی آدم کے نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے کہ اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَنْادَى جِبْرِيلُ اِنِّي أُحِبُّ فَلَانَا فَأَحَبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ ينادي في السماء اِنَّ اَنْ قَالَ حَتَّى يُوَضَعَ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْاَرْضِ.

اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس کی قبولیت کی حقیقت اس صاحب کمال کی وجاہت کا ان دلوں کے آئینوں میں منعکس ہونا ہے جو کہ صاف اور سلیم ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضاء اس اعتبار سے کہ جو عارضہ محبت یا غصے یا

لے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست بنانا سے توجہ رکھتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبریل بھی اسے دوست رکھنے میں پھر آسمان میں ندا کرتا ہے یہاں تک کہ فرمایا حتیٰ کہ زمین اس کے واسطے قبول رکھی جاتی ہے (۱۲ منہ)



خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے تو اس کے آثار ظاہری اعضا پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ان کے دلوں کے لیے آئینے کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم میں سے نپک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس واقعہ کے ہو جانے کی رغبت یا اس کے سبب کی توجہ آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربار الہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق اعلیٰ میں مقام صدق پالیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پر تو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے پس جو نیک آدمی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور اس کو تہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اس کے علموں اور خبروں کو تہ دل سے مانتا ہے بلکہ اس کی چال ڈھال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ ہی اوضاع اور اطوار اس کے غیر میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی صالح آدمی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے ہیں اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے **اِنَّهُ سَدَّ اَعْيُنَ اللّٰهِ عَلٰی الْاَرَضِیْنَ** اور یہ بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقل مند اور جو انمرد اور غافل ہی شاہد ہوا کرتے ہیں۔ غافل، نادان اور بزدل لوگوں کو تہ نہیں بنایا جاتا بلکہ اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت پیار کرنے والے کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے **اِنَّ ذٰلِكَ وَمَنْ يَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرْ اِلٰی اللّٰهِ فَارْتَبَا**

یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں، یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام کی چیزوں کا

سورہ دل کی بہ ہیزگاری ہے :



مِنْ تَقَرُّبِ الْقُرْبِ اِوْر اِیْسے بزرگواریوں کا بغض اور کینہ کرنے والے کے نفاق اور بد بختی کا نشان ہے کہ لَا یُحِبُّهُ اَبٌ وَّ لَا اُمٌّ وَّ لَا اَخٌ وَّ لَا اَبْنٌ وَّ لَا اَخِيٌّ وَّ لَا مَنَافِقٌ اِلَّا مَنَافِقٌ شَقِيٌّ اِسْمًا  
اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

### تیسرا افادہ

اور شرعی حدود اور رضمان حکم اور ان کے اشباہ کو خود ان کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوع النساں کی پرورش کے رکٹوں اور ادبوں اور مفسدوں اور شرطوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء اور مرسلین میں سے اصحاب شریعت کا مقام ہے اور ان کی متابعت سے نطی طور پر انبیاء کرام کی فرمانبرداریوں میں سے بعض ان بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں مقہومین کہتے ہیں اور صاحبان تعلیم کے پیشوا اور صاحبان تفہیم کے امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کی اصطلاح میں اس کا نام قرب الفرائض ہے۔

### چوتھا افادہ

غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزے کے ساتھ حجت کو پورا کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے برتر و بلند ہے کیوں کہ ایسے لوگوں کی برکت سے سہرے ہوئے وجود سے قُلْ نَلِّدُکُمُ الْحِجَّةَ الْبَالِغَةَ کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء علیہ السلام اور اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرماں برداری سے بعض بڑے باعمل عالم اس مقام کے نطل اور اس نخر کے

لہ یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمائی ہے۔

یعنی پر ہیزگار ایماندار کے سوا کوئی شخص اس کو دوست نہیں رکھتا اور بد بخت منافق کے سوا کوئی اس سے دشمنی نہیں رکھتا کہہ دو حکم دلیل اللہ کے لئے مخصوص ہے۔



عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حج الشد کہتے ہیں اور آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت ہے۔

### پانچواں افادہ

اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست ادوار و اطوار ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر میں نوزع انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کی وہ عنایت جو عام انسانوں کی طرف خرچ ہو رہی ہے اسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحب کمال نوزع انسانی کی تربیت کے واسطے نیابت عن اللہ کے مقام میں قائم ہو چکا ہو اسی وجہ کی تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے، نئی مہربانی اور تازہ عنایت رحمت ازلیہ کے دربار سے نکل کر تربیت معاشیہ کی وجوہات سے ایک اور وجہ پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ کے اجر میں بنی آدم کے کامل نفوس کو متوجہ کرتی ہے آیۃ کریمہ یدبر الامر من السماء الى الارض شویر الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مقانعدون۔۔۔۔۔ اسی مجید کا بیان ہے مثلاً حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر حضرت ادریس کے زمانے تک خدائی فیض انسانی افراد کو کھیتی باڑی کرنے اور پیسے اور آٹا گوندھنے اور روٹی بنانے اور باقی طعاموں کے پکانے اور لباس بنانے اور رہنے کے مکالوں کی تعمیر نے کی ہدایت کی طرف خرچ ہوتی رہی اور جب یہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حضرت ادریس کے زمانے سے درزی گری اور لکھنے اور آہنگری اور زرگری جیسے لطیف و دقیق پیشے اور زمینی

لے تدبیر سے کام آتا ہے آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے۔ اس کی طرف ایک دن میں جس کا مقدار

ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔ ۱۰ موضح القرآن



اور آسمانی جسموں کے خواص کی واقفیت کے گہرے علم جو کہ علم طب اور نجوم کا خلا صدیوں  
ظاہر ہوئے اور ذوالقرنین اول کے زمانے سے بادشاہت اور ریاست کی بناؤں کی  
مضبوطی اور حکومت اور عدالت کے قانونوں کی تیاری اور لشکروں کا جمع کرنا شروع ہوا۔ اسی  
طرح نوع انسانی کے امر معاد کی تربیت میں بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں اور جس  
دورہ میں جو اہل کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علم کہ ان کے دورے کے مناسب ہیں ان  
کے دلوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور ان کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے  
پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک اور بنیاد تربیت کی رکھی جاتی  
ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے مثلاً اس امت کے دوروں میں  
پہلا دورہ فقہاء کا دورہ تھا پھر متکلمین کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیاء کو امام کا  
کا دورہ آگیا۔ یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ادوار انہیں میں منحصر نہیں۔ حاصل  
کلام جب ایک دورہ ختم ہو جاتا ہے تو دوسرے دورے کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے۔  
ایسے شخص کے وجود سے پہلے دورے کی ہدایت کو کمال کی نہایت تک پہنچایا جاتا ہے  
اور اس کو ترجیح مقرر کر کے اس کی برکت والی زبان سے اللہ کی تازہ مہربانیوں کی  
طرف آدمیوں کو دعوت دی جاتی ہے اور اس دورہ کی امامت اس کو بخشی جاتی ہے جو  
زمانے میں آدمیوں سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض کے زیادہ لائق ہوتا ہے اور  
یہ مقام مستقل طور پر تو حضرت خاتم النبوت اور فاتح الولاہیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور آپ کی پیروی کی برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں  
کو بھی عطا کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ان کو خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے  
یعنی ان لوگوں کے وجود سے گذشتہ دورہ کے نتیجہ کی نہایت اور آئندہ دورہ کے  
کمال کا آغاز ہوتا ہے اور حضرت شیخ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام  
قرانیت ہے اور اس دورہ میں جتنے اہل کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی



امام دورہ کے پیرو ہیں۔ خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں اور ان کی پیروی کے یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں۔ یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک جا پہنچتا ہے، بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شان الہی دورِ حاضرہ میں ظاہر ہوا ہے یہ لوگ بھی جان و دل سے اسی کی خدمت میں کوشش کرتے ہیں اور شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا علم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا جاتا ہے،

### پہلا افادہ

کیوں کہ یہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور ان لوگوں کے کمالات کے تعلق اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں۔ باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کے اشباح کیساتھ کامیاب ہوئے ہیں تاہم کبریت احمد اور اکسیر عظیم کی طرح نادر الوقوع اور کم باب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقام کے مباحث میں اجمالی اشارات پر اکتفاء کر کے ان کی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز ان مقامات کی کنہ کو پہنچنا بلکہ تمام کمالات کی تحقیق ان نحو ہیوں کے حاصل ہونے اور ان مفاخر تک پہنچنے بغیر ہی نہیں سکتی پس ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لا حاصل ہے اور

بے فائدہ۔ فرد

دارغ غلامیت کر دیا یہ خسر و بلند صد ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

### دوسرا افادہ

یہ جانتا کہ راہ ولایت اور راہ نبوت آپس میں متباہن ہیں کہ ولایت کے راستے کے چلنے والے راہ نبوت کے مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہوتے یا راہ نبوت



کے طالب حالات ولایت کا مورد نہیں بنتے یا حبِ عشقی والے حبِ ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حبِ ایمانی والے حالات عشقیہ سے غافل ہی رہا کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کیوں کہ تم نے کتاب فتوح الغیب کو جو ولیوں کے پیشوا اور صاحبان فنا و بقا کے امام، فضیلتوں اور بندگیوں والے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے دیکھا ہوگا جو ساری کی ساری فنا سے ارادہ کے مضمون سے جو حبِ ایمانی کا خلاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اس بیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکایتیں تم نے سنی ہوں گی جو حضرت سید الانبیاء و المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے مبارک دل پر گزرا کرتی تھیں کہ اس عجز و نیاز اور بے پروائی اور ناز کے معاملے "جو درمیان میں گزرے تھے" لیلیٰ اور محبوں کی داستانوں کے رشک افزا ہیں بلکہ حبِ ایمانی کا بیج اور انس ہمیشہ کی سعادت کا نور ایمان کے رکنوں اور اسلام کی شرطوں سے ہے پس مقبول طریقوں کے چلنے میں حبِ ایمانی کو شاہ گام گھوڑے کی طرح جاننا چاہیے اور حبِ عشقی کو اس طریق کے ایک جنگل یا اس راہ کی سرڑوں میں سے ایک سرڑے کے جا بجا سمجھنا چاہیے۔ پس حبِ ایمانی طریقِ رحمانی کے سالک کی جان کا پیوند ہے اور حبِ عشقی حالات اور واردات کے قبیل سے ہے۔ ہاں بعض لوگوں کے دلوں میں طبعی مناسبت کی وجہ سے حبِ عشقی زیادہ زور دیتی ہے اور کشاں کشاں ولایت کے رستے میں لے جاتی ہے اور حبِ عشقی کی صورت میں حبِ ایمانی ظاہر ہوتی ہے اور بعض نفوس میں عشق کے جوش کے فرو ہو جانے کے بعد صرف حبِ ایمانی ہی باقی رہ جاتی ہے اور طریقِ نبوت کے مقامات کا راستہ دکھاتی ہے۔ القصد حبِ ایمانی کو بنائے سلوک کے لئے بنیاد کے مانند بلکہ لکڑی اور کیچڑ اور پتھر کی طرح جو عمارت کا مادہ ہے سمجھنا چاہیے اور حبِ عشقی اور ان کے ثمرات کو ان سرلیح الزوال عمدہ رنگوں اور دلکش



نقشوں کی طرح جاننا چاہیے جو اصل عمارت کے بعد ہوا کرتے ہیں۔ اور اس بنا چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت کی عمارت کی مضبوطی اور عموماً انسان کی تربیت کے مکان کی پختگی کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں تو ناچار اسی حسب اور ثمرات کی طرف انہوں نے دعوت کی ہے اور اس راستے کے حاصل کرنے کے طریق کو مضبوط اور واضح کر دیا اور حسب ایمانی کے طریقوں کے کھول دینے پر اکتفا کیا اور حسب عشقی کے بیان اور اس کے ثمرات کے واضح کرنے اور اس کی تحصیل کے طریقوں کی تعیین کی طرف لطیف اور باریک اشارات کے علاوہ کچھ توجہ نہیں فرمائی اور حسب اصحاب طریقت میں سے اولیائے کبار نے جو فن شریف میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں جو دین متین کا خلاصہ ہیں درجہ اجتہاد کا حاصل کر چکے تھے حسب ایمانی کے متواتر طریقہ سے جان لیا اور اس کی تحصیل کے طریقوں کو اکثر اہل مذہب میں مضبوط دیکھا حتیٰ کہ اہل ملت کے عوام میں سے ہر عامی جوان کے زمانہ میں تھا البتہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکموں کی تعمیل اور شرع نبوی اور دین مصطفوی کے اختیار کرنے کو اپنے پر فرض جانتا تھا اور منعم کے شکر اور اس کی محبت کی خوبی اور منعم کی ناشکری اور اس کی مخالفت کی بُرائی کو اجلی بدیہات سے سمجھتا تھا تو حسب ایمانی اور اس کے لوازم کو کامل سمجھ کر اور اس سے اپنے پیروؤں کے دلوں میں مسلم الثبوت سے جان کر حسب عشقی کے احکام کی تفصیل اور اس کے ثمرات کی ایضاح اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کے مضبوط کرنے کی طرف اپنی ہمت کے منہ کو متوجہ کر کے اس امر میں نہایت کوشش کی اور اہل اسلام میں سے ایک سہاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سلسلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی شَكَرَ اللهُ مَسَاعِيْرَهُمْ وَرَفَعَهُ

لہ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ انکی کوششوں کی قدر شناسی کر کے اعلیٰ علیین میں ان کے درجوں کو بلند کرے



دَرَجَاتِهِمْ فِي أَعْلَىٰ عِلِّيِّينَ  
 پھر ان کے زمانے کے گزرنے سے  
 کچھ مدت بعد غیبیوں کی ایک جماعت ظاہر ہوئی اور کمینوں کا ایک ایسا طائفہ پیدا ہوا کہ

فَخَلَفَ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ  
 ان کے بد انجام حال پر منطبق ہو گیا اور وہ حسب ایمانی کے حاصل کرنے کے طریقوں کو برباد  
 کر کے حسب عشقی اور اس کے ثمرات کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گیا۔ حالاں کہ یہ محض  
 باطل خیال اور مجال کا طلب کرنا ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے  
 اور مثل مشہور ہے شَبَّتُ الْعَرْشِ شَوْءًا نَقُشُ

عارف بلند سیر شیخ ابو سعید ابوالخیر اس بد مال گروہ کے حال سے خبر دیتے ہیں  
 تقلید دوسرے مقلد بے معنی ہ بدنام کندرہ جو ان مردوں را  
 یعنی دو تین بے خبر مقلدوں کی تقلید جو ان مردوں کی راہ کو بدنام کر دیتی ہے اور اس  
 مطلب کو واضح مثال کے ساتھ سامعین کے ذہن کے قریب کرنا چاہیے اور مثلاً  
 اللہ تعالیٰ کی عنایت نے جو ازل الازل میں انسانی افراد کے حق میں مبذول تھی ایک  
 وقت میں یوں تقاضا کیا کہ کچھ ایسے عقائد اور احکام اور معاملات جن کو افراد انسانی  
 کی ہدایت اور معاش اور معاد میں ضرور دینے والی چیزوں سے ان کی نجات اور برزخ  
 اور قیامت کے آفات سے خلاصی دینے میں قوی ذہل اور عظیم تاثیر تھی "عاجز کرنے والی  
 عربی زبان میں جو کھائے جائیں اور انکی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے کی جائے  
 پس جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلم نے اس عاجز کرنے والی

یہ یعنی پھر ایسے نالائق ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے  
 پیچھے پڑ گئے یعنی پہلے ایمان لا پھر مجاہدہ کر کے پہلے تحت تیار کر لے پھر اس کے  
 نقش کے درپے ہو۔ ۱۲ منہ



کلام کو نہایت واضح طور پر کھول کر تمام حاضرین کو پہنچا دیا۔ پس اسی قدری فیض کی تکمیل جو غیب الغیب سے نازل ہوا ہے، دو وجہ سے ہو سکتی ہے اول آنکہ جن امور کو معاش اور معاد کی اصلاح میں تاثیر ہے اور نجات اور درجوں کو بلند کرنے میں دخل ہے۔ انہی امور کے سیکھنے کو اپنی بہت کا قبلہ بنا کر قرآن اور حدیث کی طرف متوجہ ہو اور مذکورہ عقائد کی تصدیق اور ماثورہ احکام کی تعمیل اور پسندیدہ اخلاق کی تحصیل اور سیاسیات اور معاملات مقصودہ کے قائم کرنے میں نہایت کوشش کرے اور کتاب اور سنت سے شارع کا مقصود اور ہدایت اور سعادت کی بنیاد یہی ہے اور شارع علیہ السلام نے واضح بیان کے ساتھ اس کی تفصیل فرمائی ہے اور اس کے مبادی حاصل کرنے کے طریقوں کو کمال قدر سے مضبوط کیا ہے۔ دوم آنکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بلاغت کے طریقوں اور عقائد حقہ کی دلیلوں اور احکام منصوبہ کی حکمتوں اور اخلاق محمودہ کے پیدا ہونے کی وجہوں اور معاملات اور قوانین حدیثیہ کے نفعوں پر واقفیت کو اپنے دھیان میں رکھ کر اور ان کو اپنے ارادے کا قبلہ بنا کر قرآن پاک اور حدیث شریف میں غور کرے اور اس طرح سے غور کرنا شارع علیہ السلام کا بالذات مقصود نہیں۔ اسی واسطے اس کی تصریح نہیں فرمائی اور اس کے حاصل کرنے کے مبادی اور اس کی تکمیل کے طریقوں کو بیان نہیں کیا۔ مثلاً علوم صرف و نحو و فنون و بدیع و غیرہ فنون عربیہ کی تفصیل اور منطق اور فلسفہ اولیٰ و مناظر کے استدلالیہ مسائل کی بنیاد اور قوانین اجتہادیہ کے مباحث قیاس اور تعیین علل اور مسائل ترجیح اور قواعد جدل اور انسان کی باطنی قوتوں کی تشریح اور حکمت عملیہ کے اصول کی تلیح کے بارہ میں شارع سے کچھ بھی منقول نہیں۔ بلکہ جو کچھ جناب سے منقول ہے وہ فقط قرآن و حدیث ہے اور حجت اور دلیل اور تلوار اور نیزے کے ساتھ آپ کی دعوت انہی دو چیزوں کی طرف تھی اور ان دونوں چیزوں کی اشاعت میں آپ نے کس قدر تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں؟۔ ہاں علم



قرآن مجید اور حدیث شریف کی تحصیل کے بعد یہ نازک اور باریک علم بعض لوگوں کے واسطے اکسیر عظیم کا حکم رکھتے ہیں کہ ان کے نفسوں کو امارت اور وراثت النبوت کا منصب بخشنے میں اور اسی واسطے جب یہ قرآن عظیم و حدیث نبوی کریم حد تو اترا اور شہرت کو پہنچ گئے اور ہر خاص و عام نے اپنے حصے کے موافق اس سے کامیابی حاصل کر لی اور ان دونوں کی تسلیم نے تمام اہل اسلام کے دلوں میں اولیات کی تسلیم کا رنگ پکڑ لیا تو فنون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم کلام کے دانائوں اور تہذیب اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوشش سے وہ باریک علم ظاہر ہوئے اور ان بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے علماء اُمّی کا بنیاء یعنی اسرائیل۔

کے زمرے میں جگہ ملی ہے اور ان کے پیروان بحثوں کی تطویل میں نیک کوششیں بجا لائے یہاں تک کہ اتنے لمبے پوڑے باریک علم پیدا ہو گئے اور ان بزرگوں کے اس برکت والے زمانے کے گزرنے کے بعد بے معنی مقلدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس میں حب جاہ اور طلب ریاست طبعی طور پر بھری ہوئی تھی۔ پس انہوں نے اسی گفتگو اور جھگڑے کو بزرگی اور کمال سمجھ کر قرآن مجید اور حدیث شریف کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام عمر کو ایسے ہی فضول امور کے حاصل کرنے میں ضائع کر دیا اور فلسفہ اور اعتزال کا رستہ اختیار کر کے اس فانی جہاں سے افسوس اور لیشیمانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کیا اور آخر کار انہوں نے اپنی تنگ قبر میں ناکامی اور گورے کے سوا اپنا غم خوار کسی کو نہ پایا۔ قُلْ صَلِّ اَنْتُمْ كَمَا

۱۲ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں ۱۳ تے تو کہہ ہم بتادیں گے تم کو کن کے کیے بہت امارت جن کی ڈور بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں خوب بناتے ہیں کام ۱۲ منہ



قُلْ هَذَا نَذِيرٌ لَكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالَهُ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أَعَاذَنَا اللَّهُ وَ  
جَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ حَالِ أَوْلِيائِكَ الْجَاهِلِينَ .

## باب دوم

بدلتوں سے بچنے اور عبادات کے ادا کرنے کے ڈھنگ اور برے  
خصلتوں کو چھوڑنے اور عمدہ خصلتوں سے نسبت حاصل کرنے  
کے بیانیوں اور اس میں ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک  
خاتمہ کے

### مقدمہ

اور اس میں ایک افادہ کے

### افادہ

جو اذکار اور شغل اور مراقبے اور مقام کے اولیائے کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں  
اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہیں اذکار  
اور اشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہِ الہی سے  
پے درپے اولیاءِ عظام کے بارہ میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں ان کی بو بھی  
نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مرتب نہیں ہوتے۔ ہر حنیف عنایت اور برکات اللہ  
تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کے ظہور میں تمام اہل کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں لیکن

۱۔ خدا تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان جاہلوں کے حال سے پناہ دے ۱۲ منہ



ہر ایک کے حسب حال اس کا ظہور بھی چاہیئے اور ان آثار کی عدم موجودگی کی صورت میں اس امر کی جستجو اور تلاش کرنی ضروری ہے جو ان سے مانع ہو تاکہ اس کے دور کرنے کی تدبیر کی جاوے اور حقیقی مطلوب حاصل ہو جائے اور اکثر لوگوں میں بدعتوں کا اختیار کرنا اور برے اخلاق سے آلودہ ہو جانا اور شارع کے مقصود کے موافق ادا کرنے سے بے پروائی کرنا اور ان کے شرعی عملوں میں عبادات کے محل چیزوں کا آجانا عبادتوں کے ان آثار کے ظہور کا مانع ہے لہذا اس باب کو چار فصلوں پر بانٹنا ضروری ہوا۔

### پہلی فصل

بدعتوں سے پرہیز کرنے کے بیان میں اور اس میں تین ہدایتیں ہیں۔

#### پہلی ہدایت

ان بدعتوں کے بیان میں جو صوفیاء کیا اور قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ تشبہ پیدا کرنے والے صوفی شعار ملحدوں اور مشرکوں کے میل جول کے سبب سے عوام اہل اسلام میں پھیل گئی اور اس ہدایت میں دو تمہیدیں اور چھ افادے ہیں۔

#### پہلی تمہید

جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے۔ کافر اور مومن اور مبتدع اور تابع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اس کی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کافر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اس کے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے۔ ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے پس انسان دو چیزوں کے ساتھ کامل ہو جاتا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد



وہ مجمل معرفت نہیں کہ ہر کس و ناکس اس سے ہا خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف میں بزرگ تر ہے۔ تمام زندوں سے اس کی زندگی بہت بزرگ اور تمام اہل علم کے علموں سے اس کا علم بڑھ کر ہے اور اسی پر اور اوصاف کو بھی قیاس کر لو کیوں کہ اگرچہ یہ معرفت بھی فائدہ سے خالی نہیں لیکن اتنی ہی معرفت کمال کا موجب ہوتی تو ناقص آدمی تو عنقا ہی ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی حیثیت کا جاننا اس طرح بھی مراد نہیں کہ انسان کی قوت مدد کہ بالکل اس کا احاطہ کر لے کیوں کہ یہ معنی ناممکن ہے۔ مثلاً اس کے رازق ہونے کی صفت کسی آدمی پر حسب طرح چاہے حاضر ہونے لگے تو کوئی آدمی بھی اس کے مبادی کی برداشت نہ کر سکے چہ جائے کہ اس کی انتہا کو پہنچ جائے۔ اگر انسانی کمال میں یہ معرفت مقصود ہوتی تو کامل انسان کا پایا جانا محال ہوتا پس اس جگہ معرفت سے وہ معرفت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے پیدا کرنے سے منظور و مطلوب ہے اور اس کو قرآن اور حدیث سے معلوم کر سکتے ہیں اور اسی معرفت کی وجہ سے بارگاہ الہی میں آدمی کے واسطے بڑی عزت اور بہت سارا اعتبار حاصل ہو جاتا ہے وہ معرفت مراد نہیں جو عزت اور اعتبار کے سوا حاصل ہو جیسے حکماء فلک اور کامل انسان اس عزت یا اعتبار کے باعث اس خدمت گار اور خواص کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے آقا کی نظر میں معزز اور معتبر ہو گیا ہو اور اس کی عزت اور اعتبار کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں مثلاً امانتیں اس کے سپرد ہوتی ہوں اور اسے بعض رعایا یا سپاہیوں یا محتاجوں یا سائلوں کے پاس ان کے پہنچانے کا حکم ہو اور اس کی بات محل اعتبار اور راستی کے مرتبہ پر پہنچے اور اس کی سفارش لوگوں کے حق میں قبول ہو۔ جب اس قسم کی عزت اور اعتبار معرفت ذات اور صفات کے ساتھ کسی آدمی میں جمع ہو جائے تو کامل انسان وہی ہے اور ان اوصاف کے باوجود کامل لوگوں کے مرتبوں میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے۔ ولایت کے ادنیٰ مرتبے سے حضرت خاتم النبیین



کے مرتبے تک تفاوت کو سمجھنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں سلوک کو سلوک کے اسی مقررہ طریقے میں منحصر نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کے بھی بہت سارے رستے ہیں جن میں یہ بھی ایک مقبول رستہ ہے اور اس رستہ کا دار و مدار نظامِ کتاب اور سنت کے ساتھ اس طریقہ والے کے اقوال اور افعال اور احوال کی مطابق ہوتا ہے۔

### دوسری تمہید

راہِ حق کے بڑے نخلِ اندازہ صوفی شعارِ ملیح ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں اور برے برے مبتدعِ شرک آمیز اشغال سیکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کلام لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں ان کے افعال اور اقوال کے موافق ان کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیئے جو قتل کر نیکی قابل ہو اس کو قتل کیا جائے اور جو تعزیر اور تنبیہ کے لائق ہو اس کو تعزیر اور تنبیہ کی جائے اور اگر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کر سکیں تو ان سے سخت بیزاری میں اور ہرگز ان کی ملاقات نہ کریں اور ان کے سامنے جانے کو برا جانیں اور اگر ان میں سے کبھی کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات کر لیں پھر اگر اس کو ہدایت ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو اس کے پاس جانے سے باز رہیں کیوں کہ بری صحبت سے بچنا بھی اللہ جلّ شانہ کے طالب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے۔

نخست موعظت پر صحبت این حرف است،  
کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنند

### پہلا افادہ

الشّر عن زہل اور اس کے شعائر کے حق میں بے ادبانہ کلمات کا نکل جانا بھی صوفی شعارِ محدود کی ان بدعات میں سے ہے جو عوام اہل زبان میں پھیل گئے ہیں بلکہ بعض مقبول آدمی بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پس حق طلب کو چاہیئے کہ ایسے



کلمات کے سننے سے پرہیز کرے اور اگرچہ ان کے کہنے والے کے حق میں نیک گمان بھی خود مہرگز نہ کہے کیوں کہ بے ادبی کا ثمرہ نیک نہیں اور اگر کسی سے ہو بھی جائے تو پیروی کے لائق نہیں بیٹے :

سہ حافظ علم و ادب ڈب و رز کہ در مجلس شاہ !!

ہرگز انیسٹ ادب لائق صحبت بنود !!

مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے ایک کوڑی سے خدا کو خریدا ہے یعنی کسی وقت ایک کوڑی کا پانی مقبول ہو گیا اور اس کے معرفت کے دروازے کھلنے کا سبب ہوا۔ پس اس نے اس مدعا کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہر چند مراد ٹھیک ہے لیکن تعبیر بیجا ہے۔ اگر یوں کہتا کہ میں ایک کوڑی دے کر اس کے بندوں میں داخل ہوا تو بہتر ہوتا اسی طرح مؤدبانہ صحیح تعبیریں کرے اور بے ادبی سے بہت دور رہے اور اپنے آپ کو غلاموں میں سے ایک غلام بلکہ بے پروا عالی جاہ بڑی عنایتوں والے نہایت مہربانیوں والے، سخت گرفت والے جلدی بدلہ لینے والے بادشاہ کے کترین بندوں سے جانے اور ہمیشہ ہر حرکت اور سکون میں ڈرتا اور کا پنتا رہے۔ اگرچہ عجیب حالتیں وارد ہو کر بے ادبانہ کلموں کے صادر ہونے کا تقاضا کریں

## دوسرا افادہ

توحید و جود الحادی کی گفتگو و جود یہ ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اور خاص لوگوں میں مشہور ہو کر طریقت کے بڑے پیشواؤں کے اقوال سے مشابہ ہو گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کے گمان پر نفسانی لذتیں حاصل کرتے ہیں اور شیطان اور خبیث نفسوں کے مکر اور فریب سے اس گفتگو کو معارف اور حقائق گمان کرتے ہیں اور ان اقوال کے نقصان سے چھوٹا نقصان یہ ہے کہ اپنے عزیز وقتوں کو محض بیفائدہ کام میں خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے پیشوا یعنی حضرت پھل



مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کا نہیں فرمایا اور اس کو بیان بھی نہیں کیا پس ہم کو اس سے کیا فائدہ۔ اگر نماز اور روزے کی طرح یہ کام ہمارے کارآمد ہوتا تو آپ ہمیں اس پر آگاہ فرماتے **حَرِّمُوا عَلَيْنَا مَا لَمْ يَنْهِنَّا عَنْهُ**۔

آپ کی شان ہے پس اس سے خاموش رہنا ہمارے حق میں بہتر ہے اور ہماری کوئی غرض بھی اس سے متعلق نہیں اور چونکہ اس گفتگو کا رواج ہو چکا ہے۔ لوگ اسکے واقعی اور غیر واقعی ہونے کے بارے میں استفسار کرتے ہیں۔ پس اتنا جاننا چاہیے کہ یہ مخلوقات عین خدا نہیں اگرچہ ان کا قیوم اسی کی پاک ذات ہے پس اس کی تمثیل صفات سے کرنی چاہیے کہ جس طرح صفتیں نہ خدا کا عین اور نہ ان کا غیر بلکہ اس کے ساتھ قائم ہیں اسی طرح باقی مخلوقات بھی نہ صفات کا عین ہیں نہ غیر بلکہ ان صفات کا مظہر ہیں پس اگر صفات اگرچہ بذات خود مظاہر سے مستغنی ہیں حکمت الہیہ کے تقاضا سے باوجود استغناء کے مختلف مظاہر یعنی مخلوقات میں ظاہر ہوئی ہیں اور طرفیت کے بزرگوں نے یہی معنی اس کا مراد لیا ہے جسے اس وقت کے محدوں نے اسکے مقصود کے برخلاف عمل کر کے تحریف اور دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ پس اس قدر جاننے سے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اوقات کو اس گفتگو میں صرف کرنا محض بے فائدہ ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمالات سے محرومی کا باعث ہے۔

### تفسیر افادہ

تقدیر کے مسئلہ میں قبیل و قال اور بحث و جدال کرنا بھی صوفی شعار محدوں کی ان بدعات سے ہے جو عوام اہل اسلام میں مشہور ہو گئی ہیں جاننا چاہیے کہ ایمان بالقدر اسلام کے بڑے عقیدوں اور شریعت کے مؤکدہ واجبوں سے ہے اور چونکہ سرسری نظر میں تقدیر کا مسئلہ تکلیف کی بحث سے تعارض رکھتا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام



نے اس باریک مسئلہ میں تعمق کرنے اور اس گہری بحث میں غوص کرنے سے سخت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ پس لاچار کا نام اہل اسلام پر بھی واجب ہے کہ اس کے اجمالی ایمان پر اکتفاء کریں اور اس گہرے موجزن دریا یعنی اس مسئلہ کی تفصیل اور تشریح میں نہ گھسیں لیکن ان دنوں میں تقدیر کے منکر رافضیوں اور تکلیف کے منکر ملحدوں کے میل جول کی وجہ سے جنہوں نے تشریح کو تکلیف کے معارض سمجھا ہے اور تقدیر کے مسئلہ سے تمسک کر کے شرعی مسائل کے باطل کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں ناچار حکم الضم و کرات تینم الماحظورات اس مسئلہ کی تحقیق میں کچھ اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے فقط اسی اجمالی ایمان کا اہتمام اس کتاب میں مقصود ہے اور غافل مومنوں کے گمراہ کرنے والے شیطان رافضیوں اور ملحدوں کی پیروی سے بچانے کے واسطے اس کی تفصیل کی گئی ہے پس میں کہتا ہوں کہ تمام بندوں کے افعال اور اقوال اور ان کی حرکتیں اور سکون اور ان کے علم اور ارادے اور ان کی بھلی اور بری صفتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ہاں بعض بندوں میں بعض فعل اور بعض اور بندوں میں اور فعل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان کے پیدا کرنے اور ابو جہل کے دل میں کفر پیدا کرنے کی تخصیص میں ایک نختی حکمت ہے کہ اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی بھی تشریح اور تفصیل کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اتنا معلوم ہے کہ ازلی استعدادوں کی تفاوت کا لحاظ ہی وہ حکمت ہے اور استعدادات ازلیہ کے اختلاف کے سمجھنے کے لئے یہ تمثیل ہے کہ ایک بڑا عظیم الشان درخت ہے جس میں ہزار قسم کی لکڑی موجود ہے۔ بعض ان میں جلانے کے قابل ہیں ان میں بھی بس حد تفاوت ہے مثلاً بعض تو درخت کے

لے ضرورت میں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں :-



کاٹنے کے وقت اپنے ہلکے ہلکے بیکار ٹکڑے رہیں گے جو آگ جلانے کے ابتداء میں کام آتے ہیں بلکہ پہلے پہل ان کے سوا آگ سلگتی ہی نہیں اور کچھ ان میں سے ایسی سخت گرہیں رہیں گی جو آگ کے شعلوں کے بہت تیز ہونے کے وقت ڈالی جانی چاہئیں تاکہ اس تیز آگ میں جل سکیں اور کچھ ٹکڑیاں ایسی نکلیں گی جو عمارت کے کام آتی ہیں کوئی ستون بنے گا اور کوئی شہتیر اور کسی کے تختے

فرق ہوتا ہے کیوں کہ کچھ تختے تو خاص شاہی خلوت خانے کی چھت کے لائق ہیں اور کچھ تختے قیدیوں کے پاخانے میں قدم رکھنے کی جگہ کام آتے ہیں اور ایک تختی تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی حق پرست کامل کے ہاتھ سے کلام الہی کے حرفوں کے لکھنے کیلئے بنائی گئی ہے اور ایک ایسی تختی ہوتی ہے کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے پامال ہوتے رہتے ہیں اور اسی طرح استعدادوں کے اختلاف کی مثالیں جو بے شمار ہیں نوع انسان کے افراد میں سمجھ لینی چاہئے اور اسی تمثیل کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی قدس سرہ نے عمدہ اور مختصر عبارت میں ادا فرمایا ہے (اور وہ یہ ہے) آہ آہ ازین تفاوت راہ دو آہن پارہ از یک جائے گا یکے ہم ستوراں و دیگر آئینہ شاہ یعنی یہ تفاوت مدارج حیرت و تعجب کا مقام ہے۔ ایک ہی کان سے نکلے ہوئے کوئے کے دو ٹکڑے ہیں ایک چار پالیوں کا نعل بنا اور دوسرا بادشاہ کا آئینہ، اصل پیدائش میں صلاح اور فساد میں ساری استعدادوں کا برابر کرنا یا پیدا کرنے کے بعد ہر فاسد استعداد کا سنوارنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے نہایت ہی آسان امر اور سہل کام ہے لیکن اصل پیدائشی صلاح اور فساد میں استعدادوں کی تفاوت اور بعض فاسد استعدادوں کی اصلاح اور بعض کو ازلی فساد پر ہی رکھنا حکمت خداوندی کا مقتضا ہے تاکہ کارخانہ ہائے خداوندی جن سے مراد جمع صفات کمال کی جامعیت ہے اور عظیم الشان کارخانے ظاہر ہوں اول عفو کا کارخانہ ہے



اس لئے کہ اگر اصل پیدائش میں ساری استعدادیں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ محض اپنی مہربانی کے ساتھ کسی فاسد استعداد کی اصلاح نہ فرماتا تو عفو اور حلم ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور دوسرا کارخانہ حکومت کا ہے جس سے فرماں برداروں کو انعام دینا اور بے فرماؤں کو عذاب کرنا مراد ہے پس اگر ساری استعدادیں اصل پیدائش کی رو سے صلاح اور فساد میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ ساری فاسد استعدادیں کو سنوار دیتا تو البتہ حکومت کی صفت اپنی دونوں وجہوں تغذیب اور تنہیم پر ظاہر نہ ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ بادشاہی کا کارخانہ جیل خانے اور قیدیوں اور جاگیروں، اور جاگیرداروں کے سوا اپنے کمال پر نہیں ہو سکتا اور اگر چہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال اور اس مطلق بے پرواہ کی کامل صفتیں بذات خود ظہور سے مستغنی اور مظاہر سے پاک ہیں اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفِيْرٌۢ بِعِبَادِهِۦ الْعَالَمِيْنَ لیکن جس طرح ہر صاحب کمال کا کمال اپنے ظہور کو چاہتا ہے اور ان کمالات کا ظاہر ہونا اس کمال والے کو خوشی پہنچاتا ہے۔ اگر چہ وہ صاحب کمال اپنے کمال میں اس کے آثار کے ظاہر ہونے سے بے پرواہ ہوتا ہے جیسے عمدہ لکھنے والا کاتب اگر چہ بالفعل نقش بنانا اس کے کمالات میں شمار نہیں ہوتا بلکہ اس کا کمال تو وہی کتابت کا ملکہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے نفس میں موجود رہتا ہے لیکن کتابت کا ملکہ عمدہ نقشوں کے صادر ہونے کے باعث نہایت ہی خوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ جل شانہ کی ازلی صفتیں مظاہر سے مستغنی ہونے کے باوجود ظاہر ہونے کا تقاضا کرتی ہیں اور حق جل و علا کو رنگارنگ مظاہر کے پائے جانے اور طرح طرح کے آثار کے ظاہر ہونے سے اپنے کمالات

بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے



پر نہایت خوشی ثابت ہوتی ہے اور اس تقریب سے وہ شبہ جو اکثر عوام کے دلوں میں گذرتا تھا دفع ہو گیا۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ اکثر عوام کو سرسری نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ داریں میں تمام بندوں کو برابر کیوں پیدا نہیں کیا تاکہ تمام آدمی معاش اور معاد کے امر میں نعمت اور خوشی میں گزارتے یا سارے فاسد استعدادوں کی اصلاح کیوں نہیں فرمائی کیوں کہ یہ اصلاح ان کے حق میں بخشش اور مہربانی ہے اور اللہ پاک کی قدرت اور بخشش بے انتہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ساری کمال کی صفتوں کا جامع کہ بادشاہت بھی ان میں سے ایک صفت ہے اور بادشاہت کی ایک شاخ بڑا وسیع کا رخا نہ ہے جو بے فرمانوں اور منکروں کو سزا اور عذاب دینے پر مشتمل ہے پس اگر یہ شاخ ظاہر نہ ہوتی تو بے شک مملکت کا امر اپنے کمال کو نہ پہنچتا۔

در کارخانہ عقل از کفر ناگزیر است ۴ دوزخ کر بسوز دگر بولہب نباشد

اس جگہ ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ اوجب افعال اور اقوال کا مدار ان کی استعدادوں پر ہے اور ان کی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس کس کس کافروں اور ضدی نافرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے کیوں کہ حقیقت میں وہ لوگ بے اختیار اور مجبور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عز و جل نے دو طرح کی مخلوقات پیدا کی ہے ایک قسم تو وہ کہ اس میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ کہ اس میں یہ دونوں صفتیں امانت رکھی ہیں جیسے جن اور آدمی۔ پس جن میں علم رکھا گیا ہے وہ اپنی ذات اور صفات اور اعضاء اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کر سکتے ہیں تو البتہ ان مذکورہ امور کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً یہ جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل ان کے ارادے کے ذریعے صادر ہوتے ہیں



گو ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے ظاہر ہوئے ہیں اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی مانند ایمان کی طرف قرآن مجید سے صراحتاً ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے قبول کیئے ہیں اس حکم کو بھی قبول کریں اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور اسی بات کا جان لینا کہ یہ کلام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے منرا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے کے لئے کافی ہے لیکن یہ بات کہ ادنیٰ کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس کے ارادے کو ان اقوال اور افعال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام امر ازلی استعدادوں کے آثار کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کی تفاوت کا سبب آغاز کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہو گیا کہ

ہر کیے را بہر کار سے ساختند میل اور دردش انداختند

پس پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور دعوت کے ظاہر کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں کوشش کرنا اور جہاد اور حدود کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے پس میں جواب دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلا واسطہ اللہ عزوجل کی پیدا کی ہوئی ہے لیکن اس حکیم مطلق نے اپنی غالب حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا ہے اور مسببات اور اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اس کی روشنی اگرچہ دونوں بلا واسطہ اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اس خداوند کریم نے ایک خاص ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوند کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور روشنی کو مسبب کہتے ہیں پس یہی قیاس کرنا چاہیے کہ اگرچہ



جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا جوڑا اسی مطلق حکیم نے اپنی حکمت کے مقتضائے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ چیزوں کے ارادہ کے درمیان اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے مذکورۃ القدر امور کے درمیان سببیت کا علاقہ مضبوط کر دیا ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرماں بردار لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کا ارادہ جن کی بجا آوری کا حکم کیا گیا ہے ہدایت کرنے والوں کی ہدایت اور سکھانے والوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے یا بت پرستی یا زنا کرنے اور شراب پینے کا ارادہ بہاد کرنے اور حد لگانے کے خوف سے ناپود ہو گیا ہے اور یہ بھی جانا چاہیے کہ تمام افعال اور اقوال اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی جاسکتی اس واسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بدآدمی اپنی بدی سے انکار کر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کو اپنے برابر جانے اور اپنی سزا اور نیکی کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز عدل اور حکمت اور مروت کے ساتھ متصرف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے خواہ وہ یقینی ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے۔ اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیع کو جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ بڑا بہادر ہے اور کسی میدان جنگ میں تصور نہ کرے گا اور کوشش اور جوانمردی کی داد دے گا لیکن میدان جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اس کو ایسا انعام نہ دے گا جس سے اس کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو اور اس کی ضد کی مثال میں اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص بھڑیے کے بچے کو پالتا ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اسے پھاڑ ڈالنا اس کی طبعی عادت ہے مگر اس کے اثر کے ظاہر ہونے کے سوا اس شخص کا غضب جو شش نہ مارے گا اور وہ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کرے گا اور جو نہی کسی انسان پر اس نے حملہ کیا اس قدر



غصے ہو گا کہ قتل کے سوا کوئی اور سزا اس کے واسطے تجویز نہ کرے گا اور اس کے مژدنے کے بغیر اس کی تسلی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہی تشبیہات میں سے سمجھنا چاہیے اگرچہ اس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ ازلی استعدادیں معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اس کی رحمت کا دریا جوش زن نہیں ہوتا

تانا گردید کو د کے حلوہ فروش بخرخشش نمی آید بخرخشش

### چوتھا اضافہ

مرشد کی تعظیم میں اس قدر افراط کرنا کہ جس سے اس کے خدایا بنی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو صوفی شعائر مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ اس امر کی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہیے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ بے شک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** **وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو اور اس کے رستے میں جہاد کرو شاید کہ تم نجات پاؤ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقوایے اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک اس کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کے لئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے۔ اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کم یاب ہیں پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہئے



جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو۔ اور متابعت قرآن اور حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم ہے ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن ایسا نہ چاہیے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا شرع شریف کو جانے اور بالا صالحہ خدا اور رسول کا تابع ہو اور جو چیز شرع شریف کی رو سے مرشد فرمائے اسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو اس حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کر دے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے طَاعَةَ مَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ دے اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضا مندی سے زیادہ عزیز نہ نہ جانے اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ تمام دنیا سے ہزار بار درجہ بہتر ہے اور اس حد تک پیر کی محبت منح ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کو اس کی محبت کے پہلو میں گوارا کر لے کیوں کہ یہ بات الشرحلے مشافرا کے دربار سے دور ہونے کا باعث ہے تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس حق کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اس جہل شانہ سے مجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کر لینے کے بعد کسی طالب حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہو جائے پس اس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے اور اگر وہ



کام فساد عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اس کو بلا میں مبتلا جان کر اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوششیں بجالائے۔

## پانچواں اضافہ

اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ لکن چہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قلیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قلیح کاموں کو بھی انہیں امور مذکورہ پر قیاس کر سکیں۔ دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی دکھ اور تکلیفیں جھیل کر اولیاء اللہ قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگر چہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کی غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور شکل احرام اور محرمین کی صورت سن کر بعینہ اسی طرح یا ان کے مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بد انجام معاف اس سفر میں اور ان کے متعلقین گھروں میں کئی ایک واہیات قیدیوں کا التزام کرتے ہیں۔ القصہ اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مومنوں کو اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے پس سب خواص اور عوام کو چاہیے کہ ضرور اس امر سے اعراض کر کے بالکل اس کو بھلا دیں اور منجملہ ان بدعات کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہو جانا تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دل میں سے ان خاص لوگوں کا حال بیان کرنا



منظور ہے جو باطنی فیض کے حاصل کرنے کے ارادہ پر دور کی قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہیں پس جا چاہیے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کیلئے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے درست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہاں میں زندوں کو بہت کم ملتا کرتے ہیں۔ اس بناء پر ان کو زندہ کہنا چاہیے لیکن اس جہاں کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہاں کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت ہوتی ہے اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو سارا جہاں مدینہ منورہ کو چلا جاتا ہے اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا ہے پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادت اللہ اسی طرز پر جاری ہے کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کیے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے مشکل کے حل ہو جانے کا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ کرنا چاہیے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں حل مشکلات کے لئے کلید ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَتَرَكْتُ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ وَعِيْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ ... یعنی میں تمہارے درمیان قرآن اور اپنی اولاد بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑ رہے ہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ يَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِيْ ... یعنی میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان



دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچانا اگرچہ دشوار ہے " کیوں کہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہو گا جس کے اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں۔۔۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے بزرگوں کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریتِ اہم کی مانند نادر اور کم یاب ہے " لیکن قرآن مجید جو نجات کے لئے بہترین ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی اس لئے کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر ان کی قوت اور طاقت ہو بھی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے غیر ہیں شیطان کی دھوکہ دہی کا مقام ہے اور چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان ان کی آوازیں صورت کی نقل کر کے خلافت شرع کا حکم کرے اور یہ بے خبر بے چارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے دل و جان کے ساتھ قبول کر کے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اس سے چشم پوشی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت اور آواز کے پہچاننے والے کے لئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو اسے سیدھے راستے پر پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت کے بدلنے اور توجہ اور کیفیتوں کے وقت صرف آواز یا دل میں القاء ہی کافی ہے اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے سفر کیوں برے ہیں۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ نہیں ہے بلکہ یہ راستہ چوروں اور ڈاکوؤں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد ہونے اور کسبِ سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے



کا مقام ہے اور قبروں پر چراغوں کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انہی بدعات میں سے ہے یہ کام بے شک حرام ہے اور صحیح حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذ اللہ اس کو لیلۃ القدر اور شب برات کے انوار کے ظہور کے وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ چوراہے اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کے وقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہوتا تو صاف کافر ہو جاتے ہیں اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیوں کہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادت سمجھا حالانکہ حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائے کہ اس کو عبادت جانے۔

### مھیٹا افادہ

اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پر ادا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کٹی طرح کی بدتیں اس میں پیدا ہو جائیں۔ صوفی شعائر مشرکوں کی ان بدعات میں سے جو اہل اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگر بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنوں اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور ان کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہو گئی اور ان کی تجدید اور تجدید ہو گئی اور سرکہ آمد براں مزید کرد والے قاعدے کو دستور العمل ٹھہرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا اور وہ خبیث اور ناپاک فرورع جو لوگوں کی تراش خراش سے پیدا ہو گئی تھیں ظاہر اور رائج ہو گئیں اور وہ فرورع اپنی اپنی خیانت میں متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنیٰ رسم اور عادت کی تقلید اور



اور یہاں تک اس کا التزام کرنا ہے کہ اس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور جن امور جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے۔ نماز کے بعد داہنے طرف سے منہ پھرنے کے التزام کا منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے اس لئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف پھرنا چاہئے شیطان کا حصہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ کاموں اور ان کے التزام کی تعبیر نصیب شیطان سے بری کرتی چاہئے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سید احمد کبیر قدس اللہ سرہ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے

## پہلی سبیل

جو کہ عمدہ اور بہتر ہے یہ ہے کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو۔ مثلاً باپ بیٹا ہونے کا علاقہ خواہ یہ ابوت اور نبوت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے جو شخص کہ عبادت کرتا ہے اس کے ہر قسم کے اباؤ کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جس قدر کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا حق جو کہ سب حقوق سے بڑھ کر ہے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور مرشدوں، اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں کا حق اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں بندگی کے انہی نیک عملوں سے محض اس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



کی اطاعت اور تبعیت اور باقی اہل حقوق کے سامنے رشد اور سعادت مندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو کہ احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے۔ اور ان کے ناواقفوں سے پوشیدہ اور

چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کہ رواجی طور پر فاتح اور ایصال ثواب نہ کرے۔ بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہل حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر فاتح اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور اہل حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام اور مومنوں اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گزر چکے ہیں معاذ اللہ اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیل خالق الارض والسماء حضرت ابراہیمؑ کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہی حرف دل میں کھٹکتا ہے معاذ اللہ من ذلک ثم معاذ اللہ من ذلک۔ پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فاتح خوانی کی یہ رسمیں دین منین کے لوازم اور ارکان سے زائد ہیں اور ایمان کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنی اجمالی طور پر سب لوگوں کے مرکوز خاطر ہے لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکو کار سے اس رسم کے ترک ہو جانے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستعد ہو کر اس کامل صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفقداً دل میں جانشین کر کے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد کرنا چاہیے :

### دوسری سبیل

دوسری سبیل یہ ہے کہ زندہ ایسے کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر اور مشہور طریقہ دغا نہیں ہے۔ اس میں



سے ایک صورت یعنی نماز جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کے سوا اور۔۔۔ وقتوں میں عام یا خاص طور پر دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بے شک یہ مستحب اور مسنون ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر ان کا معلوم کرنا حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی ایک کارآمد و دقیقہ سن لینا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے کئی مرتبے ہیں اور ان میں افراط و تفریط ہو جایا کرتی ہے۔ اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہر حال افضل ہے پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا ان سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں اگر اسی طرح کی جائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب برأت میں کسی کو اطلاع دینے اور جتانے کے بغیر یقین میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جا کر دعا کرنی چاہیے۔ چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برأت کو صلحاء کا مجمع کر کے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کر لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے باعث اسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس قدر سمجھنا چاہیے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بن جائے گا اور اس میں حقیقت کاربائی نہ رہے گی اور اس بیان کے لیے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعا کے سوا اور صورتیں پس ان میں سے ایک تو کنواں کھودنا مروی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف

لما افراط زیادتی تفریط کی ۱۲ منہ



میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور بول نہیں سکی۔ اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی پس اب اگر میں اس کے واسطے کچھ کر دوں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا۔ اپنے جواب دیا کہ کنواں کھودو اور کہو کہ یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے دم جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جا کر سورۃ یسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد غلام آزاد کیئے اور باقی عبادتوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہئے۔ پس جو عبارت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کی روح کو پہنچائے اور جناب الہی میں دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہنچا رہا ہے اگر اس کے حقداروں میں سے ہے اس کے حق کے برابر اس ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور اس کی وضعوں اور کھانے والوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں بلکہ بفقوئے ظلمات بعصمہا فوقاً بعض قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التبرام مالا یلزم کی قسم سے ہے جس کا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیاوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کے لئے یا ہم چشموں کے سامنے نعت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا

۱۱ بعض اندھیرے بعض سے دو بھر ہیں یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم



ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عمل صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے ان لوگوں کا حال اور ان رسموں کو چھوڑنے والے صالح کامل کا حال اس زمانے میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے اور بخارا کی سلطنت بیخ کن کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوئی۔ اس مثال اور مثل لڑکے کے فرق کو شریعت اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل کی واردات کی بحث کر کے امر حق ڈھونڈ کر رسموں کے التزام سے تائب ہو جانا چاہیے <sup>۱</sup> رَزَقْنَا اللّٰهُ التَّوْبَةَ وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ كُلِّ الْمَكَرِ وَهَاتِ

اور جو آداب کہ طعام فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجالاتے ہیں۔ یہ بھی فاسد خیالوں کا اتباع ہے کیوں کہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحب فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا پس وہ آداب کیوں کرنے چاہئیں کہ صاحب فاتحہ کی بنسبت بھی ان کے جائز ہونے میں گفتگو تھی اور وہ طعام ان کے ملک بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ان کے ملک ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے کھلاتے بلکہ وہ طعام صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ان کی اولاد کے حوالے کرتے و علیٰ ہذا القیاس۔ اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحب فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اس طعام کو اس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اس نے اس طعام سے کھا لیا ہے

۱ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مومنوں کو سب سے پسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے



اور یہ ان کا پس خوردہ بن گیا ہے۔ پس یہ ساری باتیں ان کے فاسد گمان ہیں۔ ان پر ہرگز ان کا یقین نہیں اور اگر بالفرض والتقدیر ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہوتی ہم آداب طعام میں جو حد چاہئے اس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہندو کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اکثر اوقات وہ دالوں غلوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لئے قید لگانی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیل حلال اور حکیم حرام پیدا ہوتی ہے اور اہل جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت کے مقام میں اسی قسم کے قول ان سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَرَّتْ بِحَجَرٍ لَّا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ نَشَاءُ عِزًّا عَزِيزٌ يَعْنِي وَهِيَ كَقَوْلِهِمْ هِيَ كَقَوْلِهِمْ مَنْعُوعٌ هِيَ۔ اس سے کوئی شخص نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ اِلَّا نَعَامٌ خَالِصَةٌ لِّذٰلِكَ كُوْرًا وَمَحْرَمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَكُنْ مِثْنًا فَمِنْ شِرْكَاءٍ سَيَجْرِيْهِمْ وَصْفُهُمْ اِنَّهٗ خٰكِيْمٌ عَلِيْمٌ

اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپاؤں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیان کا بدلہ دے گا بے شک وہ صاحب حکمت اور صاحب علم ہے اور حجر کے معنی اچھی طرح سمجھ کر جاننا چاہئے کہ لفظ اچھوتا ہے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے ہر بھوکا اور محتاج طعام کا مصروف ہے ہاں پر ہینر گار غیر پر ہینر گار سے بہتر ہے۔ پس صحتک اور توشہ جو کھیلے لوگوں کے ساختہ پر واختہ ہیں اور روی ٹکروں کے مل جانے سے انہوں



نے دورانِ حق حقیقت پیدا کر لی ہے اور زمانہ حال کے بزرگ اور اکابر تہ بیت  
 اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں  
 کے عین مقابلہ کے وقت میں تخصیص کے ساتھ ظاہر ان کے برا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش  
 ہو جاتے ہیں۔ ان کے خاموش رہنے سے دھوکہ نہ کھا کر ان کے مٹانے میں کوشش  
 کرنی چاہیے کیوں کہ یہ قیدیں ہوتے ہوتے طبری خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا  
 کے خیال میں یہ قیدیں شرعی قیدوں سے ضروری ہو چکی ہیں۔ اس لئے کہ وہ ان کے التزام کو  
 اسلام اور ایمان کا جزو گمان کرتے ہیں اور ان کے تارک اور ان کی جڑ کو اکھاڑنے میں  
 کوشش کرنے والوں کو ایمان سے خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک  
 پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود کے برخلاف ہو کر واجب الترتک ہو جاتی ہے  
 اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فریضوں سے جدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے  
 یاد کر کے اس کو عمل میں لانا چاہیے۔ نذر اور نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام  
 وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں اور ان کے ذبح کرنے میں  
 غیر خدا جل شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کر کے حدیث شریف لَعْنًا لِلّٰہِ مَنْ  
 ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰہِ . . . کے مطابق ملعون ہوتے ہیں اور بقول اکثر علماء یہ لعنت کفر  
 کی وجہ سے ہے پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس وجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات  
 تو یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں کفر اور نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کو  
 ثواب پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں  
 کے لیے کیئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی ان کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا  
 اس کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں

۱۲ منہ لے جو شخص غیر اللہ کے لیے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے



اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے خدا تعالیٰ کے لیے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہے گا نہیں۔ غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہیں بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ . . . . . یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح ان سے پیار رکھتے ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت رکھتے ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر اللہ جل شانہ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ پس اس وقت میں حق اور ثواب کے طالب اور خدا اور رسول کی مرغیات کے متبع کے لیے یہی چارہ ہے کہ جس شخص کی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو تو طعام اور اس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اس وقت کے فقیروں اور مجتہدوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور دعا بھی کرے تو بہتر ہے۔

## دوسری ہدایت

ان بدعتوں کے بیان میں جو افضیوں کے میلے بولے گئے وہ جہاں سے عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور اس میں تین افادے ہیں:

### پہلا افادہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا افضیوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عام اہل سنت کے دلوں میں داخل ہو گئی ہیں۔ پس سنت کے متبع اور بدعت سے متفرق حق کے طالب کو چاہیے کہ اپنے تہ دل سے



اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یا رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کئے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہیے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے اور وجوہ تفصیل کو نہ ڈھونڈے کیوں کہ وجوہ تفصیل کو ڈھونڈنا دین کے واہجوں اور مستحجوں سے بھی نہیں۔ خاص کر عام مسلمانوں کے لئے تو اس تلاش کے پیچھے پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے لیکن اس زمانے کے خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور ہو جانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا جاتا ہے کہ خلافت سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت لطیف قرب ہے اور خلافت میں نسبت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں لیکن خلافت راشدہ نبویہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدم ہونا اس وجہ سے ہوا کہ صاحبان مناصب اور مراتب کی بھٹی اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کے ظاہر ہونے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں گے اور ان کا مرتبہ اور قرب زیادہ تھا۔ اس کی یہ مثال کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحب منصب متقدم کو صاحب منصب متاخر سے پہلے خلعت پہنایا جائے اگرچہ صاحب منصب متاخر کا قرب و ارتضاء اور وجاہت زیادہ ہو اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطیعت اور غوثیت اور ابدالیت اور ابھی جیسے باقی خدمات آپ کے زیادہ سے

۳۰ یہ مقدم ہوں بلکہ درجہ اولیٰ اور قرب کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ



لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی  
 بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں  
 پر مخفی نہیں اور البدعا لے کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور بادشاہت  
 اور حکومت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں بھی کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ ان میں سے بعض  
 بزرگوں نے اَعْلَى اللّٰهِ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْعَالَمِينَ اس میں بہت ساری کوششیں  
 کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اٹھائی ہیں اور  
 اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ پس قیامت کے  
 دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں سے اکثر بڑے بڑے شائفوں والے اور  
 عمدہ مرتبوں والے ہوں گے۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے  
 دکھائی دے گا کہ اس مقام کا تماشادیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا  
 باعث ہوگا اور بعض متصوفین کے لئے اس مقام کا ظاہر ہو جانا اور شیخین رضی اللہ عنہما  
 کے مقام کا پوشیدہ رہنا اس امر کا باعث ہو گیا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت  
 میں متردد ہو کر اہل سنت کے راسخ عقیدہ سے پھسل گئے ہیں ورنہ درحقیقت خلافت  
 کے انتظام کی وجہ سے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے جو شان حضرات شیخین رضی اللہ عنہما  
 کے لئے ثابت ہے اس بزرگی کے ساتھ اس کو فضیلت اور مساوات کی نسبت نہیں  
 بلکہ ان دونوں بزرگوں کے شان خلافت سے قطع نظر اس شرح صدر اور جوصلے  
 کی فراخی اور اخلاق اور تدبیر منترلی اور مدنی اور سیاست ملکی وغیرہ کی ہر باب  
 میں اعتدال کے قائم رکھنے کی وجہ سے جس کو تشبہ بالانبیاء کے ساتھ تعبیر کر سکتے  
 ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام فیماں برداروں پر اس مذکورہ بزرگی کی  
 بہ نسبت بہت ہی بلند ہے۔ ظاہر میں ان دو شخصوں کے مرتبوں کی باہمی نسبت  
 اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے۔ ایک تو وہ امیر کبیر ہے جو حقوق خدمت بجالا کر



امور سیاست سے فارغ ہو کر بادشاہ کا ملازم ہو گیا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو ابھی خدمت اور کارگزاری میں مشغول ہے۔ پس اگرچہ سرسری نظر میں تو اس امیر کبیر کی خدمات ملک سے مستعفی ہو کر بادشاہ کے حضور میں مصروفیت اور ملازمت بارگاہ سلطانی کی وجہ سے ظاہر حشمت اور شوکت اور فرماں برداروں کی کثرت اس مصاحب کی عزت اور وجاہت اس امیر اعظم سے بڑھ کر ہے کیوں کہ دراصل وہ امیر اپنی ساری شوکت اور وجاہت اور فرماں برداروں کے ہمراہ اس مصاحب کے فرماں برداروں سے ہے اس لئے کہ اس کا مشورہ بادشاہ کے تمام فرماں برداروں کے حق میں جاری ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ بارگاہ الہی کے مقبول تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے درجہ کے بلند کرنے کی طرف متوجہ تھی۔ اس واسطے وہ خلافت میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مقدم کیے گئے تاکہ ان کو بھی اپنے جیسے لوگوں کے قریب مرتبہ مل جائے۔

### دوسرا افادہ

اگرچہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امت مصطفویہ علیٰ امامہ الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت صحابہ کبار میں سے ہر ایک کے لئے فضیلت ثابت ہے لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین منین کے رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر افضلیت بے شک ثابت ہے لیکن جس طرح کہ اس فرزند پر اپنے باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم اور زہد میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا ہے۔ ان بزرگوں پر بھی صحابہ کی تعظیم واجب ہے حدیث شریف میں ہے

فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِيْهِمْ كَانَ  
كَمَنْ قَبَضَ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيْهِمْ أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالَ  
أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ .



یعنی تمہارے پیچھے صبر کے دن ہاں پس ان میں صبر کرنے والا جینگارے کو بکرنے والے کی مانند ہوگا۔ ان دنوں میں نیک عمل کرنے والے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر آپ نے فرمایا نہیں تم میں سے پچاس کا ثواب اس کو ملے گا۔

### تیسرا افادہ

ماہِ مجرم میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیرہ سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان کے ملک میں بھی مشہور ہو گئی ہیں پس ان کے احوال کا جاننا اس زمانہ کی ضروریات سے ہے تاکہ کامل ایماندار اس سے پرہیز کرے اور جو شخص پھر بھی اس کا مرتکب رہے اس کے لئے جہالت اور غفلت کا عذر باقی نہ رہے اور ان بدعتوں کی چند ظاہر صورتیں ہیں۔ اول قبروں اور مقبرہ اور علم اور شد و غیرہ کی نقل آمانا بھی بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ قبروں اور مقبرے کی شکل بنانا اور اس کی تعظیم کرنا اور حضرت امین علی جدہما و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نام رکھنے کی وجہ سے اس کو اصل قبر اور مقبرہ کے جا بجا جاننا بت پرست مشرکوں کے اطوار سے ہے۔ بت پرستی کی اصل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک شکل تراش کر اور ایک شخص کا نام اس پر رکھ کر جو معاملہ کی اصل سے کرنا چاہئے اس نقل کے ساتھ گھڑی ہوئی لکڑی یا پتھر سے عمل میں لائیں اور اس مقام میں اگر فی الواقع قبریں بھی ہوں۔ دعا اور سلام علیک کے سوا کچھ بھی مانو نہ ہیں اور اہل زمانہ جو کچھ تعزیوں کے ساتھ کرتے ہیں واقعی قبروں کے ساتھ بھی نہیں کرنا چاہئے چہ جائیکہ وہ قبریں بھی جعلی اور بناوٹی ہوں اور یہ بتدرج سجدہ اور طواف کی عبادت کر کے اپنے آپ کو صراحتہ



شکر کی سرحد تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور شدہ اور علم اور تعزیر جب سجود ہو جائیں تو سب بت پرستی کے معنی میں ہے پس طالبِ حق کو اس باطل امر کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اس کے دور کرنے میں نہایت کوشش کر کے جبر اور زور کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز نہ کرو۔ نہ جانے بلکہ بت شکنی کی طرح اس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے بدعتی جاہلوں نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے کیوں کہ ان افعال کے دور کرنے اور ان کے فاعلوں کی امانت کرنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی رضا مندی ہے اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا جانے اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے بہت ادنیٰ درجہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پاٹے اور ان پر قادر ہو جائے تو بلا امانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں ان کو توڑنے کا ارادہ کرے اور اگر تعزیر والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی امانت آمیز حرکت صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پرواہ نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم بڑھائے لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اس کو امانت کے ساتھ نہ توڑا۔ سو اس کا باعث یہ ہے کہ ان دنوں میں عرب کے جہال کو الفت دینا امور ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جہالت اور نادانی کے درجہ میں غرق تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امانت ان نادانوں کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بت کی امانت کو حضرت خلیل کے مذہب کی مخالفت پر عمل کر کے اس نبی وقت کی دعوت سے جو آپ کی متابعت کے مدعی



تھے قلندر ہو جاتے اور لغز یہ کا امر تو اس سے بالکل برخلاف ہے کیوں کہ وہ زمانہ تو  
 جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علوم حقہ کے قوا تر اور ہدایت کی شہرت کا  
 زمانہ ہے۔ دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پٹینا اور کپڑوں کا پھاڑنا اور پین  
 کرنا اور اپنی جلسی اور رسمیں ہیں پس یہ رسمیں مطلقاً حرام ہیں کسی کے مرجانے پر  
 ایسے کام جائز نہیں۔ تیسری صورت ایام مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں اس کی اصلیت  
 تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے مرجانے کی وجہ سے غم اور اندوہ کے ظاہر کرنے کے  
 لیے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے۔ اکثر اوقات بعض جاہل تو فرضوں اور واجہوں کو بھی  
 چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے لیکن مباح کا ترک کر دینا سو  
 وہ حلال زینت کا چھوڑ دینا ہے۔ جیسے مرد کنگھانہ کرے یا سفید اور عمدہ کپڑے نہ  
 پہنے یا آنکھوں میں سرمہ نہ لگاٹے یا نچو شیبو کو استعمال نہ کرے اور مزاج پر سی  
 نہ کرے و علیٰ ہذا القیاس اس کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح عورتیں اپنی زینت  
 چھوڑ دیں اور کسنب سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں اور ہندی نہ لگائیں اور اس کے  
 سوا اور اسباب زینت میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کریں۔ ہر میت کے مرنے  
 سے تین دن تک یہ سوگ مباح ہے۔ اگر نہ ہو تو بہتر ہے اور اگر کر لی جائے تو  
 کچھ گناہ نہیں اور اس سے زیادہ کی حرمت حدیث شریف میں صراحتہ موجود ہے  
 ہاں عورت کو اپنے خاوند کے مرجانے پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا فرض  
 ہے اگر نہ کرے تو گناہ گار ہوگی۔ اس کے سوا تمام سوگ حرام ہیں خواہ وہ کسی پیغمبر  
 پر ہوں یا صدیق پر یا شہید پر موت یا قتل یا شہادت کے دنوں میں ہو یا اور دنوں  
 میں۔ اس حکم میں کسی کی تخصیص نہیں پس جو شخص کہ محرم کے پہلے دس دنوں میں  
 اظہار مصیبت کے ارادے پر کسی مباح کو ترک کرے گناہ گار اور حرام کا مرتکب  
 ہوگا اور اگر اس قصد کے سوا ترک ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ مثلاً جو شخص



آنکھوں میں سرمہ لگانے کا عادی نہ ہو ان دنوں میں بھی اگر سرمہ نہ لگائے تو گناہگار نہیں اور جو شخص کہ اس کا عادی ہے اور صرف انہیں دنوں میں چھوڑ دے تو قصد مذکور کا قوی گمان ہے اور اسی قصد پر گناہ کا مدار ہے حاصل کلام مداریت پر ہے اور اپنی نیت کو پھر شخص بخوبی جانتا ہے۔ ایک مشتبه صورت باقی رہی اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی انہیں محرم کے دس دنوں میں مباحات کو ترک کر دیتا ہے لیکن سوگ کے ارادے پر ایسا نہیں کرتا بلکہ مبتدع لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچتا اس کی غرض ہے کہ اگر ان دنوں میں مباح کو نہ چھوڑے گا تو بدعتی لوگ اور عام اہل زمان اس پر طعن کریں گے اور اس کو اہل بیت کی عداوت اور بغض سے متہم کر کے طعن زنی کریں گے اور حقارت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں گے یا کوئی دنیوی نقصان پہنچائیں گے۔ اگرچہ اس ارادے سے مباح کا چھوڑنا حرام نہیں لیکن خلل سے خالی نہیں کیوں کہ یہ بھی ایک ایسے امر کا ارتکاب ہے جو ظاہر میں حرام معلوم ہوتا ہے اور اس سے بدعتیوں کی موافقت لازم آتی ہے اور اس کا یہ فعل جو ظاہراً منع ہے آئندہ نسلوں کے لیے محل اتباع رہے گا اور پچھلے لوگ اس کام کو حجت گردان کر اپنی پلیدی نیتیں اس کے ساتھ جوڑ لیں گے اور بدعتی لوگوں کی بدگوئی کا عذر مقبول نہیں۔ اللہ مبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ آوَلُوا الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا  
 آذَى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ غَرَمِ الْأُمُورِ یعنی اور ضرورت تم اپنے  
 سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے دکھ دینے والی بہت سی باتیں سناؤ گے اور اگر تم نے  
 صبر کیا اور پرہیزگار بنے تو بے شک یہ ہمت کے کاموں سے ہے اور دنیوی نقصان  
 اٹھانا اہل بدعت کی موافقت سے بہت بہتر ہے اور دینداری کے کاموں میں اس کا  
 لحاظ کرنا کمال ایمان سے دور اور ایمان کے نقصان کا باعث ہے۔ ہاں ان کی توبہ کی امید  
 یا اسی جیسے کسی اور دینی نفع کے لئے اتنے تساہل کا مضائقہ نہیں۔



## چوتھی صورت

دوسری صورت کی ایک بار یک شاخ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجلس منعقد کر کے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ شہادت کا قصد اس ارادے سے بیان کریں کہ لوگ اسکو سن کر افسوس اور حسرت اور گریہ وزاری کریں۔ اگرچہ ظاہر نظر میں اس میں کچھ خلل ظاہر نہیں ہوتا لیکن درحقیقت یہ بھی مکروہ ہے اور ناپسندیدہ کام ہے۔ اس لئے کہ صدقہ کے حادث ہونے یا اس کے بیان کے وقت میں استرجاع اور صبر کا حکم کیا گیا ہے۔ افسوس اور حسرت کے اظہار اور تکلف کے ساتھ اس کے پیدا کرنے کا حکم نہیں کیا گیا پس کسی مصیبت کے آجانے یا اس کے یاد کرنے کے وقت میں صابرین کے طریق کو اختیار کرنا تو تکلیف سے ہی ہو لازم ہے اور گریہ وزاری اور جزع و فزع کے اسباب کا جمع کرنا بے شک صابرین کے طریق کے برخلاف ہے اور جو لوگ اس صورت کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے دلوں میں اسے حضرت امین رضی اللہ عنہما کی نہایت محبت اور کمال بزرگی جانتے ہیں اور یہ ظاہر مغالطہ ہے کیوں کہ مصائب کا تکرار اور اس کا ذکر کرنا مصیبت والوں کی ناخوشی کا باعث ہو کرتا ہے۔ وہ تو ایک مصیبت تھی جو گذر گئی پھر اس کے تکرار اور ذکر کا کچھ فائدہ نہیں جو صحیح العقیدہ مومن اس کو سنے گا اس کو غم اور اندوہ پیدا ہو گا۔ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اگر بالفرض ان باتوں کو سنیں تو ضرور رنج حاصل کریں گے اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اور تکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہدائے کربلا اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے اور پھر ہرگز غم اور اندوہ کا مقام نہیں بلکہ

لے ان اللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا یعنی ہمیں اللہ کا مال ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں



خوشی اور فرحت کی جگہ ہے اور جو لوگ اپنے زعمِ باطل سے اپنے آپ کو حضراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محبت قرار دے کر صریح ممنوع اور حرام امور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود اور مطرود ہیں اس سے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع امور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لئے بڑی جان بازی کے کام کیئے ہیں۔ پس جو شخص امور مذکورہ بجالا کر ان کو خوشن کرنا چاہتا ہے گو یا وہ یزید کی طرح امام حسینؑ کا تدمقابل ہے کیوں کہ یزید سے جنگ کرنے کا سبب اس سے نا جائز امور کے صادر ہونے کے سوا کچھ نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا تو حضرت امامِ ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں شامل ہو گیا اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لئے زہرِ قاتل ہے اسے چاہئے کہ شریعت کے حکم کو لازم الاتباع جان کر اس کو نہ چھوڑے۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے ماکم وغیرہ امور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے تو اپنی محبت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکمِ شرع پر راجح کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ نفس کی دھوکہ دہی کے باعث اپنی چھپی ہوئی بری وصفیں معلوم نہ ہوں اور ایک صفت دوسری صفت سے مشتبه ہو جائے جیسے بیمار جو اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور جو محبت کے مدعی یہ کام کرتے ہیں ان کے دعویٰ کو جھٹلانے والی بہت سی نشانیاں موجود ہیں اس واسطے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ گریہ وزاری اور محفل آرائی کے جوش اور تعزیر سازی سے ہرگز حضرت امام رضی اللہ عنہ راضی نہیں ہوتے اور ہرگز ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس صرف نفسانی خواہش کے لئے ہی وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس امر کو قریب اور مکر کے ساتھ حضرت امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کا راضی کرنا کہتے ہیں درحقیقت وہ نفس و



شیطان کا راضی کرنا ہے اور اس جھوٹے دعوے کے ساتھ کہ یہ تمام خرچ اور کام  
 آپ کی محبت کی وجہ سے ہیں۔ جہلا کی نظروں میں اپنے برے کاموں کو نیک  
 ظاہر کرتے ہیں کیوں کہ اگر حضرت امام کا راضی کرنا اور آپ کی محبت منظور ہے تو  
 اس مال کو محتاج سادات پر خرچ کیوں نہیں کرتے اور ان کی تعظیم اور اعزاز میں کوشش  
 کیوں نہیں کرتے اور اشتباہ نسب کا بہانہ ہر جگہ پیش نہیں جاتا۔ اس لئے کہ بہت  
 صحیح النسب سید مہوک کے مارے مر جاتے ہیں اور یہ لاف زن مدعی جان بوجھ  
 کر اپنے غلاموں بلکہ کتوں کے برابر بھی ان کی خبر گیری نہیں کرتے۔ سادات کے بارہ  
 میں ان کی اس قسم کی بے پرواہیوں کے ظاہر ہونے کے باوجود ان کو محب اور  
 مخلص سمجھنا محض نادانی اور حماقت ہے۔ دین متین کی اشاعت اور شرع مبین کے  
 احکام کے رواج دینے میں اپنی جان اور مال کو خرچ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی  
 عن المنکر میں کسی کی پرواہ نہ کرنا اور کافروں اور فاسقوں بدعتیوں پر ظلم ہر انکار کرنا  
 اور ان کی خوشامد اور چالپوسی سے پرہیز کرنا اور بالکل مدامت نہ کرنا اور آپ کی  
 بزرگوں آل کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دینا اور قولی اور فعلی اور مالی عبادت کا ثواب آپ  
 کی پاک روح کو پہنچانا سچی محبت کے نشان ہیں۔ پس جو شخص ان امور میں قصور  
 کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر نفسانی کھیلوں میں مال خرچ کرتا  
 ہے وہ بیجا اور بے محل جھوٹ باندھ کر اپنی عاقبت کی تباہی سے بے ڈر ہو گیا  
 ہے : **أَعَاذَنَا اللَّهُ تَعَالَى وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ شَرِّ  
 الْمُنَافِقِينَ الصَّالِحِينَ**

### تیسری ہدایت

ان بدعتوں کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے التزام میں عوام الناس  
 میں پھیل گئے ہیں اور اس میں ایک تمہید و افادے اور  
 ایک فائدہ ہے :



## تمہید

جو کہیں کہ شادی اور ماتم کے موقع پر ہندوستان کے ملک میں رائج ہو گئی ہیں اور ان کا التزام لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا ہے اور ان کا پھوڑنا رواج کی مخالفت اور اور طعن و تشنیع کے سبب سے نہایت شاق گزرتا ہے اور جاہل لوگ ان رسموں کے اہتمام کو شرعی واجبات پر مقدم اور ان کے پھوڑنے کو محرمات سے زیادہ جانتے ہیں دینی اور دنیوی امور کی بربادی کا باعث ہیں کہ لوگوں کو نہایت تنگی میں ڈال کر ضروریات دین سے باز رکھتی ہیں مثلاً ختنہ کی دھوم دھام کا التزام یہاں تک پہنچا نا کہ نامختون بالغ بڑی عمر کا ہو جاتا ہے اور بے حیائی اور بے پردگی کا باعث بن جاتا ہے اور بعض اوقات یہ شرعی شعار رہ ہی جاتا ہے اور ایسا ہی نکاح کے معاملہ میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے وہ جوان آدمی کے واسطے حرام کاری کا باعث بنتی ہے۔ بالغ ہونے اور جوانی کے زور کے بعد بڑی مدت تک انتظار کرنا اور ارتکاب حرام سے صبر کرنا تہمت ہی دشوار ہو کرتا ہے اسی طرح ماتموں میں اگرچہ تاخیر کو ان میں گنجائش نہیں لیکن ان رسموں کا التزام ضروری امور میں حرج کا باعث ہوتا ہے اور رسوم کے پابند لوگ بچہز اور تکفین اور قبر کھودنے میں سستی کر کے ادائے سنت سے قصور کرتے ہیں اور طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی کرتے ہیں اور ماتم اور شادی کی رسوم کی حفاظت کے لیے واجب حقوق سے غفلت کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسم کے پھوڑنے کی شرمندگی انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور رسم کی حفاظت کے واسطے اپنی معاش کے اسباب کو بیچ ڈالتا ہے اور مفلس ہو جاتا ہے اور گداگری کو جو دونوں جہان کی ذلت کا باعث ہے اپنے اوپر گوارا کر لیتا ہے اور یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ان رسوم کے سخت پختہ ہو جانے اور ان کے پھوڑنے والے کے حال پر طعنوں کے



موتو تجربہ ہونے کے باعث ہی پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کو عمداً چھوڑ دے تو وہ اس قدر ملامت کا سزاوار نہ ہوگا جس قدر کہ شادی کی محفل میں نایاب چراگ کے ترک سے ملامت کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اسی واسطے ایسے آدمیوں کو کھانوں میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ شادی کی محفل کی آرائش میں نہایت کوشش کرتے ہیں حالانکہ چھوٹے بچے بھوک کے مارے مرنے لگتے ہیں اور کمالِ جہالت اور نادانی ہے کہ اس الٹی بات کو کمالِ مروت اور حیا مردی جانتے ہیں اور ایسی ضرورتوں کے پیش آنے کے موقع پر حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتے اور جہاں سے جس طرح سے مال ہاتھ آئے اس کے لینے کی پرواہ نہیں کرتے اور حیبِ مال ہاتھ آجاتا ہے تو صریح خلافِ شرع اور خلافِ عقل اور محض شیطانی راستے میں اس کو خرچ کرتے ہیں حاصلِ کلام رسموں میں التزام کی بناء پر اور ان کا اہم مہم دنیا کی غیرت اور عزت اور نام پر ہے اور جس کام کی بناء ایسی ہو بیشک وہ اللہ کو ناپسند ہے بلکہ عام ملکوت سے اس کام اور اس کے کرنے والوں پر لعنت کی آوازیں آتی ہیں اور اس کا دیکھنا کامل ایمانداروں کے صاف دلوں کی کدورت اور تاریکی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے مرتکب سے حساب ہوگا کہ اس قدر مال بجا خرچ کر کے انخوان الشیاطین کی جماعت میں کیوں داخل ہوا؟ اور اکثر ناجائز امور کے ارتکاب اور حرام کی پرواہ نہ کرنے کے باوجود بھی محبوباً ان سے یہ رسمیں خود بخود موقوف ہو جاتی ہیں۔ پس اگر پہلے پہل ہی اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے اگر ان یہودہ رسموں کو چھوڑ دیں تو ان کی معاش اور معاد کی کس قدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی خوشنودی و رضامندی ان کو نصیب ہو۔ پس راہِ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور قبیلہ وارا اور محلہ اور شہر



اور ملک سے ان کے موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے۔ اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اس کا اجر اور ثواب بڑے گا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری سچی کی قدر نہ ہوگی۔ یا میرے خویش اور اقربا میری متابعت نہ کریں گے۔ ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا قبیح ہے جب کام خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا کیا فکر اور کیا ڈر۔ ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس کی کوشش اس حدیث خیر الہدی ما اتبع کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگوں کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیے۔ تاریخ اور دن اور طعام اور جنس اور قسم کی تعیین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہے بجلائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا مقصود ہو تو اسے کھانا کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیے۔ اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تصنیع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا منتظر رہتا ہے اور خویش اور اقربا جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے

لے بہتر ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔



حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعاء اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیے اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت ہو کہ وہ ہے اور سب رسموں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام اخلاق حضرت محمد عوبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی ان تمام رسموں کو جو آپ کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرام کے طریقہ پر ان سے زیادتی لازم آئے ترک کر دے اور ان پر کراہت ظاہر کرے اور اگر بیٹیوں کے مار ڈالنے یا اس جیسی زمانہ جاہلیت کی وہ رسمیں جاری ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نابود ہو گئی تھیں اور ان کے ابطال میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقولے ہیں تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے

### پہلا افادہ

بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بدرسموں سے ہے جو ہندوؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہو گئی ہے کہ لوگ اس جائز اور مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ برا جانتے ہیں۔ لہٰذا اس کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خولیشوں میں سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرادے اور اگر اس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کے لیئے ان سے ملاقات اور برادری ترک کر دے کیوں کہ غالباً یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندوؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا



لازم آتا ہے تو ہرگز پرواہ نہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہل حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلقی کو مدنظر رکھے :

### دوسرا افادہ

اپنے باپ دادا کی برزگیوں پر فخر کرنا اور ان کی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسوم جاہلیت کا وہ بقیہ ہے جو راہ امت مرحومہ میں نہایت درجہ کی پھیلی ہوئی ہیں اور سادات اور پیرزادوں جیسے بلند خاندان والے اس میں گرفتار ہیں اور اسی افتخار اور استناد کی وجہ سے اہل اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہل ایمان کی بڑی بزرگی یعنی پرہیزگاری اور نیکو کاری کو بالکل فراموش کر کے ان کی بجائے تکبر اور اکرط بازی اور بدعتوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کر کے کلام اللہ اور کلام رسول کو پس پشت ڈال دیئے ہیں گویا انہوں نے آیت کریمہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا لِمَنْ أِذِنَ لَهُ، اور آیت کریمہ لَا تَجْرِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا اور آیت سے فَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ اور آیت سے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اور آیت سے تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ اور حدیث سے إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عِبْيَةَ الْأَجَاهِلِيَّةِ وَفَخَّرَهَا بِأَوْلِيَاءٍ إِنَّمَا هُمْ مَوْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمٌ مِنْ تَرَابٍ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لیے اس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ نامہ نہ پہنچے گا لہٰذا کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا



اور انہی جیسی اور احادیث اور آیات کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سنا اور محض اپنے وطنوں اور اپنے جیسے لوگوں کے باطل مسلمات پر اعتماد کر کے اپنی جان کو ہلاکت کے مہنور میں ڈال دیا ہے۔ سبحان اللہ یہ کیسی حماقت اور نادانی ہے کہ یہ لوگ نجات کے قطعی اور یقینی اسباب کو چھوڑ کر وہی اور ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اس کے مشابہ ہے کہ ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی امید تھی۔ پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد کر ڈالا۔ القصدہ اگر یہ نسبی علاقہ آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا کیوں کہ نسبی علاقہ اختیاری افعال سے نہیں کہ غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ٹوٹ جائے پس جب غافل آدمی کو قیامت کے دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائے گا تو اس کو اس غیر ترقیہ نعمت کے حاصل ہونے کے باعث دوگنی خوشی ہوگی اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کارآمد نہیں ہے اور

بقیہ حاشیہ یہ کہ جب نرسنگا پھونکا جاوے گا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہوگا۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری گوتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو۔ بے شک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہے۔ وہ ایک جماعت جو گذر چکی ہے ان کے اعمال کا فائدہ انہیں کو پہنچے گا اور تمہارے اعمال کا تم کو نہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کر دیا ہے۔ آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر و بد بخت ہے سارے لوگ آدم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی کے ہیں ۛ



اس شخص نے اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گزار دی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت اٹھائے گا اور نفسانی رنجوں اور روحانی عذابوں میں گرفتار ہو گا۔ پس اس نفسی علاقہ کی پر دہ نہ کرنا اور ایسے ہی وہی امور پر بھروسہ نہ کرنا ہر طرح اچھا ہے والسلام علی من اتبع الهدی

### فائدہ

بزرگوں کی اولاد میں میراث کے طور پر ایک استعداد رکھی جاتی ہے لیکن محض استعداد امور معاش یا معاد میں کارآمد نہیں ہے۔ ہاں اگر وہی استعداد ظاہر ہو جائے اور سیکھنے سکھانے یا شریعت پر کاربند ہو جانے کے باعث جلوہ گر ہو پڑے تو البتہ اس سے بڑے بڑے کام اور فائدے نکلتے ہیں اور ان استعدادوں کو بھی ان اذلی استعدادوں کے قائم مقام سمجھنا چاہیے جو مہلی برسی استعدادوں سے ازل الازل میں ہر شخص کے حصہ میں آئی ہیں لیکن جزاء کی بناءً محض استعدادوں پر نہیں۔ اسی واسطے جب تک اس استعداد کے آثار ظاہر نہ ہوں جزا کے کارخانے میں وہ استعداد کسی شمار میں نہیں آتی۔ ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے اسباب ہم پہنچنے سے نیک نختی اور برائی کے آثار اسی کے موافق ظاہر ہوں گے۔ پس ثمرات کا بالفعل مترتب ہونا آثار پر موقوف ہے اگرچہ ان کو ایک پوشیدہ سار ربط استعدادوں کے ساتھ بھی ہے لیکن استعدادوں کے ساتھ ثمرات کا رابطہ بہت پوشیدہ ہے اور آثار بہت ظاہر مثلاً آلات حرب کے ساتھ منافع حرب کو ایک ظاہری ربط ہے اور لوہے کے ساتھ پوشیدہ، اسی واسطے پولاد کی زنگ خوردہ تلوار وہ کام نہیں کرتی جو لوہے کی مستقل تلوار کیا کرتی ہے:



## دوسری فصل تہذیب اخلاق میں اور اس کے بیٹے دو ہر اتین بیٹے بیٹے

### پہلی ہدایت

پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے اجمالی ذکر میں اور اس میں  
تین تمہیدیں اور پانچ افادے بیٹے۔

### پہلی تمہید

بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور با اور کذب اور طمع اور حرص  
جیسی بد عادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا ان پر رحمانی  
فیض کے اترنے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے۔ سلف  
صالح ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے ہیں اور ان کو صرف خدا تعالیٰ کی  
رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر  
باقی نہ رہتا اور ان کے دل صاف ہو جاتے اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا  
مورد ہوا کرتے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے جو محض اللہ تعالیٰ کے خوشنود کے  
واسطے عمل میں لاتے مقبول ہو جاتے اور جو شخص کہ سلوک کے مراتب طے  
کرنے کے باوجود آثار عنایت کا مورد نہ بنے تو بے شک ان تمام رذائل یا بعض  
آثار اس میں موجود ہوں گے۔ پس ان رذائل کا وجود عنایات الہی کے ورود کا  
مانع ہے۔

### دوسری تمہید

سلف صالح کے واسطے بد عادتوں سے نفس کے پاک کرنے میں اللہ کی  
توفیق سے یہی اسلامی نیک افعال اور اپنے پیشواؤں کی ہم نشینی ہی بہتر ہوا کرتی  
تھی اور اس فن کے لوگوں نے طبیب کے طور پر ان کی علامتوں اور اسباب اور



معالجوں کو تحقیق کر کے کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن وہ بیان نہایت واضح اور روشن ہونے کے باوجود کافی نہ تھا بلکہ پست سمیت لوگ ان بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ انہی لوگوں کا حال ہے جو گذر گئے ہیں اور حظیرۃ القدس میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کی ماہیت کچھ اور ہی تھی کہ ان کثیر عملوں اور مشکل محنتوں پر قائم رہے اور اپنے آپ کو اس مقام سے بہت دور خیال کرتے ہیں اور بعض غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو ان بد عادتوں سے بالکل پاک اور ان کی ضد یعنی محض نیک عادتوں سے مزین جانتے ہیں۔ پس اس زمانے کے لوگوں کے مناسب حال یہ ہے کہ معرفتِ الہی کی طرف پہنچنے کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہِ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبولیت کے راستے سے نہیں بلکہ ایک اور دروازے سے پہنچے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پرکش نہیں ہے اور نفس اور شیطان جو کہ مقبولیت حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کی جا بجا ہیں ان کو نہیں چھوڑتے کہ اس مقام میں پہنچ جائیں اعمالِ صالحہ اور رذائلِ مذکورہ سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام میں پہنچنا ممکن نہیں اور ان بد عادتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو مقامِ مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک خاص اجنباء حاصل ہو جاتا ہے کہ اعمال کی کثرت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اٹھائے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب کر دیتا ہے اور ایسے برگزیدہ بندوں کو تربیت اور تلقین کی کچھ حاجت نہیں رہتی، خود اللہ تعالیٰ ان کا مربی ہو جاتا ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا احسان ماننا



اور تکلیفیں چھیننے کے سوا ہی ان کو پسندیدہ خصلتوں سے مزین اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کر دیتا ہے پس اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید اور حدیث شریف کے پڑھنے کا مشغل کرے اور اپنے کچھ اوقات کو ان کے حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے تاکہ فضائل اور ذائل کی اصلیت سے واقف ہو جائے اور اپنی ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے پریشان نہ ہووے۔ بعد ازاں اس یادداشت کے ساتھ مشغول ہو جاوے جو نقشبندی طریقے میں مقرر ہے یعنی ذات حق کا ہمیشہ ملاحظہ رکھے اور اسی ملاحظہ میں دوسرا ملاحظہ ملاوے جس سے احکام شرعیہ کی تعظیم اور ان کی بجا آوری کا عزم اور منہیات شرعیہ کا اہتمام اور ان سے بچنے کا عزم مراد ہے۔ پس ہر وقت اور ہر جگہ منہائی اور مجلس اور کوچہ اور بازار اور مسجد اور خانقاہ اور کھانے اور پینے اور یار دوستوں کی ملاقات اور معاش اور معاد کے وجوہ میں مشغول ہونے القصہ تمام حالتوں میں باخبر رہے کہ کبھی بھی منہیات مشرعیہ کی طرف دل کا میلان نہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے اہتمام میں ہمیشہ دل کو چالاک اور بانشاط رکھے اور جگہ احکام شرعیہ سے نماز اور تلاوت قرآن مجید جیسے عمدہ اور امر کو خاص لحاظ سے ملحوظ رکھے اور ہر حال میں اس کا دل نماز سے متعلق رہے اور جو نہی نماز کا وقت پہنچ جائے یا اذان سن لے تو اس طرف سے غفلت نہ کرے اور کسی کام کو نماز پر مقدم اور اس سے ضروری نہ جانے اور ہر کام کا فوت ہونا نماز کے ادا کرنے کی جانب میں اس کو سہل اور آسان معلوم ہو جیسے کسی محبوب کی ملاقات کسی عاشق کو میسر ہو جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے کام میں مشغول ہو اگرچہ اس کے ہزاروں کام فوت ہو جائیں گے تاہم اپنے معشوق کے ساتھ بات چیت کو نہایت ہی مرغوب جانے کا اسی طرح نماز کو حدیث شریف و قرآن عظیمی



فِي الصَّلَاةِ كَمَا مَوَافَقِ اَصْلِي خَوْشِي اَوْر رَاحَتِ سَمِجْ كَر دِنْيَا اَوْر دِينِ كَا كُو ئِي كَامِ اِس  
 پَر مَقْدَمِ نَه رَكْهِي اَوْر اِسِي طَرَحِ دُوسَرِي اَر كَانِ رُوزَه اَوْر زَكَاةُ اَوْر حَجِّ كِي  
 تَخْصِيصِ كَرِي اَوْر اِسِي طَرَحِ جِهَادِ كُو بِي خَاصِ طُورِ پَر مَحْظَرِ كَهِ كِيوں كِه وَه  
 سَنَامِ اَلْاِسْلَامِ هِي اَوْر اِس مِيں جَانِ اَوْر مَالِ كِي خَرْجِ كَرْنِي اَوْر رِيحِ اَوْر سَكِيْفِ  
 اِطْهَانِي كِي سَا تَه اَللّٰهُ تَعَالَى كِي مَحَبَّتِ كِي حَقِيْقَتِ اِچْهِي طَرَحِ اِچْهِي طَرَحِ كَهْلِ  
 جَاتِي هِي اَوْر حَبِ اِسِي لِحَاظِ اَوْر خِيَالِ پَر پِي شِكِي كَرْتِي هُو ئِي كِي چَظَرِ مَانِه كَدْرِ جَانِي  
 كَا تُو سَارِي عِبَادَتِيں عِبَادَتِ بِنِ جَانِيں كِي مِثْلًا وَه كَهَانَا بِي اِسِي هِي نِيَّتِ سِي كَهَانِي  
 كَا جُو اَللّٰهُ جَلْبَشَانِي كِي خَوْشَنُودِي كَا بَاعْثِ هُو كِي اَوْر اِسِي وَقْتِ سُو ئِي كَا حَبِ اِس  
 كَا دِلِ كُو اِهِي دِي كِه اِس وَقْتِ كَا سُو نَا اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كِي خَوْشَنُودِي كَا بَاعْثِ هِي  
 بَاتِي مَوْر كُو بِي اِسِي پَر قِيَا سِ كَر لِيْنَا چَا هِي ئِي دِلِ سِي بَدْعَادَاتِ كِي دُورِ هُو جَانِي كِي  
 بَعْدِ شِجَاعَتِ قَنَاعَتِ سَخَادَتِ نِي پَاكِ دَامِنِي صَبْرِ شُكْرِ رِضَا بَقْضَا تُو كِلِ وَغِيْرَا  
 جِي سِي صَفِي تِيں خُو دِ جُو دِ حَاصِلِ هُو جَانِيں كِي لِي كِنِ مَسْتَقِلِ طُورِ پَر اِنِ كِي حَاصِلِ كَرْنِي  
 كَا بِي اِرَادِهِ كَرِي تَا كِه هَر اِي كِ كِي سَا تَه كَمَالِ طُورِ پَر مَوْصُوفِ هُو جَانِي اَوْر حَبِ اِنِي  
 دِلِ كُو پَاكِ كَر كِي اِس كَامِ شَرْعِي پَر چِسْتِ چَالَاكِ هُو كَر سَلُوكِ كِي رَا هِ اِخْتِيَارِ كَرِي  
 كَا تُو اَللّٰهُ تَعَالَى كِي فَضْلِ سِي يَقِيْنِ هِي كِه سَلَفِ كِي طَرَحِ عِنَايَاتِ اَلْهِى كَا مَوْر دِ هُو كَا اِس  
 كِي عِنَايَاتِ كَا كَر ئِي مَهْكَانِه نِه مِيں جُو لُو كِ كِه اِس كِي عِنَايَاتِ سِي مَمْتَازِ هُو ئِي هِي  
 وَه بِي اِسِي قِسْمِ كِي آدَمِي تَهِي اَوْر جُو لُو كِ كِه اِس كِي عِنَايَاتِيں سِي مَحْرُومِ هِيں وَه بِي  
 اِنِي هِي قِصُورِ سِي مَحْرُومِ هِيں وَ مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ

حاشیہ صفحہ : نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے :  
 اے اور ہم نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔



يَظْلِمُونَ. اس سے خبر دے رہا ہے۔ شعر

ہر چہ بہت از قامت تا ساز و بد انداز ماست

ورنہ لشرف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور مامورات و منہیات کا بیان بہت لمبا ہے۔ ان کی واقفیت کی سبیل یہی ہے کہ سالک کلام اللہ کو مضبوط پنجہ مارتے رہے۔ اگر یاد کرے تو بہت رہے اور اگر یاد نہ کر سکے تو قرآن مجید کی تلاوت کی پوری مہارت حاصل کرے اور اس کے معانی کو ظاہر کرنے والے ترجمہ سے آگاہ ہو کر تدبیر اور سوج بچار کے ساتھ اس کی تلاوت کیا کرے اور صرف تلاوت قرآن کو بڑی غنیمت جانے کیوں کہ یہ سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونا ہے اور یہ اس کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو عربی معجز عبارت کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے اور جب اللہ جل شانہ کی صفتیں اس کی غیر نہیں تو تلاوت قرآن کے وقت اپنے آپ کو ایک قسم کا واصل بنات حق سمجھے اور وصول اور ہم کلامی اور سماع کی لذتیں حاصل کرے اور غفلت حجاب اکبر ہے۔ جب غفلت کا پردہ اٹھائے گا اس کے ساتھ واصل ہو جائے گا

صنوری گر ہے خواہی ازوغائب مشو حافظ

### تیسری تمہید

اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر کرنا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتا ہیں تصنیف ہو کر



ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث مل جائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیوں کہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے اٹھایا ہوا ہے ہیں اور ایک طرح سے آپ کی مصاحبت حاصل کر کے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور متقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں۔ وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں۔

## پہلا افادہ

جو شخص امر اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو ان امور شرعیہ کا اہتمام کے ساتھ جو سالکان طریقت کو چاہئے عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی ان کے واسطے ضروری ہے کیوں کہ ان کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے۔ عدالت میں گزشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفاء اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا نہ رکھتے اہتمام نہیں کرتے اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیا میں کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ازبیدار کو مقدم اور نزدیک جانتے ہیں اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان و شوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی عزت اور شوکت اور رعب ان کے



دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے

## دوسرا افادہ

ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اول تکبر یعنی اس سے کہ اپنے آپ کو سب لوگوں سے بہتر اور بلند جانے اور ہمیشہ اپنی بلندی اور بزرگی کا خواہاں رہے کیوں کہ یہ بری خصلت انسان کو کبر تک پہنچاتی ہے۔ اسی واسطے اور خصلتوں اور عملوں سے بہت قلعہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مَنَقَالٌ خَبِيَّةٌ مِّنْ خَرَدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مَنَقَالٌ خَبِيَّةٌ مِّنْ خَرَدَلٍ مِّنْ كِبَرٍ۔

یعنی ایسا کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی بھریاں ہو گا۔ اور ایسا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی بھر کر ہو گا۔

دوم مسلمانوں کو ایک جماعت میں فساد اور خرابی ڈالنا اور مکالموں اور وقتوں کے عموم کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں۔ ایک تو ایک گھر والوں کو خدابی میں ڈالنا، دوم ایک شہر والوں کو، سوم ایک ملک یا چند ملک والوں کو اور ایک قرن یا دو قرن یا اس سے زیادہ کا فساد بھی اسی طرح ہے اور ان سب سے اعلیٰ وہ فساد ہے کہ کئی زمانوں تک اس کا اثر باقی رہے۔ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر بلوہ کرنے والوں کا فساد کہ اس کا اثر اس امت کے تمام زمانوں پر محیط رہا ہے اور یہ وہ پہلا فساد ہے جو امت میں واقع ہوا۔ اور فساد کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو قتل سے ہوتا ہے اور کبھی ابانت سے اور کبھی عیبوں کو ڈھونڈنے سے اور کبھی بری صلاح دینے سے اور یہ امور بھی اشخاص کے لحاظ سے فساد کے معنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً محل کے امور معاش اور معاد کے منتظم رئیس کے مار ڈالنے میں اور قسم کا



فساد ہے اور کسی عادل منتظم بادشاہ کا قتل کرنا پہلی قسم سے ہزار بار درجہ قبیح ہے کیوں کہ یہ کام تمام لوگوں کے امور کی پریشانی کا باعث ہے۔ ایسا ہی کسی مسجد کے ایسے مہتمم کو جس کے واسطے چند مسلمان نماز کے واسطے اکٹھے ہوتے ہیں، قتل کر دینا قبیح ہے اور کسی ایسے باکمال عالم کو جو مشکلات کا حل کرنے والا، اور خاص و عام کا مرجع ہو کر اپنے وقت کا امام اعظم اور زمانہ کا بخاری اور غزالی ہو چکا ہو، مار ڈالنا ایسا برا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور امانت اور تحبّس عیوب کو بھی قتل پر قیاس کر لینا چاہیے اور جس قدر خرابی زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان کا نقصان زیادہ ہوگا اور اس بد کام کی زیادہ برائی کا یہی باعث ہے کہ اس سے کئی لوگوں کے حق ضائع ہوتے ہیں اور بہت سارے گناہوں کا بیج مدتوں تک باقی رہتا ہے اور قلندہ انگیر مفسد پر اس قدر وبال اکٹھا ہو جاتا ہے کہ غضب الہی میں گرفتار ہو کر برے خاتم کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیوں کہ دراصل ظلم کا منشاء یا تکبر ہے یا فساد پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا فساد کی اور تکبر اور فساد سے احتراز کرنا اسی وقت پورا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے۔ حدیث شریف میں ہے: **لَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلُ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلَاةِ قَالُوا بَلَى قَالَ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَإِفْسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْعَالِقَةُ**

### تفسیر افادہ

مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلی اور مصیبتوں میں توکل اور اللہ تعالیٰ کی غیر

لہ کیا میں تم کو روزے اور سائے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتلاؤں۔ لوگوں نے



نعمتوں میں سے ہر نعمت خاص کر اس نعمت کے لیے جو بمقتضائے  
 اِنَّ لِلّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ دَهْرًا مَّا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَلَا فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ  
 پیمبروں میں چلتی ہے اور ان عالی رتبع لوگوں کے دماغوں کے سوا جو خاص الہی رحمت  
 کے مہبط ہو گئے ہیں نہیں پہنچتی اس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جس طرح کہ  
 چاہیے اپنے دل میں نقش کرنا ضروری ہے کیوں کہ اسی نقش کے اجمال نے ہی  
 ایک جماعت جو اہل کتاب کے نام سے موسوم و ماقدروا اللہ حق قدرہ اذ  
 قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ... کے دماغ سے داغدار  
 کر دیا اور ایک بد انجام گروہ کے حال کی برائی کے بیان میں جو مشرکین کے نام سے  
 تمام مخلوق میں بدنام ہے نشان و ماقدروا اللہ حق قدرہ و الارض جیبعا  
 قبضته يوم القيامة و السموات مطويات بيمينه سبحانه  
 و تعالی عما يشركون ہ جو کہ سخت انتقام کی علامت  
 ہے بلند کیا۔ پس جاننا چاہیے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچانا ایمان کا لازمہ ہے۔  
 ہر ایمان دار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اس کی

بقیہ حاشیہ : عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہیں اپنے فرمایا وہ آپس کے بگاڑ کی اصلاح  
 ہے اور آپس میں پھوٹ ڈالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے نہ بے شک تمہارے زمانے کے دنوں  
 میں اللہ تعالیٰ کی خوشبو میں ہیں خبردار پس ان کا تعرض کرو گے اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اس  
 کی کا جس وقت کہا انہوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ نہ اور جس طرح کہ چاہیے  
 تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں  
 ہو گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ جس چیز کو اس کا شریک بناتے ہیں  
 اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے۔



سمجھنے والی طاقتوں پر محیط ہے اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کا دل  
 یہ ہے کہ جب وہ کوئی عجیب امر سنتا ہے تو اس کو بعید جانتا ہے۔ ہاں اسلامی عقیدہ  
 کی طرف رجوع کر کے ایسا انکار نہیں کرتا کہ اس کو اسلامی دائرے سے  
 نکال کر کفر کے گڑھے میں پھینک دے لیکن شدید استغنا اس کے دل میں  
 نکلتا نہیں اگرچہ ایمان کے واسطے تو اسی قدر جاننا کافی ہے مگر جو معرفت یہاں  
 مطلوب ہے وہ تو اس مرتبہ سے بہت بلند ہے یعنی وہ جاننے والی طاقتوں پر  
 محیط اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی ہے اور جب کسی امر کو وہ  
 نہایت ہی عجیب ہو جتی کہ کوئی شخص کہہ دے کہ آدھا آسمان ٹوٹ کر  
 گر پڑا ہے اور باقی آدھا کھڑا ہے تو اس بات کو سن کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ  
 کی قدرت کاملہ کے لحاظ سے اس کا دل اس کو قبول کر لے۔ ہاں ان دو کے  
 عقائد کی طرف رجوع کرنے کے بعد کہ قیامت سے پہلے تو آسمان نے ٹوٹنا  
 نہیں اور قیامت کے واسطے فلاں علامتیں ہیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں  
 اس قول کے خلاف واقع جان لے گا اور اس بات کی تحقیق کے واسطے اللہ  
 جل شانہ فرماتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ بِمِيسِكِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تَزُولَا  
 وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِ هٰذَا اِنَّهٗ كَانَ جَلِيْمًا غَفُوْرًا**  
 یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو ٹپکنے سے روکا ہوا  
 ہے اور اگر ٹپل جائیں تو اس کے سوا انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ بے شک وہ  
 بردبار بخشنے والا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹپال  
 دینے کا مانع اسی کا حیلہ اور اسی کی مغفرت ہے ورنہ اس کی قدرت اور اس  
 کا انتقام تو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں اور ان کی صفات میں  
 کسی قسم کا تصور اور فتور نہیں ہے اور اسی بات کے ذہن نشین کرنے کیلئے



حدیث شریف میں شام کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے **أَعُوذُ بِاللَّهِ الَّذِي يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذُرَاوِيهَا**۔ یعنی اس اللہ کے ساتھ جس نے اپنے اذن کے سوا آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ معرفت قدرت کی کمال یہ ہے کہ کسی امر کے وقوع کو سن کر گو نہایت ہی دشوار اور نادر ہو واقع ہی گمان کرے اور یہ دریافت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے دل سے بے تاثر ظاہر ہو۔ ہاں اس کے وقوع کی تصدیق کے واسطے خبر دینے والوں کی خبروں کے صدق کی تحقیق کرے اور اس کے سوا اس کے وقوع کا یقین نہ کرے اور اس کے سہل الوقوع ہونے کی ہمیشہ تصدیق کرتا رہے۔ اسی طرح اس کی باقی کمال صفات کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

## چوتھا افادہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیارا اور محبت کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ محبت اور الفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ محبت کے ایمان اور اعمال اور سلم اور عقائد کے ہر باب میں کمال اور نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز عالی درجہ پر ہونے کے باوجود اگر اس کو ایسی مصیبتیں اور بلائیں پہنچیں کہ اس کی جان اور مال اور اولاد اور بی بی اور قوم اور آبرو کو گھیر لیں اور وہ نہایت ہی بری امراض میں گرفتار ہو جائے تو شکایت کی ذرہ سی بات بھی اس کے دل میں نہ گھسے۔ ہاں ان مصیبتوں کی عدم برداشت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے نہایت اعتقاد کے باعث اس کی بارگاہ میں جس قدر کہ التجا اور زاری اور عاجزی اور بے قراری کرے بہتر اور بجا ہوگی۔



بلکہ یہ تو کمال ایمان کا مقتضاء ہے لیکن اس ذاتِ پاک کی بہ نسبت شکایت کے معنی کو وہم اور خیال میں جگہ نہ دے بلکہ اس کو بالکل حال اور مال کے تصور اور اپنے ازلی استعداد کے نقصان کی طرف نسبت کر کے اور آیہ کریمہ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ اور آیت کریمہ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كُنْتُمْ آيْدِكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ . . . . . کو اپنے حال کا مسبب

سمجھے اور یہی امر صبر اور رضا بالقضا کے مرتبے اور مقام کے حاصل ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یقین کر لے کہ وہ اس سے زیادہ عذاب کا مستحق تھا اور جو کچھ اس کو پہنچتا ہے وہ اس کے استحقاق کے موافق نہیں اور اس معاف کرنے والے بخشنے والے خدا کی مہربانی ہے کہ اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا جو اس کے تصور کے برابر تھا اور یہی امر مصیبتوں اور بلاؤں کے عین ہجوم کے وقتوں میں شکر کی اعلیٰ اقسام کے صادر ہونے کے باعث ہوتا ہے۔ حاصل کلام؛ انسان درحقیقت اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے متوجہ ہونے کے صورت میں اس کو ناقدر دان خیال کرے اس لئے کہ انسان کی ایسی کوئی قدر نہیں کہ وہ اپنی نسبت اللہ تعالیٰ کو قدر دان یا ناقدر دان خیال کرے؛

### پانچواں افادہ

اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر لطف اور مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے

نے اور جھلائی جو تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بدن تجھ کو پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے لہذا جو مصیبت تم کو پہنچے پس تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور بہت گو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے؛



پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الرَّاحِمُونَ بِرَحْمَةِ الرَّحْمَنِ  
 اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مِّنْ فِي السَّمَاءِ. یعنی رحم کرنے والوں  
 پر اللہ رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے  
 اور رحمت کا یہ معنی نہیں کہ ہر ایک راضی رکھو بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ  
 جو چیز فی الواقع ان کے حق میں بہتر ہے ان کے واسطے ان کا حاصل ہونا  
 دل سے چاہے اور اس میں کوشش کرے اگرچہ وہ اپنی ناقص رائے میں  
 اسے نقصان ہی سمجھیں اور تمام لوگوں کے حق میں ظاہری کوشش تو ہو ہی نہیں  
 سکتی لیکن عام لوگوں کے حق میں خواہ کافر ہوں خواہ مسلمان ہدایت کی دعا کرے  
 کیوں کہ دعا سے رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور مقتضائے الخلق عیال اللہ  
 خلق کو اللہ تعالیٰ کا عیال جان کر ان پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث  
 جانے اور تمام مخلوقات میں سے امت محمدیٰ کو خلق اور تعظیم اور رحم سے  
 مخصوص کرے اور ان کو اپنے آپ کو ایک آقا کا غلام سمجھے اور ربانی  
 خلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے اور اگر مقدور ہو تو ہر طرح کی خدمت  
 بجالائے اور جس طرح کی مالی نعم خواری کر سکے کرے اور خوراک اور پوشاک  
 میں دریغ نہ کرے اور چیزوں کے دینے کا کچھ مضائقہ نہ رکھے اگرچہ کھجور کا  
 ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اخلاق میں تمام لوگوں کی مساوات نہ کرے بلکہ فضیلت  
 والوں کے درجوں کو نگاہ رکھنا ضروری ہے جو شخص کہ دینی اوصاف میں سے  
 کوئی وصف رکھتا ہو اسی کے موافق تعظیم و تکریم وغیرہ امور میں اس کو ترجیح دے  
 اور اخلاق کی تفصیل مرتبوں کی تفاوت کتب حدیث سے معلوم کرے اور دنیا  
 داروں میں سے جو شخص اپنے ہم جنسوں پر تکریم کرے اور اپنی جاہ و دولت سے  
 مغرور ہو اس کے ساتھ ظاہری اخلاق نہ چاہئیں بلکہ اس سے بے پرواہ رہے



اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ لیکن جس طرح پہلے گذر چکا ہے اس کی واسطے غائبانہ دعا کرنے سے قصور نہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار۔

### فائدہ

جب انسان اچھی عادتوں کے ساتھ مزین ہو جائے اور بد عادتیں اس سے دور ہو جائیں اور روزہ اور نماز اور باقی عبادات سے آراستہ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محض عنایت اور توفیق جانے اور اپنی کوشش اور علمی اور عملی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے اس واسطے کہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ہم جنس اور اسی جیسی عقل اور سمجھ والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ فضائل اور رذائل کو جانتے بھی نہیں اور بہت سارے باخبر بھی ایسے ہیں کہ ان کی ماہیتوں کی پوری تمیز اور ان کے اسباب اور علامتوں اور نفعوں اور نقصانوں کو جاننے کے باوجود بھی بد عادتوں سے خالی نہیں ہو سکتے اور عمدہ خصائل سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پس صبح اور شام کو بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی مضمون اللہ مَا أَصْبَحَ نَبِيٌّ مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَخَيْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔ کا اقرار اور اعتراف کرتا رہے اور اپنے آپ کو محض عاجز اور ناچیز سمجھے اور اللہ کے غضب سے کبھی بے خوف نہ رہے اور رجا کی جانب کو غالب رکھے۔

### دوسری ہدایت

بد عادتوں کے مفصل معالجہ کے بیان میں اور اس میں  
اگر تمہید اور گیارہ افادے ہیں۔

### تمہید

بد عادتوں میں سے یہ دس عادتیں نہایت ہی خلیث ہیں۔ پس



طالب حق کو چاہئے کہ تمام بد عادتوں سے ان کے دور کرنے کی اس حد تک  
تخصیص کرے کہ یہ کبھی بھی اس کے دل میں کھٹکنے نہ پائیں اور ان کی طرف  
اس کا دل مائل نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک خصلت کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور  
قہر اور لغظ کا موجب اور اس کے قبول اور رضا کی بارگاہ سے نہایت دوری کا  
باعث جان کر تہ دل سے اس کا دشمن بن جائے اور اس کو اپنے محبوب کے  
وصال سے بھاری مانع سمجھے اور اوامر و نواہی کے اہتمام میں اس قدر تعمیم کرے  
کہ مسلمانوں کے راستے سے کاٹنا دور کرنے جیسا ادنیٰ حکم اور مسجد میں تھوک  
ڈالنے جیسا ادنیٰ ممنوع اس کے اہتمام کے لحاظ اور اعتبار کی نظر سے رہ نہ  
جائے اور ایسے امور کے صادر ہونے سے بے پرواہی نہ کرے اس لیے  
کہ کمال محبت تو یہی ہے جو قبولیت کا باعث بنتی ہے اور اس درگاہ میں  
مشکل کام کی بہ نسبت سہیل کام نو یا وہ مقبول ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں  
وارد ہوا ہے کہ مسلمانوں کی راہ سے خاردار شاخ دور کرنے کی وجہ سے ایک  
شخص بہشتی ہو گیا اور اگر کسی وقت اوامر و نواہی کے اہتمام میں کچھ سستی  
یا غفلت ہو جائے تو نفس کو اس سستی کے بدلے مناسب سزا دے۔ اس  
واسطے کہ ہر نفس اپنا آرام چاہتا ہے اور جب کہ احکام اور نواہی کی  
مخالفت میں تکلیف اور ذلت پائے گا اور عبادات پر ہمیشگی کرنے اور  
اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بغیر یقیناً خلاصی کو محال  
جانے گا تو خود بخود امور شرعیہ کا انحراف اس میں پیدا نہ ہوگا اس لیے کہ  
ہر نفس کو تکلیف اور ذلت سے بچنا منظور ہے اور جب حکم الہی کی بجا  
آوری میں وہ اپنا بچاؤ سمجھے گا تو مخالف راہ اختیار نہ کرے گا اور سزا  
کا نمونہ یہ ہے کہ ناز سے سستی کرنے کے مقابلہ میں جو کہ بہت کھانے



اور پینے سے پیدا ہوتی ہے "روزہ رکھے اور اگر دوست یاروں کی  
 ہم نشینی اور دلپذیر باتوں سے رکاوٹ پیدا ہوئی تو گوشہ نشینی اختیار  
 کرے ان کی صحبت چھوڑ دے اور اس قسم کی باتوں سے خاموشی لازم  
 جانے اور دس بدعات میں اس رباعی میں بیان کی گئی ہیں۔

### رباعی

خواہی کہ شود دل چوں آئینہ  
 وہ چیز بردوں کن از درون سینہ  
 حرص و طمع و بخل و حرام و غیبت  
 کذب و حسد و کبر و ریاء و کینہ

حرص اور طمع میں یہ فرق ہے کہ حرص تو موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور  
 غائب خیالی چیزوں کی خواہش طمع ہے خواہ وہ چیزیں بعید الوقوع ہی ہوں

### دیہلا افادہ

کافی قدر کے حاصل ہوتے زیادتی کی طلب اور خواہش حرص ہے پس  
 اگر اس زیادتی کی مقدار جو نفس کو مطلوب ہے موجود چیزوں کی مقدار سے کم ہو تو  
 مطلوب نفس کے انداز سے پر موجود سے خیرات کر دینا اور باقی پر قناعت کرنا  
 اس کا علاج ہے۔ مثلاً ایک سیر موجود ہے اور نفس حرص کی زیادتی کی وجہ  
 سے آدھ سیر کی زیادتی چاہتا ہے تو آدمی کو چاہیے کہ ایک سیر سے آدھ  
 سیر خیرات کر دے اور باقی آدھ سیر پر قناعت کرے و علیٰ ہذا القیاس۔ اور  
 نفس کو کہہ دے کہ اگر تو موجود چیزوں پر قناعت نہ کرے گا تو اس طرح میں  
 تیری مخالفت کروں گا اور لباس اور مکان اور ان کے سوا اور جن چیزوں میں نفس  
 کی حرص معلوم کر کے ایسا ہی عمل در آمد کرے گا اور اگر نفس کی خواہش موجود



چیز کے برابر یا اس سے کئی گنا ہو تو بھی موجود چیزوں کا نصف خرچ کر دے اور مذکورہ کلام سے نفس کو کرے اور اگر پھر حرص باقی رہے اور نفس موجودہ مقدار پر قناعت نہ کرے تو پھر اس کا نصف خرچ کر دے اور اسی کلام سے نفس کو خطاب کرے۔ پھر بھی اگر وہ بدعادت اس کے نفس سے زائل نہ ہوتی تو پھر قدر موجود میں سے نصف دیدے اور نفس کو وہی بات کہے۔ القصدہ یا تو نفس قدر موجودہ پر قناعت کرے گا اور وہ بدعادت اس سے جاتی رہے گی یا وہ مرغوب چیز بالکل اس کے ہاتھوں سے جاتی رہے گی۔ اس طرح کرنے سے حرص کی جڑ اس کے دل سے اکھڑ جائے گی

### دوسرا افادہ

طبع کا یہ علاج ہے کہ جب کسی چیز کی طمع اس کے دل میں آئے تو اس قسم کی جو چیز یا فائدہ میں اس جیسی چیز اس کے پاس موجود ہو اس کو اللہ خرچ کر دے مثلاً اگر ایک عمدہ پوشاک کی طمع اس کے دل میں آجائے تو زینت کے موجود لباس کو فروخت کر دے۔ اور اگر عام چیزوں کی طمع اس کے دل میں کھٹکے تو آہستہ آہستہ تمام موجودہ اشیاء کو خرچ کر دے اس بدعادت کی تعبیر اس طرح کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا نفس اس سے پاک ہو جائے یا ساری مرغوب چیزیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں لیکن مال کو اس طرح نہ خرچ کرے کہ اس سے کسی نا جائز کام کا اڑکاب لازم آئے مثلاً جس لباس سے تر عورت کرتا ہے یا اس کے ساتھ گرمی اور سردی سے بچتا ہے نہ دے یا اپنی گزران کا سارا سرمایہ برباد کر کے اس قدر محتاج ہو جائے کہ بھیک مانگنے لگے۔ اس طرح کا خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس طرح سے طمع کا علاج کرنے میں صریح نا صاحب جائز



کام لازم آتا ہے اور ناجائز سے بچنا لازم ہے۔ پس اس طرح ہرگز خسرت نہ کرے مگر اس قوی ہمت کو اپنا تمام سرمایہ صرف کرنا جائز ہے جو اپنی معاش کا تمام سامان خرچ کر دینے کے باوجود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہو گا اور شریعت کے احکام پر مضبوط رہے گا۔

### تیسرا افادہ

صفت ضمیمہ بخل جو دل کے ساتھ چسپاں ہو اگر چہ بظاہر اس کے آثار میں سے کوئی اثر آشکارا نہ ہو۔ اس کا یہ علاج ہے کہ ہر حال میں اپنے آپ پر بخشش کے اعلیٰ مراتب کا التزام رکھے اور ہمیشہ سخی لوگوں کے طریقہ پر چلنا اختیار کرے تاکہ کبھی بھی اس کا وسوسہ اس کے دل میں نہ آئے۔

### فائدہ

طمع اور بخل کے علاج میں یہ فرق ہے کہ طمع کے دفع کرنے کے واسطے تو اپنی ضروری حاجات کے سوا جو کچھ اس کے پاس موجود ہو دے دے اور بخل کے دور کرنے کے لئے جس چیز پر خیال گذرے دے دینی چاہیے۔ اگر کوئی بخیل اپنا تمام سامان خرچ کر کے بے اسباب فقیر بن جائے تو بھی بخل کی بد عادت اس سے دور نہ ہوگی بلکہ اس بد عادت کے دور کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کپڑے کا دینا اس پر گراں گزرے تو کپڑا دے دے اور اگر طعم کا دینا دشوار معلوم ہو اور نفس اس کے دینے سے سرکشی کرے تو وہی کھانا فقیر کے حوالے کر دے اور اپنی تمام مملوکہ چیزوں میں اسی طرح کا تصرف کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیزیں ختم ہونے کو پہنچیں۔ اس وقت مال کے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور حلال طریق سے اور مال حاصل کرے پھر اس مال میں اس طرح کا تصرف کرے



اور اس بد عادت کی تدریس اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ نفس اس سے پاک ہو جائے اور جب رات دن نفس کے ساتھ اس طرح کا مقابلہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ بد خصلت اس سے دور ہو جائیگی۔

### پوچھا تو افادہ

حرام کا یہ علاج ہے کہ جب نفس حرام کی خواہش کرے تو اس حرام کی جنس کا جو حلال ہو اس کو بھی ترک کر دے خواہش نفسانی سے اس کا تناول نہ کرے بلکہ جان بچانے یا شرعی عبادت اور احکام کے بجالانے یا حقداروں کے حق ادا کرنے کے واسطے استعمال کرے مثلاً نفس کہے کہ غیر کا مال چھین کر یا چر کر کھانا چاہیے تب حلال طعام بھی خواہش کے وقت اسے نہ دے اور جب نفس چاہے کہ اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنا چاہیے اس وقت کھانا نہ کھائے بلکہ جب وقت کے بدل جانے سے کھانا کی خواہش اور بھوک جاتی رہے تو اس نیت سے کہ ضعف بدنی جہاد جیسی عبادت شاقہ یا نماز جیسی عبادت غیر شاقہ سے ماندگی کا باعث ہوگا۔ بقدر حاجت کھانے اور طعام کی جنس میں بھی اسی طرح کرے۔ مثلاً نفس چاہتا ہے کہ فلاں کھانا کھانا چاہیے تو ضرورت طماننے کے لئے دوسری قسم کا کھانا کھائے اور دوسری قسم کی حرام خواہشوں کو بھی اس پر قیاس کر لے مثلاً اگر نفس زنا کی خواہش کرے تو حلال مجامعت سے بھی نفس کے ارادے کے مطابق پرہیز کرے اور وقت اور حالت کو ٹال کر بی بی کا حق ادا کر نیکنے واسطے دوسرے وقت میں جماع کرے۔

### قائدہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیگانی عورت کے دیکھنے اور اس کی طرف



اپنے دل کے میلان کے وقت اپنی حلال عورت کے ساتھ حاجت کو دور کر لے  
 جیسے مشکوٰۃ شریف میں ہے اِنَّ الْمَرَاةَ تَقْبَلُ فِي صُوْرَةِ شَيْطَانٍ  
 اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَنَّهُ الْمَرَاةَ وَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ فَلْيَعْمَلْ عَلٰى  
 اَمْرَاتِهِ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ شُرْكٌ مَا فِيْ نَفْسِهِ . . . . .

یعنی بے شک عورت شیطان کی شکل میں سامنے ہوتی  
 ہے اور اسی کی شکل میں بیٹھ پھرتی ہے، جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت  
 پسند آجائے اور اس کی محبت اس کے دل میں بیٹھ جائے تو اسے چاہئے  
 کہ اپنی عورت کا ارادہ کرے اور اس سے صحبت کرے بے شک یہ کام  
 اس کے دل کی بات کو دور کر دے گا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر  
 خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا پس آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو وہ عورت اچھی معلوم ہوئی۔ پس آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس  
 تشریف لے گئے وہ خوشبو تیار کر رہی تھیں اور ان کے پاس اور بھی چند عورتیں  
 بیٹھی ہوئی تھیں۔ پس وہ مکان کے خالی کرنے کے واسطے وہاں سے چلی گئیں  
 تو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی اور فرمایا  
 تَعَجِبُهُ . . . . . فَلْيَنْقِمِ اِلٰى اَهْلِهِ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا

یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور وہ اسے خوش لگے تو اسے چاہئے  
 کہ اپنے اہل کی طرف اٹھ کر چلا جائے کیوں کہ اس کی بی بی کے پاس بھی وہی  
 چیز ہے جو اس کے پاس ہے یعنی حاجت روائی میں دونوں برابر ہیں۔  
 یہ سنت قولی اور فعلی بیان مذکورہ کے مخالف نہیں اس لئے کہ اس حدیث

شریف میں پاک پرہیزگار کے حال کا بیان ہے اور بیان مذکورہ اس  
 بدکار حرام کے گرفتار کا معالجہ ہے کہ اس کا نفس ارتکاب حرام سے ہرگز



باز نہیں آتا ہے اس کا علاج خواہشِ نفس کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: **وَأَمَّا مَنْ خَاتَمَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ** یعنی ولیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا اور اس مقام کی پوری ماہیت یہ ہے کہ جماع کی خواہش دو طرح پر ہے ایک تو یہ ہے کہ نفس اس کی لذت میں مستغرق ہو جائے اور دل کا حرام کی طرف مائل ہو جانا اور حرام سے باز نہ آنا اور خاص کر اس وقت کہ نفسانی اور حیوانی لذت حلال میں کم ہو اور حرام میں زیادہ ہو حلال سے انحراف کرنا اس کے آثار میں سے ہے۔ مثلاً ایک شخص کی منکوحہ نہایت خوبصورت خوش وضع اور خوش لباس ہے اور ایک دوسری عورت ایسی تو نہیں لیکن عین جماع کی حالت میں شہوت انگیزا دائیں اور صدائیں پوری بے حیائی سے کرتی ہے وہ نفس و شیطان کے دامن کا گرفتار اس دوسری عورت کی طرف زیادہ مائل ہوگا اور اس کی وجہ لذت جماع میں گرفتار ہوجانے کے اور سوا کچھ نہیں۔ ناآوانی اور مادہ منی کی قلت کے باوجود شہوت انگیزی میں تکلف اسی کے آثار میں سے ہے۔ اس کے حال کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

بیان فرماتے ہیں

”بیت“

بے رغبتی شہوت انگیز  
بے رغبت بود خود ریختن

جماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ منی سے مکان منی بھر جانے کی وجہ سے انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو جائے۔ اس میدان میں کسی عورت یا طریق جماع کی کسی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح بول کے ساتھ شانہ بھر جانے کے وقت انسان کی طبیعت میں قلق اور بے آرامی پیدا



ہوتی ہے اور اسی بے آرامی کی وجہ سے چاروں اچار رفع حاجت کے لیے  
 کوئی مکان تلاش کرتا ہے اور جب کوئی مناسب مکان مل جائے اور اس میں  
 بول کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع نہ ہو تو اس شخص کی طبیعت اس مکان  
 کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور جب تک اس کو حاجت سے فراغت حاصل  
 نہ ہو اس کا خیال اسی مکان کی طرف لگا رہتا ہے اور اگر کوئی مانع ہو مثلاً  
 ایسا مکان ہو کہ اس کا مالک اس جگہ بول کرنے سے تاخوش ہو یا اسی جیسا  
 کوئی اور مانع ہو تو اس کا دل اس مکان کی طرف متعلق نہ ہوگا لیکن وہ بے  
 آرامی کہ کثرت بول کے سبب لگی ہوئی ہے سخت ہو جائے گی۔ پس اس  
 مکان کی خصوصیت یا غضب یا بیع یا ہبتہ جیسے وجوہ تحصیل کی طرف اسکی  
 طبیعت کو مطلق توجہ نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کہ منی کا ظرف بھر جائے طبیعت  
 میں سخت شہوت ظاہر ہو جاتی ہے پس جس وقت اپنی قضائے حاجت کے  
 مناسب کسی عورت کو دیکھتا ہے اس کی شہوت کا جوش بڑھ جاتا ہے اور جب  
 تک اس کی حاجت پوری نہ ہو اس کا خیال اپنی حاجت میں لگا رہتا ہے۔  
 پس اس میلان میں اس عورت کی خصوصیت کچھ دخل نہیں ہوتا بلکہ اس عورت اور  
 حرام کاری سے باز رہتا ہے لیکن جامع کا وہ اشتیاق جو اس عورت کے  
 دیکھنے سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے دل میں رہتا ہے۔ یہاں  
 تک کہ حلال سے اپنی حاجت پوری کرے پس حدیث شریف کا مورد یہی  
 دوسری قسم ہے۔ چنانچہ **فَانِ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلُ  
 الَّذِي مَعَهَا** ..... کا قضا اس سے خبر دے رہا ہے  
 اس لیے کہ اس جگہ محض حاجت روائی میں مماثلت مقصود ہے۔ صورت اور  
 سیرت میں مماثلت مراد نہیں۔ اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جناب امام المعصومین



وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اجنبی عورت کی خواہش پیدائ ہو تی تھی بلکہ محض حاجت کو پورا کرنے کا وہ تقاضا جو چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا۔ اور پہلی قسم سے نفس کی مخالفت جو کہ نفس کو اس کی خواہش سے روکنے میں داخل ہے

ایک ایسا امر ہے جو اہل شرع اور اہل عقل دونوں کے ہاں مسلم ہے : شعر

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تَهْمِلَهُ شَبَّ عَلٰی

حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَقْطِعَهُ يَنْفَطِرُ

یعنی نفس بچے کی مانند ہے۔ اگر تو اس کو چھوڑ دے تو دودھ پینے کی محبت پر وہ جوان ہو جائے گا اور اگر اس کا دودھ چھوڑا دے تو دودھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ خلاصہ کلام اس فن کی اصطلاح کے بموجب یہ حدیث شریف حقوق نفس کے ادا کرنے کے بیان میں ہے اور مذکورہ معالجہ اس کو اپنی لذتوں کی پیروی کرنے سے پاک کرنے کے بیان میں ہے۔

### پانچواں افادہ

غیبت کا علاج یہ ہے کہ اگر صرف اس کا خیال ہی دل میں گزرے تو چاہئے کہ ماسوئی اللہ سے منقطع ہو کر نہایت زاری کے ساتھ اس شخص کی بہتری کی دعا کرے جس کی غیبت کا خیال دل میں گزرا ہے اور بہتری بھی وہ ہونی چاہئے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہو اور دعا بھی ایسی کیفیت سے ہونی چاہئے کہ اپنی اشد ضرورت کے موقع پر کیا کرتا ہے اور اگر اس کام میں نفس سستی کرے تو نفس کے درپے ہو کر خواہ مخواہ یہ دعا کرے اور نفس کو اس دعا میں ہرگز سستی نہ کرنے دے بلکہ دو تین روز تک اس کے درپے رہے اور اگر غیبت ہو جائے تو دعا کے علاوہ اس شخص سے اپنا قصور معاف کرائے اور تنہائی میں اس کو کہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے۔ ظاہر



کرنے کا تو یہ فائدہ ہے کہ نفس اپنے عیبوں کے ظاہر کرنے سے بھاگتا ہے اور اپنے عیب کا ہرگز اقرار نہیں کرتا اور عیب کے ظاہر کرنے میں نفس کو سخت شکستگی پہنچی ہے اور تنہائی کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا شائع کرنا منع ہے اور ناجائز کام کرنا برا ہے اور اس شخص کو بھی اس کے اظہار سے منع کرے

## چھٹا افادہ

بھوٹ اگر محض زبانی لذت کے واسطے ہو اور اس میں کسی کا نفع اور نقصان نہ ہو تو اس کا علاج خاموشی ہے اور مجلسوں میں بھی گفتگو سے پرہیز کرے تاکہ کلام کی لذت اس کے دل سے جاتی رہے اور مجلسوں میں بیٹھنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ مجلسوں میں بیٹھ کر خاموش رہے کیوں کہ یہ بات نفس پر نہایت شاق گزرتی ہے اور اگر دو شخصوں کے درمیان بگاڑ اور فتنہ انگیزی کے لئے بھوٹ بولا ہے تو اس کا علاج غیبت کے علاج کی مانند ہے۔ دونوں کو اکٹھا کر کے تنہائی میں ان کو مطلع کرے کہ میرے نفس نے مجھ کو تمہارے درمیان فساد ڈالنے پر اغوا کیا تھا میں تم سے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور ان کو اپنے آپ سے راضی اور خوش کرے اور ہمیشہ ان کی بہتری میں کوشش کرے اور جو امر کہ ان کے زیادہ اتحاد کا باعث ہو اس میں نہایت سعی بجالاتے اور اگر وہ دو سے زیادہ ہوں ان سب کو اکٹھا کرے اور بطور سابق اغیار سے پرہیز کرے اور غیب اور کذب میں اہل حق سے معافی طلب کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرے کیوں کہ اس کا حق تمام اہل حقوق کے حقوق سے اسلی اور افضل ہے :



## ساتواں افادہ

حسد اگر صرف دل میں ہو تو اس کا علاج تو محسود کے کمالات اور عزت اور مرتبے کی زیادتی کے لئے جس میں حسد کیا ہے دعا کرنا ہے اور چلیسا غیبت کے بیان میں مذکور ہوا ہے نہایت زاری کے ساتھ دعا کرے اور ظاہر میں بھی حتی المقدور اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ محسود کی ترقی میں کوشش کرے تاکہ حسد کا وسوسہ نفس کے مقابلہ اور مخالفت کے باعث اس کے دل سے جاتا رہے اور پھر کبھی نہ آئے اور اس محسود مسلمان کو فائدہ حاصل ہو اور اگر حسد کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو گیا مثلاً جو کمال حسد کا باعث ہوا ہے اس میں محسود کی نالائقی کی نسبت کوئی کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا ہو تو محسود کو اس پر مطلع کر دے اور جس کے سامنے اس کی نالائقی کی بابت کہا ہو اس کو اپنی غلطی کی خبر بھی کر دے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرے اور جس قدر اس کی لیاقت معلوم ہو نہایت خوبی اور عمدہ تقریر کے ساتھ بیان کر دے مثلاً آقا کے حضور میں کسی شخص کی نسبت حسد سے کہا ہو کہ وہ لیاقت اور اعتبار کے لائق نہیں تو اس شخص کو بھی اطلاع دے کہ اپنے قصور کا اقرار کرنے اور اس سے معافی مانگے اور آقا کو بھی اپنی غلطی پر آگاہ کر کے نالائقی کے بجائے اس کی لیاقت اس کے ذہن نشین کرادے جتنا نئے کا یہ فائدہ ہو گا کہ وہ شخص بھی اپنے کام کے خلل سے آگاہ ہو کر اس کا تدارک کرے گا اور اگر واقعی لیاقت والا ہے تو اپنی لیاقت ظاہر کرنے گا ورنہ اظہارِ لیاقت کے بغیر ہی کوشش کرے گا :

## آٹھواں افادہ

اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے



ذلت اختیار کرے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کی وجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کی تقلید ہوں اور اپنے ہم جنسوں میں اس پر ہنسی اڑے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور اپنے آپ کو اس کے طالبوں کی سلک میں شمار کرنا چاہتا ہے تب تو کسی بات کی پرواہ نہ کرے گا۔ تم دیکھتے نہیں یہی باعزت لوگ ہوتے ہیں جب اپنے آپ کو آزادوں کے زمرے میں داخل کرتے ہیں تو ان کا لباس اور ان کی روش کے قبول کرنے میں جو بالکل عقل کے خلاف ہے ہرگز کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی عزت اور فخر جانتے ہیں۔ معزز اور میرزا ہوتا ہے وہ بیچڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں سے جن کو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارا نہیں کرتا جان و دل سے قبول کر کے انہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگوں کے سامنے پھرا کرتا ہے اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کرے گا۔ جو کہ عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہے گو مرضیات الہی سے بے خبر لوگوں کی ناقص عقولوں کے مخالف ہیں اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جدا اور علیحدہ ہے مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں سے پورا کیا ہے :

قرآن افادہ

مثالی کے طور پر یا کا علاج یہ ہے کہ جو ریا نماز میں عاجز ہو جائے



اس کے خیال کو اپنے مندر کے موافق دہرا کرے اور اگر کوشش کے باوجود بھی دفع نہ ہوئی تو ریا کے لمحوں کو گن کر یاد رکھے اور تنہائی کے وقت میں مثلارات کے وقت جب کہ بالکل اکیلا ہو اور کسی آدمی کے آگاہ ہونے کا امکان نہ ہو پس اگر یہ معاملہ دو رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو دو رکعتیں اور اگر چار رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو چار رکعتیں لمحات ریا کی گنتی کے موافق نہایت ہی حضور اور خلوص کے ساتھ ادا کرے اور اگر اس وقت بھی خلل ہو تو جس نماز میں خلل واقع ہوا ہو اس کو گنتی سے ساقط کر دے اور دوسری دفعہ پڑھے یہاں تک لمحات مذکورہ کے برابر ریا سے پاک اور خالص نماز پوری ہو جائے اور اس کے پورا کر لینے تک نفس کو ہرگز نہ پھوڑے اور اسی طرح اگر لبتہ دینے میں ریا پیش آئے تو اپنے نفس کو بھڑکے کہ محبوب مال کا دسواں حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور اگر باز نہ آئے تو ایسا ہی کرے بلکہ نفس کی کمال کسرشی کی صورت میں اس کو کہے کہ جس قدر تو چاہتا ہے سیر ہو کر اپنا کام کر انشاء اللہ تعالیٰ تو اس کی پوری سزا پائے گا۔ پھر اس کسرشی کے موافق اس کو سزا دے اور فرضوں کے ادا کرنے میں ریا نہیں سنتیں اور نفل ریا کا مقام ہیں لیکن اس خیال سے کہ ریا پیش آگئی ہے یا پیش آجائے گی سنتوں اور نفلوں کو پھوڑنے سے بلکہ پڑھے اور جس طرح ریا کا علاج مذکور ہوا ہے اسکی تعمیل کرے :

### دسواں مشادہ

اگر کینہ دل سے تجاوز نہ کر چکا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح سے اخلاص کا طریقہ اختیار کرے کہ اس کے دل میں بھی اخلاص پیدا ہو جائے اور دلی موافقت کے سوا ظاہری اخلاص کا کچھ



اعتبار نہیں اور اگر کینے کی وجہ سے کوئی بات یا حرکت ظاہر ہو جائے تو جیسے مفصل بیان ہو چکا ہے معافی مانگنا اور اپنے قصور کا اعتراف کرنا اور اخلاص اور دوستی میں کوشش کرنا ہی اس کا علاج ہے۔

### گیارہواں افادہ

جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کا ملاحظہ کرتا رہے گا تو پکی امید ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی لیکن دل میں صرف تخیلیہ اور تصفیہ کا گمان پیدا ہو جانے سے اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنا امتحان کرے مثلاً خانقاہ پر بیٹھنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا امیر کو نہایت بدبے اور دھوم دھام میں دیکھ کر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ نہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں بلکہ اس بدعادت سے اس کی پاکیزگی اس وقت ظاہر ہوگی کہ اس کا پیر بھائی اور ہم خانقاہ اور ہم نسبت اور ہم پیشہ ان ہی اشغال اور اعمال میں مشغول ہو کر تھوڑی مدت میں بہت سارے فائدے حاصل کر لے اور اس کا وہ پیر بھائی اس کام میں کہ اس نے اس کے واسطے مدت دراز تک بہت ساری محنتیں اٹھائی تھیں بہت جلدی محنت کے سوا ہی مشارالہ اور ممتاز ہو گیا اور اس کے سامنے اس کا مقدم ہو جانا اور آگے بڑھ جانا واضح ہو گیا اور اس کام کے داناؤں اور خانقاہ نشینوں اور اس کے مرشد کی زبان سے جو اس خانقاہ کا ریس ہے اس کام میں اس کی چالاکی مشہور و معروف ہو گئی اور وہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے سامنے معظّم و محترم ہو گیا۔ پس مذکورہ احکادات کے لحاظ سے اس شخص کو بہت خوشی حاصل ہو اور کسی وجہ کی کوئی سوزش اور تعلق



اس کے دل میں نہ آئے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ البتہ اس کا دل حسد کی بد عادت سے پاک ہو گیا ہے۔ اسی طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور

پیشہ ور کا حال علیحدہ علیحدہ ہے  
تیسری فصل

عبادت میں خصل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں اور  
اس میں دو ہدایتیں ہیں:

پہلی ہدایت

عبادت میں خصل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں  
اور اس میں دو افادے ہیں:

پہلا افادہ

نام خدا کی محبت اور اس کی تعظیم کا نہ ہونا عبادت کے بڑے مخلوق میں سے ہے اگرچہ ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم ہو کر تھی ہے مگر جس قدر کہ کامیابی کا موجب ہو اور جس طرح بزرگان دین کو ہو کر تھی نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے لئے کچھ غائبتیں اور غرضیں ہوتی ہیں کہ انہیں اغراض اور غایات کے موافق محبت اور تعظیم بدلتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص بہت ساری قیدوں اور شرطوں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس غرض سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے کہ اس نام پاک کی برکت سے چند روپوں کی نوکری ہاتھ آجائے یا کسی سردار یا امیر کے سامنے معزز ہو جاؤں جس قدر وہ غرض زیادہ عزیز ہوتی ہے تعظیم اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کی اغراض میں سب سے اعلیٰ سلطنت اور بادشاہی سے اگرچہ اس عہدہ غرض کے واسطے جو شخص اللہ عزوجل کا نام یاد کرے گا اس نام پاک کی تعظیم



اور محبت اس کے دل میں احاطہ بیان سے باہر ہوگی لیکن رب العباد کے اس فرمان لازم الاقباد نے قَدْ مَتَّاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ہدایت نشان ہے: لَوْ كُنْتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَفَى مِنْهَا كَافِرًا شَرِبَةَ مَاءٍ کے بموجب یہ دنیا فانی اور تھوڑی اور ذلیل چیز ہے جس شخص نے اللہ تبارک

و تعالیٰ کے نام کو اس کے حاصل ہونے کا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کا مرتبہ اور اس کی قدر نہ جانی اور اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہی

حقیقت دینداری کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اسی لباس

سے آراستہ کر کے جلوہ دیتی ہے مثلاً کوئی شخص اس نیت سے اذکار الہی

پر تہنیشگی کرے کہ میں ایسا کمال حاصل کروں کہ اس کے وسیلے سے بادشاہ اور

اور امیر اور عزت والے لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس التجا

کریں اور میرا نام و نشان اور میرے کمالات کا آوازہ زمانہ دراز تک باقی رہے

اور دور دراز کے ملکوں میں میری ولایت کا آوازہ مشہور ہو جائے اور دراصل

إِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ

لِلْمُتَّقِينَ اور اس کا حال ظاہر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک

قاری اور سخی اور شہید کو قیامت کے دن لائیں گے۔ ان اشخاص مذکورین

میں سے ہر ایک محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی کوشش بیان کرے گا

یہ معنی اسے پیغمبر کہہ دو کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں

دنیا کی قدر چھڑکے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے کسی کا ذرہ پانی کا ایک

گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ یعنی یہ سب کچھ دنیاوی زندگی کا ہی سامان ہے اور تیرے پروردگار کے

ہاں آخرت کی بہتری پڑھیں گاروں کے لئے ہے۔



اور ظاہر اور باطن کا جاننے والا جو کہ دل کے بھید سے واقف ہے ہر ایک کو ان کی اس نیت پر کہ اپنی مشہوری اور آوازہ ہی چاہتے تھے مطلع فرما کر دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔ اس بیان سے یہ نہ گمان کرنا چاہیے کہ رزق کی طلب یا امور دنیاوی کے لئے اذکار الہی حرام اور منع ہیں۔ یہ بات تو ہر صحیح نصوص قاطعہ کے برخلاف ہے۔ بلکہ اس موقع پر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم کے درجوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ذکر کرنے والے ان میں سے مختلف ہو کرتے ہیں اور ان تینوں فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا جو حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان فعلوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی طلب کر سکتے ہیں اور دنیا بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کو دو وجہ سے ادا کیا جاتا ہے اول تو یہ ہے کہ وہ فعل بجا لاکر یہ ظاہر کیا جائے کہ محض اللہ عزوجل کے لئے گئے ہیں حالانکہ اپنے دل میں غیر خدا کی شان کے حاصل کرنے کی نیت ہوتی ہے۔ پس بے شک اس کا فاعل تو بارگاہ الہی سے ہٹکارا ہوا اور دوزخ میں داخل ہونے کے قابل ہے اور ایسے ہی اشخاص کے حال کا بیان حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال مذکورہ بجا لاکر اپنی دلی نیت کے موافق غیر خدا کی رضا مندی کا طلب کرنا ظاہر کرے۔ پس یہ شخص اگرچہ بارگاہ الہی میں حقیر ہو گا مگر اس قدر نہیں کہ اس کے دوزخ میں داخل کرنے کا حکم صادر ہو اور یہ بھی جانا چاہیے کہ یہ دنیاوی کام دھندے ہیں جو صحیح نیتوں کی وجہ سے اچھی خاصی عبادت بن جاتے ہیں مثلاً نیند کہ سراسر غفلت اور حجاب معلوم ہوتی ہے صحیح ارادے اور درست نیت کے باعث ریاکاروں کی عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے۔ عبادت میں اخلاص کرنے کیلئے



کرنے والے کے لئے جب بخوابی حواس کے تھک جانے کا باعث ہو جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور عبادت کی کیفیتوں میں خلل انداز ہو جاتی ہے تو وہ بے ریا مخلص اس لذت اور ان کیفیتوں کا مشتاق ہو کر ان کے دوبارہ حاصل ہونے کو خواب میں ہی منحصر جان کر اسی ارادہ اور اسی نیت سے سو جاتا ہے اور اس کا یہ سوہنہ صد ہا ریا کاروں اور غفلوں کے نماز پڑھنے سے بہتر ہوگا بلکہ اس کی نیند کو ریا کار کی نیند کے ساتھ کچھ نسبت نہیں تاکہ اس کو بہتر کیا جائے کیوں کہ اس کی نماز تو خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے اور عالم علوی سے اس پر پھٹکار پہنچتی ہے اور اس سونے والے پر صد ہا رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا اس پر فیضان ہوتا ہے وَشَشَاتَانِ بَيْنَ الْمَرْتَبَتَيْنِ یعنی ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور جب دنیاوی غرضوں کا تفاوت معلوم ہو گیا تو اخروی اغراض کی طرف انتقال کرنا چاہیے اگرچہ آخرت کی تمام غرضیں بہتر ہیں لیکن ان سب میں مرتبوں اور درجوں کا بہت فرق ہے اہل جنت کے مرتبوں اور درجوں میں تفاوت سے آخرت کی اغراض کا فرق معلوم کرنا چاہیے ان ہی خصال فطرت یعنی مسواک اور کلی کرنے اور اورناک میں پانی ڈالنے اور مانگ نکالنے اور استنجا کرنے اور استوی لینے اور ختنہ کرنے اور بخلوں کے بال اکھڑنے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ معتبر مفسرین کے قول کے بموجب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا انہی امور سے امتحان کیا گیا اور اسی معتبر کسوٹی کے ساتھ ان کی استعداد کے نقد کو پرکھ کر امامت کبریٰ کے درجہ پر پہنچا دیا اور یہی نماز اور روزہ اور قرآن شریف کا پڑھنا اور اذکار اور جہاد اور زکوٰۃ اور حج ہے کہ انہی



کے ادا کرنے سے ارادوں اور نیتوں کے فرق کے باعث حضرت صدیقؓ اور  
 حضرت فاروقؓ اور انہی جیسے دوسرے لوگوں کے مرتبے بدل گئے۔ پس  
 اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی محبت اور تعظیم میں اسی کی رضا مندی کا طلب کرنا سب  
 غرضوں اور تمام نیتوں سے بہتر ہے۔ اس کے نام سے اس کے سوا کچھ نہ مانگے  
 اور اس کے سوا کسی دنیاوی یا اخروی مطلب کو اس کی اجرت نہ سمجھے بلکہ  
 وہ جلیل القدر انعام کہ دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی  
 یہی ہے کہ اس کے پاک نام کے ذکر کی توفیق ملی ہے اسی انعام کو جو محض اسکی  
 قوت اور توفیق سے ہے مفصل طور پر سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دے کر تہ دل سے  
 اللہ تعالیٰ کے احسان کا ممنون ہو اور اس کی شرح اور تفصیل یہ ہے کہ ذکر کے مبادی  
 اور اسباب کا ملاحظہ کرے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ سارے اعضاء  
 اور وہ سارے ظاہر اور باطنی جو اس کے ہر ایک کو ذکر میں دخل ہے سب اسی  
 کے عام انعام میں سے ہیں اس کے بعد وہ توفیق بھی جو کہ خاص لوگوں کی واسطے  
 ایک خاص انعام ہے اسی کی طرف سے ہے اس لیے کہ بہت ایسے  
 اشخاص ہیں کہ ان کے سارے اعضاء اور قوی اور دل اور زبان اور فہم اور عقل  
 سب کچھ درست ہوتا ہے اور ہر اردنیوی تقریریں اور معاشی فکر اس کی زبان  
 اور دل پر گزرتے ہیں اور جو نہی زبانی ذکر اور قلبی فکر کا الادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف  
 توجہ کرتا ہے اس کی زبان پر ایسا بوجھ اور اس کے دل میں ایسے وہم ظاہر ہوتے  
 ہیں کہ اس کی زبان اور عقل ہرگز ذکر اور فکر نہیں کر سکتی۔ حاصل کلام انسان کی  
 زبان پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام جاری ہو جانا چاہیے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے  
 اسی انعام کو سب انعاموں سے بہتر جان کر جزا اور ثواب کی طلب سے انعام



کرے۔ اس وضع سے اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم تمام کمالات کیلئے  
اصل اور بنیاد کے جا بجا ہے :

### دوسرا افادہ

شرعی احکام اور عبادات میں اہتمام نہ کرنا بھی عبادات کیلئے عمدہ  
خلل انداز ہے اور اس کی اصل بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی  
راہ دو طرح کے ساتھ ان کے ہاتھ سے گم ہو جاتی ہے۔ اول تو یہ ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا خیال ہی ذہن میں نہیں آتا بلکہ محض اپنا کمال جو  
در اصل نقصان ہے مد نظر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ  
کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے لیکن اس کے طریق میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور  
جو کچھ ان کی ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ اس کی رضا مندی کا موجب ہے اسی  
کو اس کا وسیلہ بناتے ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی رضا  
جوئی کی راہ سے بالکل بھولا ہوا سمجھ کر اندھے کی مانند *يَا بَصِيرُ خُذْ بِيَدِي*  
بہمیشہ اپنے حال کی زبان کا ورد بنائے رکھے اور اللہ عزوجل کی اس ازلی کلام  
*وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ* کو جس میں اکمل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام  
کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث قدسی *كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتَهُ*  
کو جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے صادق البیان سرور عالم کی زبان  
سے فرمائی ہے اچھی طرح سونچ کر اس کی رضا کے طریق کو اسی کے بتلانے میں  
منحصر جانے اور شرع شریف کو جو مضبوط رسا ہے اپنا رہبر سمجھ کر اس کے خلاف

نے اور آنکھوں والو میرے ہاتھ کو پکڑ لو گے اور اس نے تجھے بھولا ہوا پا کر ہدایت  
کی۔ تم سب لوگ گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کروں



کو کبھی بہتری کا موجب نہ جانے اگرچہ اس کی مخالفت میں کشف و کرامات اور  
انوار تجلیات کے ظہور اور اہل سماوات اور ارواح کے ساتھ مصاحبت  
کا اسے یقین ہو۔

## فائدہ

نامقبول سالکوں میں اس مانع کے ڈھونڈنے کی یہ علامت ہے کہ وہ مشائخ  
کے بتلائے ہوئے اوراد میں جو اہتمام کرتے ہیں فرض نماز میں اس کا عشر عشر  
بھی نہیں کرتے بلکہ جب ملعون شیطان اس جماعت پر قبضہ پالیتا ہے اور بقتلنا  
وَإِخْوَانَهُمْ يَمْدُوهُمْ فِي الْوَعْدِ وَيَفْعَلُونَ  
ان کو راہِ حق سے بہت ہی دور لے جاتا ہے۔ نماز کو سرکاری بیگار کی مانند  
جانتے ہیں اور جو وقت کہ نماز اور وضو میں گزرتا ہے ضائع جانتے ہیں اور  
اسے اپنے لئے کارآمد نہیں سمجھتے۔ معاذ اللہ من ذلک  
اور یہ تو اس جماعت کا حال ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے اور جو  
لوگ اسلام سے خارج ہیں اس مقام میں ان کے حال کی گفتگو نہیں ہے۔  
دوسرے کی ہدایت

سکھلتا میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور ان کے علا جوں  
کے بیان میں اور اس میں تین افادے ہیں۔

## پہلا افادہ

نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ نفس تو اس طرح سے  
کہستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی  
کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل ہو سکے اور سورد ہے یا آرام کرے اور اپنی

لہ اور ان کے بھائی گمراہی میں ان کو مدد دیتے ہیں پھر وہ قصور نہیں کرتے۔



محبوب چیز میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام اور رکوع اور سجدہ اور  
 قعدہ مسنون طور پر نہیں کرتا بلکہ لاغر اور فالج زدہ لوگوں کی طرح اس کے اعضاء  
 میں سستی اور استرخا پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے اعضاء کو ارکان نماز کے ساتھ بے  
 پروائی کی وجہ سے کیف مآتفق یا جس طرح اس کی بدنی راحت کے موافق ہو رکھتا  
 ہے اور اسی طرح تپ زدہ لوگوں کی مانند جو اس باطنہ کی پرگندگی اور وہم اور خیال  
 کی پریشانی اس کے معترض حال ہو کر نماز کی طرف قوی باطنہ اور اعضاءے بظاہرہ کی  
 توجہ میں بڑا خلل ڈالتی ہے، لیکن شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور  
 نماز کی شان میں سبکی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کارآمد نہ جاننا  
 اس کے بدترین وساوس سے ہے اور یہ وسوسہ فرض کے استحقاف اور انکار  
 کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے  
 اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہم کلامی اور مناجات  
 کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح  
 جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے اور قرآن کے حافظ کو  
 غلطی سے بچنے کے واسطے متشابہات قرآنی کے خیال میں ڈال دیتا ہے  
 باوجود آنکہ وہی نماز خواں ایک دفعہ یا دو دفعہ یا سو دفعہ آزما چکا ہوتا ہے  
 کہ بقائے حضور میں نہ تو تسبیحوں اور رکعتوں کی تعداد میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے  
 اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے۔ یہ شیطان کا مکر ہے اور رکعتوں اور تشبیہوں  
 اور متشابہات کا یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ بھلائی کو اس کے عالی مرتبہ  
 سے ادنیٰ مرتبہ کی طرف اتارنا مقصود ہے۔ یہاں تک کہ کشاکشاں اپنے اصلی  
 مقصود کی طرف جا پہنچاتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے  
 اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود پورا نہ تو وہ لاچار ہو کر مقبضائے



اِذْ قَامَتْكَ الْكَلْبُ مَا شَرِبَ الْمَرْءُ فَتَرَ آهِيَةً آهِيَةً غَاوُ خَرَّكَ خِيَال

کی طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے

ع بزرگوار تسبیح و درود لگاؤ خیر

گاؤ خسر تو ایک مثال ہے حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا یا تھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے۔ طالب علم یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں افسوس افسوس بلکہ یہ تو گاؤ خسر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ محل ہے۔ اور دانش مند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن پاک میں سے غریب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لیے معراج ہے۔ نہیں ہرگز نہیں نماز میں یہ توجہ بھی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی۔ یہ بھی نہ سمجھئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس کا عا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فائزہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں متفرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں پس یہ ان لوگوں کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے موقع پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے

لے یعنی جب گوشت یا تھ سے جاتا رہا تو شور باہی سہی و ہی پی لو



آگیا ہے۔ ہاں حاجتوں کی وہ دعا میں جو با کمال نمازی سے مطلق بے نیاز کی ذات میں حاجت روائی کے منحصر ہونے کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں یعنی نماز کے لیے کمال ہے گو وہ قلیل حاجتیں معاش ہی کے متعلق کیوں نہ ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارے میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا قلیح و سوسوں اور نماز کے نقصان میں سے ہے اور جو کچھ حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کر کے کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیے۔

۱۰ کارپا کاں راقیاس از خود گیر : گر چہ ماند نوشتن شیر و شیر  
حضرت نضر علیہ السلام کے لیے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ نیکے  
کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لیے نہایت درجہ کا گناہ ہے  
جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں  
خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے ہو جاتی تھی اس  
لیے کہ وہ مدبر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی  
جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ نہ ہو وہ امر دینی ہو یا  
دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے  
وہ جانتا ہے۔ ہاں بمقتضائے ظلمت بعضها فوق بعض

زنا کے دوسرے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا انہی  
جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو  
لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا  
ہے کیوں کہ شیخ کا خیال تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ  
جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور



اور تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے۔ اور غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو  
 و شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے  
 مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ النسان کو چاہئے کہ آگاہی  
 حاصل کر کے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور سے نہ رکھے اور  
 پیچھے نہ ہٹے اور اس موقع پر اس خلل کا علاج اس طرح بیان کرنا مقصود  
 ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے۔ پس وسوسہ اگر بدترین وساوس سے ہو  
 تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے۔ اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے  
 کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے، ظاہری اسباب کو اس میں کچھ خلل  
 نہیں اور اپنے پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے کیوں کہ پیر اس کام میں  
 اس سے زیادہ باخبر ہے شاید کوئی عمدہ تدبیر بتلاوے اور دعا کرے  
 اور اگر شیطان یا نفس کی طرف سے اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ  
 ہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ مثلاً اگر وسوسہ ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے  
 تو فرض اور سنتوں سے فارغ ہو کر تنہائی اور خلوت میں وسوسے کو دل سے  
 بالکل نکال کر سولہ رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ ساری رکعتوں میں  
 خیالات کا سلسلہ لگا رہتا تھا اور اگر ساری رکعتوں میں وسوسے نہیں  
 رہے تھے بلکہ بعض تو حضور کے رات خیالات سے خالی پڑھی تھیں اور بعض  
 خیالات سے آلودہ ہو گئی تھیں تو وسوسے والی رکعتوں میں سے ہر ایک  
 رکعت کے بدلے چار رکعتیں ادا کرے اور مغرب کی نماز کے بعد نماز عصر  
 کا تدارک کرے اور اس کے بعد نماز مغرب کا اور اسی طرح عشاء کا

۱۷ یعنی اندھیرے میں جو درجے میں بعض سے بعض اوپر ۱۲ منہ



تدارک اس کے بعد کرے اور فجر کا تدارک طلوع آفتاب کے بعد چاہئے تاکہ نفل ناجائز نہ ہو جائے اور چونکہ نفس کے واسطے یہ کام نہایت شاق ہے البتہ باز آجائے گا اور اپنے آپ کو وساوس سے روک رکھے گا اور جس وقت نفس قابو میں آجائے اللہ تعالیٰ کا بہت سا شکر بجالائے اور شرع کے بموجب اس کی خواہش کو پورا کرے اور اس کام کے بدلے اس کی دار و مدار کرے اور اس کو آرام دے اور اگر نفسانی یا شیطانی حرکت سے تہجد قضا ہو جائے تو اس دن روزہ رکھے اور اگر روزے میں بھی کوئی نفسانی یا شیطانی مخل واقع ہو جائے تو اس روزے کے ساتھ ساری رات کا جاگنا ملا کر تنبیہ کرے جب شیطان اپنے اثر سے ناامید ہو جاتا ہے تو نفس کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے تاکہ اس کا مدعا حاصل ہو جائے اور نفس کی تادیب اور تنبیہ سے نفس اور شیطان دونوں اپنی شرارت سے باز آجاتے ہیں بلکہ نفس حکم خداوی کا مطیع ہو جاتا ہے اور شیطان کو انسان پر حکومت کرنے کی طاقت نہیں رہتی

### دوسرا افادہ

اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے نفس بہانہ کرے اور اپنے پر اس کو گراں جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی اور شاکر نہ ہو تو زکوٰۃ سے چارگنا اپنے مال سے محض اللہ کے واسطے خرچ کرے تاکہ پھر نفس بہانہ نہ کرے اور اس کو سمجھا دے کہ جس قدر بہانے کرے گا میں اسی قدر مال خرچ کروں گا

### تیسرا افادہ

جس وقت حج اور جہاد فرض ہوں اور نفس کو ان کے ادا کرنے سے سست معلوم کرے، پس غور کرے کہ کون سی چیز اس امر کا باعث ہے کہ اس کی وجہ



سے جہاد اور حج ادا کرنے میں نفس سستی کرتا ہے اس چیز کو چھوڑ دے مثلاً  
 اگر ریاست اور حکومت مانع ہو اور وہ فرماں روائی جو صد ہا لوگوں پر اس کو  
 حاصل ہے اس کو نہیں چھوڑتی کہ چست اور چالاک ہو کر حج اور جہاد کا فریضہ  
 ادا کرے تو اپنے لباس اور خوراک اور نشست و برخاست اور غریبوں اور ذیلیوں  
 کی طرح اختیار کر لے اگرچہ حج اور جہاد بلکہ ساری عبادتیں نفس کے جھگڑے  
 اور کشاکش کے باوجود ادا ہو جاتی ہیں لیکن جو برکت اور رونق فرصت اور اطمینان  
 میں حاصل ہوتی ہے وہ اس صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتی اور جس وقت نفس  
 مطیع ہو گیا اور عبادت میں نشاط کے ساتھ قدم رکھا یہ کام کئی برکتوں کا باعث  
 اور عبادات میں رونق کا موجب ہو گیا اور اگر امور جہاد میں آجانے کے باوجود  
 بھی نفس اس کے حق کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور اپنی محافظت کرتا ہے تو  
 جو کام پوشیدہ طور پر کسی کافر رئیس کے قتل کرنے کی مانند زیادہ مشکل ہو اسی کام  
 کو اپنے ذمے لازم سمجھ کر پورا کرے اور نفس کو سمجھا دے کہ اگر تو سستی کرے  
 گا تو اسی طرح تجھے ہلاکت کے مقاموں میں ڈالوں گا۔ یہاں تک کہ وہ باز آ  
 جائے اسی طرح کرتا رہے

## چوتھی فصل ادا طاعات کے طریقوں کے بیان میں اور اس میں ایک تمہید اور پانچ آفادے ہیں

تمہید

تمہذیب اخلاق اور ادا طاعات سے اصلی مقصود تو نفس کا سفوارنا ہے  
 اور اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور بدعات سے پاک ہو جائے  
 اور بدعاتوں سے نفس کا پاک ہونا ہی نیک عادتوں کے ساتھ اس کا موصوف



ہونا ہے اور عام اہل سلوک اس کو نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں محض خطا ہے کیوں کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے مار ڈالنے کا حکم ہے اور نہ زندگی کے باوجود اس کا کرنا ممکن ہے اور جو ممکن ہے اسی کی بجائے اور ہی کا حکم بھی ہے یعنی نفس کی اصلاح کر کے اسے احکامِ شرعیہ کا مطیع کیا جائے جیسے جاہل انسان کو عالم بنا دیا جائے پس اس کو مار ڈالنے سے تعبیر کرنا غلط ہے اور نفس کشی میں جو مشکل ریاضتیں اور کھانے پینے کی کمی معمول ہے یہ سب غلط ہے۔ ان ریاضتوں کے ساتھ نفس مرتا نہیں بلکہ انسانی وجود کمزور ہو جاتا ہے اور مشکل عبادتوں کے لائق نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ ان ریاضتوں کی وجہ سے نفس میں شکستگی آجائے اور کئی وجہ سے تازگی پیدا ہو جائے

### پہلا اقادہ

ارکانِ اسلام کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان ارکان کی عظمت اچھی طرح سمجھ لی جائے اور جب ان کی بہت سی عزت اور فائدہ جان لے گا تو ان کا اہتمام اور ان کی اصلاح کی بہت تدبیریں کرے گا پس ارکانِ اسلام خاص کر ان سے افضل رکن یعنی نماز کی عظمت کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ہی دشوار ہے لیکن حکم **مَا يُدْرِكُ الْكُفَّةَ لَا يُتْرَكُ كُفَّةً** کسی قدر نماز کی عظمت لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسرے ارکان کی بابت نمونے کے طور پر کچھ بیان کیا جائے گا۔ پس پہلے ایک مثال سن لینی چاہیے۔ ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت بڑی وسیع ہے اور اس کی رعیت بے شمار اور ان گنت لشکر ہیں اور مختلف مقاموں اور جگہوں میں بے حساب تباہیں

لے جو چیز ساری کی ساری سمجھ میں نہ آئے ساری کی ساری پھوڑنی نہ چاہیے۔



موجود ہیں اور ہر کارخانہ پر کئی قسم کے آدمی مقرر ہیں اور ہر ایک کارخانے میں  
 طرح طرح کی چیزوں کو مدخلت ہے مثلاً مزارع اپنے مختلف مرتبوں کے باوجود  
 اپنے کام میں مشغول ہیں اور بیل بے شمار مختلف حاجتوں میں لگائے ہوئے  
 ہیں اور اسی طرح تباہی اور کام میں ہیں اور نقشی اور کام میں اور ہر ایک کے  
 لیے اس کے کام کے موافق ایک معین اجرت اور عہدہ مقرر ہے اور اسی کام  
 کے باعث ہر ایک کو جناب بادشاہ کے ساتھ ایک خاص علاقہ اور ربط ہے  
 اور اس علاقے کو معلوم کر کے اپنے آپ میں پھولا نہیں سماتا اور اپنی کوشش  
 اور کام پر فخر کرتا ہے اور جب جانتا ہے کہ بادشاہ بے پرواہ ہے کسی کا  
 محتاج نہیں اور میرا جو علاقہ اس کے ساتھ ہے یہ اسی کی عنایت ہے اور میرے  
 فخر کا دار و مدار ہے لیکن ان تمام کارخانوں کے ملازموں کے لیے ایک دوسرے  
 پر مرتبوں اور درجوں میں تفاوت اور بعض کے اعلیٰ درجوں پر معین ہونے کے  
 باوجود ایک معین کام ہے کہ اس سے تجاوز کرنا اور بدن ممکن نہیں اور اسی  
 واسطے کمی بیشی کے لحاظ سے ان کی اجرت میں تفاوت نہیں ہوتی اور بعد  
 ازاں بادشاہ نے ایک خاص چیلے کو نائب اور خلیفہ بنا کر تمام کارخانوں کے قیام  
 کے لیے واسطہ بنایا ہے اور اس کے حاضر ہونے کے واسطے چند اوقات  
 مقرر کیے ہیں تاکہ ان وقتوں میں حاضر ہو کر اپنی حاجتیں بیان کرے اور سلطانی  
 احکام سن کر ان کارخانوں میں ان کو جاری کرے اور چونکہ اس کے لیے دربار  
 کے وقت معین ہیں اور مقررہ اوقات پر حاضر ہونے کے بارے  
 میں اس پر سخت تاکید ہے تمام کارخانوں والے اس کے حال کے نگران اور اس  
 مقام کے مشاق رہتے ہیں اور ہر دربار میں اس کے واسطے ایک عجیب چیز  
 اور ایک بلند مرتبہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ان مقررہ وقتوں



میں بادشاہ کی طرف سے اس پر ایک خاص عنایت تمام کارخانہ جات والوں کی عقلوں پر ظاہر ہوتی ہے اسی واسطے وہ خاص چیلہ تمام رعایا اور لشکر اور اہل سیف و قلم میں ممتاز و معزز ہوتا ہے اسی طرح زمین سے لے کر آسمان تک کی مخلوقات کا یہی حال سمجھنا چاہیے جو احکام الہی میں سرگرم اور مسخر ہیں اور اگرچہ مقرب فرشتوں کے لئے عمدہ عہدے اور بڑے بڑے کام مقرر ہیں مگر وہ اپنے کام اور مرتبہ سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے کارخانہ میں کچھ دخل نہیں اور اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے امور میں کچھ دخل نہیں و علیٰ ہذا القیاس جو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے واسطے مقرر ہو چکا ہے نہ اس کو اس سے تنزل ہے اور نہ ترقی۔ تنزل تو محصوم ہونے کی وجہ سے نہیں اور ترقی نہ ہونے کے لئے معراج کا قصد گواہ بیت

اگر یک سر موئے برتر پریم

فروغ تجلی بسوزد پریم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کے واسطے پیدا کیا اور بے نہایت کمالات کی استعداد آپ میں رکھی اور انہیں بہت سارے کارخانوں کا منظر بنایا اور ترقی اور تنزل حقیقت انسانی کے لئے مقرر فرمائی اور اول اول حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو افراد انسانی کا اصل میں اس کا پورا منظر بنایا تاکہ اس حقیقت کے تمام افراد میں وہ متراثر کر جائے اور اسی واسطے جس طرح خاص شاہی چیلہ ان امور مملکت میں سے ہر ایک امر کا مصدر ہو سکتا ہے جو شامہت کے تمام نوکر چپا کریں پر بانٹے ہوئے ہیں مثلاً گیس رانی اور چوڑا برادری جیسے کام جو غلاموں کے متعلق ہیں تنہائی میں حاجت کے وقت



اس چیلہ سے لیئے جا سکتے ہیں اور اسی طرح کسی کو پیغام پہنچانا اور عند الطلب کسی کا حاضر کرنا جو تعینوں اور چوہداریوں کے متعلق ہے۔ ضرورت کے موقع پر اس خاص چیلہ یا خلیفہ سے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی فرمان نویسی اور جمع خرچ کا حساب کتاب جو غنشی متصدی لوگوں کے سپرد ہوتا ہے ضرورت کے وقت اس خلیفہ سے بھی کر لیا جاتا ہے اور اپنی گری اور انتظام سلطنت اور لشکر کی سرداری اور امور متعلقہ وزارت جیسے عمدہ کاموں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اسی طرح انسانی افراد میں سے کامل لوگ تدبیر کرنے والے، فرشتوں کی ساری خدمتوں کا مصدر ہو سکتے مثلاً جہادِ یادعا کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کی خدمت جو فرشتگانِ غضب سے متعلق ہے جہاد اور دعا کے ذریعہ اس کامل انسان سے ظاہر ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے منافع پہنچانے کی خدمت جو فرشتگانِ رحمت کے متعلق ہے اس سے حاصل ہوتی ہے اور تسبیح و اذکار اور بجا آوری عبادت کی جو خدمت فرشتگانِ مسبحین کے متعلق ہے اس سے صادر ہوتی ہے اور پڑھنے پڑھانے اور ارشاد و تلقین کی جو خدمت فرشتگانِ خدام وحی سے متعلق ہے اس سے درست ہوتی ہے اور سلطنتِ عادلہ اور خلافتِ کبریٰ کے قائم کرنے اور امامتِ باطنہ اور نبوت اور رسالت اور اولوالعزم اور خاتمیت کے عہدوں اور مرتبوں کے مرتب کرنے کی جو خدمتیں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں سے متعلق ہیں اس سے ہوا کرتی ہیں اور باقی خدمتوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ القصد اللہ عزوجل نے اپنے خلیفہ کی دربارداری کے لیے چند اوقات مقرر فرمائے ہیں اور وراثت کے طور پر سارے بنی آدم میں وہ استعداد پوشدہ رکھی ہے اور اس کا اظہار اسی کے اختیار میں دے دیا،



اور نہایت ہی مہربانی اور عنایت کی راہ سے رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے اتارنے اور ان ہی جیسے اور بواعث ظہور استعداد کے ساتھ ہر طرح اس کی امداد فرمائی ہے۔ پس پانچ نمازوں کے وقت جو اس اشرف مخلوقات کے لیے نہایت قرب اور حضور کے وقت ہے اور معنی خلافت کی ایک شاخ سب لوگوں میں موجود ہے جو چاہے اس کو ظاہر کرے اور جو چاہے اس کو بر باد کرے لہٰذا قَدْ افْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا۔

پانچ وقتوں کی نمازوں کا بندوں پر فرض ہونا تمام مخلوقات کی ماہیتوں پر انسانی ماہیت کے بلند ہونے پر معتبر گواہ ہے کہ اس کے افراد آپس میں تنائض اور متفاوت ہوں بلکہ تنزل کرتے کرتے اسفل السافلین تک پہنچ جائیں اور دراصل ان کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے کے باعث بھی ان کی وہی بلندی ظاہر ہوتی ہے اس لیے بڑی بلاؤں اور بڑی سزاؤں میں گرفتار ہونا بادشاہ کے خاص حضور کی ملازموں کا حصہ ہوتا ہے

ع ہم بیشتر عنایت و ہم بیشتر عنایت  
پس ایمانی کمال کی طلب کرنے والے مومن کو چاہیے کہ نماز کی حقیقت اس طرح جانے کہ پروردگار عالم جل جلالہ نے جس کی بادشاہت کی بندگی اور اس کے اوصاف کمال کی کوئی انتہا نہیں۔ اسے تمام مخلوقات سے چن کر سجدت تاکید کے ساتھ پانچ وقت دربار میں حاضر ہونے کا مطلق اذن دے کر دستوری لینے کا محتاج نہیں رکھا اور دروازوں اور نقیبوں کی منت اٹھانے سے سبکدوش کر دیا ہے اور غیر حائری کی سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ پس اپنے آپ کو

جس نے اس کو سنوارا وہ کامیاب ہو اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام رہا۔



اس بڑی نعمت سے جو تمام جہالوں کے رشک کا مقام ہے، محروم کر کے سخت  
 سزا کا مستحق بنانا کس درجہ کی جہالت اور نادانی ہے، نماز کی عظمت کو اس طرح  
 سمجھ کر نہایت ہی خشوع و خضوع اور ادب کے ساتھ اس کو بجالائے جو  
 اس حقیقی بادشاہ کے دربار کی قبولیت کے لائق ہے اور اپنے آپ کو ہمیشہ  
 خدائی احکام میں رکھ کر نماز کے وقتوں کو بے شبہ دربار اور حاضری کا وقت  
 جانے اور تلاوت اور تسبیحوں اور دعاؤں کو اپنے حق میں مناجات اور  
 مکالمہ اور عرض حاجات سمجھے۔ نماز کی اجمالی حقیقت تو یہ ہے کہ لیکن مفصل طور  
 پر اس کے ارکان کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ مثال سمجھ لینا چاہیے کہ  
 جس طرح وہ بادشاہ کا خاص خلیفہ یا نائب جس وقت مناجات اور عرض حاجات  
 کا ارادہ اپنے دل میں پکا کر کے اپنے آقا کے حضور میں نہایت ہی خضوع  
 اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے اعراف کر کے اس  
 کی بادشاہت کی ہیبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر امید اور مناجات  
 کی آنکھ اس کی طرف لگا لیتا ہے۔ پس خواہ مخواہ جوں ہی وہ عالی جاہ بادشاہ  
 اس کی سرگوشی کے ارادے سے مطلع ہوتا ہے اور اس کی عرض حاجات کی  
 امید کو دیکھتا ہے اس کے حق میں ایک خاص مہربانی کرتا ہے اور قبولیت  
 اور پیار کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور تعظیم کے جتنے قول اور فعل  
 اس خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بادشاہ کی عنایت ان پر اور  
 بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس جس وقت وہ فرماں بردار بندہ اپنے آقا کی نعمتوں کو  
 اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ معلوم کر لیتا ہے تو سخت بوسہ یا اس جیسی اور  
 تعظیمیں جو کہ سرگوشی کی اجازت، طلبی کا مقدمہ اور عرض حاجات کا تو طیبہ،  
 ہوتی ہیں بجالانے کے لئے ٹیڑھا ہوتا ہے اور اس تعظیم کے صادر ہونے کے



باعث بادشاہ کی بے نہایت مہربانیاں اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے مناجات اور عرض مناجات کی دستوری دیتی ہیں۔ پس وہ مطیع بندہ مناجات کا اذن حاصل ہو جانے کے شکرِ یے میں اپنی زبان سے وہ مدح اور تعریف کرنے لگ جاتا ہے جو اس کے مولیٰ کی شان کے لائق ہوتی ہے اور اپنے آقا کی تعظیم کو ظاہر کرنے والا فعل بجا لاکر مناجات اور عرض مناجات میں مشغول ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ وقت اس فرماں بردار بندے کے لیے نہایت ہی کمال اور عالی جاہ بادشاہ کے نہایت قریب اور سلطنت کی ہیبت اور بادشاہت کے غلبہ کے نہایت ظاہر اور واضح ہونے کا وقت ہے اور ایسے وقت میں مناجات کے بعض مضامین اور حاجات کے بعض مقامات میں مہول چوک کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا اس کو حکم ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں تھوڑی دیر مقام مناجات سے جدا ہو کر اپنے خیال اور عقل کو درست کر کے پھر محل قرب میں داخل ہوتا کہ اچھی طرح فوت شدہ چیز کا تدارک ہو سکے اور جب کہ اس طرح کے قرب اور اتصال کی حالتیں اس مطیع بندہ پر وارد ہوتی ہیں۔ نہایت قدر دانی اور قبولیت کا قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیٹھنے کی اجازت دے اس بندے کی عزت افزائی کی جائے لیکن چونکہ بادشاہی دربار میں بیٹھ جانا سخت بے ادبی ہے اس لیے بادشاہ کی حکمت عملی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس بندے کو ایسی خدمات کی بجا آوری کا حکم دیا جائے جو بیٹھنے کے مناسبت ہو مثلاً وہ بادشاہ عالی جاہ اس کی طرف اپنا پاؤں دراز کر دیتا ہے تاکہ چاچی کی خدمت ادا کرنے کے لیے بیٹھ جائے اسی طرح جس وقت شرک سے پاک درست عقیدے والا، خالص نیت والا، بدعت سے بچنے والا، بد عادتوں سے خالی اور عمدہ خصائل سے مزین ایماندار اپنی جان کو بہمی آلودگیوں،



اور اندر کی گندگیوں سے صاف اور اپنے بدن کو حقیقی اور حکمی نجاتوں سے پاک  
 اور اپنے دل کی تختی کو نقوش ماسوی اللہ سے صاف اور دل کو علائق غیر اللہ سے  
 خالی کر کے اپنے دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نہایت محبت  
 اور رغبت سے اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
 کے مضمون کو اپنے دل میں مضبوط کر کے تکبیر تحریر کیا ہے  
 صرف اسی عقد کے ساتھ رحمت الہی جوش میں آتی ہے اور ایک خاص قسم  
 کی عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ حدیث ہے اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ  
 فَلَا یَتَّخِذُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ فَاِنَّ اللّٰهَ بَیْنَهُ وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ  
 وَفِیْ رَدَیْةٍ فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِہُ

اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے اور

تلاوت قرآن اور دعاؤں سے جس قدر تعظیمی اقوال اس سے ظاہر ہوتے ہیں  
 اسی قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیوض اس کے حق میں منبذول ہوتے ہیں  
 تاکہ عنایت تعظیم کا توطیہ یعنی نہایت قرب کی تمہید یعنی سجدہ بجالاتا ہے اور  
 جب اپنے خالص عقل کی طرف ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے مجھے  
 ایسے رفیع مقام یعنی سجدہ پر مطلق ماذون کر کے کوئی مانع نہیں چھوڑا تو  
 اس بڑی نعمت اور عطیہ کا شکر بجالانے کے لیے سیدھا کھڑا ہو کر جو

بے شک میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور  
 زمین کو پیدا کیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہو تو اپنے سامنے تھوک  
 رٹوانے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے کہ کیوں کہ رحمت  
 اس کے سامنے ہوتی ہے :



حمد و ثنا اس کی شان کے ثبوت سے بجا لاکر اپنے ہاتھ کو عاجزی کی مٹی  
 پر گھس کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے اور چونکہ سجدہ نہایت  
 ہی قریب اور تجلیات جلالی اور جمالی کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ لہذا  
 حاجات کے بعض مضامین میں مہجول جانے کے گمان پر اس کو حکم ہوتا ہے  
 کہ اپنے آپ کو اس رفیع مقام سے تھوڑی دیر تار کر مچھرفوت شدہ حاجت  
 کے تدارک کے لیے آجانا اور حیب وہ پاک مومن ان پسندیدہ حالات کو  
 جن کے ادنیٰ درجہ کا تکبر اور کعتوں میں پایا جاتا ہے بار بار بجا لاکر دیکھنے  
 کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے تو بزرگی کے قانون کی محافظت کے لیے نماز  
 کے قعود کو عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اسے اس تشہد کے پڑھنے کا حکم  
 ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے اور ارکان نماز میں تکرار اس لیے  
 مقرر کیا گیا ہے کہ افعال تعظیمی کا بار بار بجالانا نہایت ہی اطاعت پر  
 دلالت کرتا ہے کیوں کہ ایک بار تعظیمی فعل بجالانے میں اس کے اتفاقی  
 صادر ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور قومہ میں بھی ایک تفصیل ہے جس  
 کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ نماز کے ہر رکن میں ایک نئی تیسری اور  
 تازہ لذت ہے پس ضرور ہے کہ رکوع کو سجدہ سے ایک اجنبی فعل کے ساتھ  
 جدا کرنا چاہیے تاکہ ہر ایک رکن کی مستقل لذت نمازی کو حاصل ہو جائے اس  
 طرح دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی ایک گہرا تھبید  
 اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی بے حیثیت آدمی دفعۃً کسی بلند مرتبہ پر  
 فائز ہو جاتا ہے، مثلاً اس کا ہاتھ پایہ تخت شاہی تک پہنچ جاتا ہے  
 یا مستعمل دستار سے بہرہ ور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ہم جنس اور ہم جہول اس  
 امر کا اتفاقی ہونا خیال کرتے ہیں اور حیب یہ امر بار بار مستحق ہو جائے



تو وہ بیہودہ خیال باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب اس مسطحی مہر مٹی کو قرب کے ان عالی مرتبوں کے ساتھ جو سجدہ میں حاصل ہوتے ہیں منظر کرتے ہیں تو خواہ مخواہ سب جہان والوں کے دلوں میں بلکہ اس نمازی کے نفس میں اس امر کے اتفاقی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے پس اس گمان کے دور کرنے کے واسطے ہر رکعت میں اس پاک مومن کو فائزہ خلعت کے ساتھ دوبارہ معزز کیا جاتا ہے۔ ارکان نماز کے اسرار کی طرف اجمالی اشارہ یہ ہے لیکن اس کی تفصیل پس مقام کی تنگی کی وجہ سے عقل مندوں کی عقل کے حوالہ کی گئی ہے۔ اگر اتنی بات پراچھی طرح مطلع ہو کر مداومت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اپنی استعداد کے

موافق الہامات صادقہ کا مورد بن جائے گا۔ حضرت فاروق کے قول  
 اَجْهَزُ جَيْشِي وَاَنَا فِي الصَّلَاةِ کا مہید اس جگہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔  
 اپنے دربار کے وقت میں مسلمانوں کے لشکروں کی وہ تدبیر جو کہ دین متین کی زیادہ قوت اور شوکت کا باعث تھی کیا کرتے تھے اسی واسطے جتنی فتوحات اور اسلام کی ترقیاں آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور کسی زمانہ میں معلوم نہیں ہو سکیں

القصد انسان کے دل میں ایمان اس بیچ کے جا بجا ہے جو زمین میں پھپھا ہوا ہے جو نہی اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کی عبودیت خدائی عالموں میں معلوم ہو گئی ہے تو فرشتوں کی علی جماعت سے زبان حال کے ساتھ اس کی عبودیت اور قبولیت کی آواز نے جہان والوں کے کانوں کو زینت بخشی اور محض کلمہ شہادت کے صادر ہوتے ہی دربار میں پانچ وقت حاضر ہونے اور پاک ہونے کے بہت سے ان حکموں کے ساتھ جو دربار میں



حاضر ہونے کے لئے ایک مقدمہ ہیں معزز کیا گیا ہے اور بہت سے قولی اور فعلی آداب اور بلند اور آہستہ عرضداشت کے سکھانے سے ممتاز ہو گیا۔

### پہلا اقادہ

چوں کہ بموجب منطوق آیہ **جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا** دنیاوی مال اس جہان کی زندگی کا ستون ہے۔ بالکل ان اموال سے قطع تعلق کر لینے کا امر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے انسان مسلمان ہوتے ہی مالدار بن جائے یا پہلے ہی سے مال دار ہو اسی واسطے زکوٰۃ کو نماز کا صنم بنا دیا گیا تاکہ جو مال کہ اکثر غفلت کا موجب ہو کرتا ہے اور اس کی محبت سیاہ دلی کا باعث بنتی ہے مسلمان آدمی کے حق میں ایک قسم کی ہمیشہ کی حاضری بن جائے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ جب آدمی مسلمان ہو اور اس نے جان لیا کہ میں ارکان اسلام کے ساتھ مامور ہوں اور عمدہ ارکان جن میں سے زکوٰۃ بھی ایک رکن ہے اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے اسی وقت اجناس اموال کی تقشیش میں لگ گیا کہ کون سا مال زکوٰۃ کے قبیل سے ہے اور کون سا نہیں اور جو پہلی قسم سے ہے اس کی کیا مقدار ہے اور اس مقدار کی زکوٰۃ کتنی ہے اور سال کا گذرنا جو زکوٰۃ کی ایک شرط ہے کسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ پس جب تک یہ اہتمام اس کے دل کو دامن گیر رہے گا خواہ عین ترقی اموال کی تدبیر میں ہو تو ایک قسم کی حاضری اس کو نصیب رہے گی اور جب فرسبیت کا معنی اچھی طرح سمجھ لے گا یعنی جان لے گا کہ اتنا مال جو ہر سال میں نذرانہ اور



تحفہ کے طور پر اس کے دیباچہ میں حافر کرنے کے لئے میرے ذمے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ محسن اپنا جلیل القدر انعام مجھ پر بڑھانے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اسی واسطے مشغل طور پر زکوٰۃ کا لینا جس طرح کہ قرآن شریف اور حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے اہم اور خلیفہ کا حق ہے کہ یا اس طرح ادا کرنا خود اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں دینا ہے پس ہر سال زکوٰۃ کے ادا کرنے میں مسلمان آدمی اس شخص کی مانند ہے جس کو بے پرواہ عالی جاہ بادشاہ کی جانب سے ایک تاکید حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور استعمال کی چیزوں میں سے ہر سال اس قدر فیصلہ عید یا جشن کے طور پر ہمارے حضور میں لایا کہ و تا کہ ہم اس کو اپنی عنایت کے ہاتھ سے قبول کر کے تم کو اپنی مہربانیوں کا مورد بنا دیں۔ پس دوسرے کا رخنوں والے جن سے عید اور جشن کے موقع پر اس طرح کی نذر مطلوب نہیں بلکہ وہ ادا بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے مرتبہ کی اس بلندی اور اس کی اس محبت اور عزت کے مقرر ہو جائیں جو بادشاہ کی درگاہ میں اس کو حاصل ہے وہ شخص ہمیشہ زیادتی اور ترقی میں رہتا ہے اور عین مشغل اموال میں غفلت اس کے سامنے نہیں آتی۔

### فائدہ

جس طرح طاقت اور سخاوت شعار بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ نذر و نسیان کے مالوں کو اپنی خاص حاجتوں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ عالی مقدار شہزادوں اور بڑے بڑے امیروں جیسے اہل عزت کے مخارج میں بھی ان کے خرچ کرنے کی تجویز نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ایسے مالوں کا مصروف فقط حاجتمند لوگ ہیں۔ اسی طرح حضرت شہنشاہ نے زکوٰۃ کے مالوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عرام کر دیا کہ دراصل انجنا کے خرچ خاص حضرت رب الارباب



کے خارجہ میں سے ہیں اور تمام بنی ہاشم پر جن کو آپ کے ساتھ قرابت کا  
 رشتہ ہے صدقے حرام کر دیے اور ان مالوں کا مسرت و منہ حاجت مند لوگ  
 مقرر فرمائے۔ پس جن لوگوں پر صدقات حرام کیے گئے ہیں ان کو وہ عزت  
 اور فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ اس کے شکر کو کسی زبان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے  
 اگر فقط اسی نعمت کے مقابلہ میں صدقہ یا قسم کی عبادتیں بجالائیں ان کو  
 لائق ہے اور اس جلعی بڑی نعمت کے مقابلہ میں کفران اور نافرمانی  
 کسے درجہ کیے نالائق ہے۔

### تیسرا افادہ

روزے کی فرضیت میں بھی مومن آدمی کی توجہ سارے سال میں حکم  
 الہی کی تعظیم کی طرف لگی رہتی ہے اور خود انتظار میں رہتا ہے اور تیار رہی کرتا  
 رہتا ہے کہ جب رمضان شریف آئے گا تو اس طرح روزہ اور نماز تراویح ادا کروں  
 گا اور قرآن کریم کی تلاوت کروں گا اور اس انتظار اور تیاری اور اخلاص میں  
 لوگوں کی حالتیں مختلف ہوا کرتی ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے ان کی  
 قبولیت کے درجے مختلف ہو جاتے ہیں۔ پورے سال کے اس انتظار کی وجہ سے  
 رمضان کو زکوٰۃ کے ساتھ ایک خاص قسم کی مشابہت ہوتی ہے جس طرح زکوٰۃ  
 کے باب میں مذکور ہوا۔ اگرچہ سب امتوں پر روزہ فرض تھا لیکن اللہ جل شانہ  
 کی بے غایات عنایتوں سے اس امت مرحومہ کے بدنی ضعف اور عمر کی کمی اور  
 بے ہمتی وغیرہ امور کے لحاظ سے اس مبارک مہینے کی تخصیص اور لیلۃ القدر  
 کا تقدر ہوا تاکہ یہ لوگ بھی مشکل اعمال کی مزاولت کے سوا ہی ماہ موصوف  
 اور شب قدر کی برکات کے ذریعہ سے پہلے لوگوں کی مانند یا ان سے زیادہ  
 عالی درجوں پر کامیاب ہوں اور روزے سے ہر سال میں نفس پر ایک قوی



لتاڑ ہوتی ہے جس کا اثر پورے سال تک رہتا ہے اور آدمی کی شہوت اور اس کے غضب اور حرص کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ گو ہر انسان کو اس کی اطلاع نہ ہو

### چوتھا افادہ

لیکن حج اس کے جا بجا ہے کہ بادشاہ نے ایک مقام کو مقرر کر کے اسے اپنی بے نہایت مہربانیوں کا مورد بنایا ہے اور جس شخص کو اس مکان میں طلب کرتا ہے اس کو بہت سنا فیض پہنچاتا ہے اور اس کو اپنے ہمجنسوں میں معظم اور معزز بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بلائے کے سوا اس میں داخل ہو وہ اس پر بھی مہربانیاں کرتا ہے جن کی اس کو لیاقت ہے اور اس کو ابھی اپنے ہم جولیوں میں ایک طرح کی عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔

القصدہ اس مکان کو خواجہ لیغما بنا دیا ہوتا ہے۔ پس جو شخص بلائے پر وہاں حاضر ہو اس کے حال کے موافق اس پر اعزاز اور انعام فرماتا ہے اور جو شخص بلائے طلب وہاں پہنچ جائے اس کو بھی خالی نہیں چھوڑتا اور کسی نہ کسی وجہ سے اس کو عزت اور انعام دے ہی دیتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ مطلق جل شانہ نے خانہ کعبہ اور اس کے ارد گرد کو جسے حرم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ساری دنیا سے ممتاز کر کے اپنے فیوض کا مورد بنا کر ہر کس و ناکس کو واسطے خواجہ لیغما کر دیا ہے پس وہاں بلائے ہوئے جو اشخاص یعنی بنی آدم حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی زرگانگ نعمتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ تمام گناہوں سے مغفرت عامہ بھی انہی نعمتوں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بخش کر اس طرح بنا دیتا ہے گویا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں اور آئندہ کے لیے بھی اللہ جل شانہ کی عنایتیں اس کے شامل حال رہیں گے۔



اور حیوانات اور نباتات جیسی چیزوں سے جو بلا طلب وہاں پہنچ جاتی ہے وہ حرم کی حرمت سے معزز ہو کر اپنے امثال میں سے ایک وجہ کا امتیاز حاصل کر لیتی ہیں۔ پس ہر ایک کو چاہیے کہ اس امرِ عظیم یعنی محض اعزاز اور اکرام کی واسطے ایسے عاجز کو ایسے مقام میں اپنے پروردگار کے بلائے کا دھیان کر کے عظمتِ حج کو اپنے دل میں نچتہ کر لے۔

### پانچواں افادہ

جاننا چاہیے کہ جہتِ ادبھی نہایت فواید اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے اور اس امرِ عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک۔ تو وہ عام فائدہ ہے کہ فرمانبردار مومن اور سرکش کافر اور فاسق اور منافق بلکہ جن اور انس اور حیوانات اور نباتات اس میں شریک ہیں اور دوسری قسم فوائد مخصوصہ ہیں جو مخصوص لوگوں کو پہنچا کرتے ہیں یعنی بعض لوگوں کو ایک طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسری طرح کا لیکن منفعت عامہ کا یہ بیان ہے کہ جس طرح صحیح بکری سے ثابت ہوا ہے کہ حکام کی عدالت اور اہل معاملات کی دیانت اور مالداروں کی سخاوت اور بخشش اور عام لوگوں کی نیک نیتی کے باعث وقت پر بارشیں ہونے اور فصلوں کی کثرت اور کاروبار کی برکت اور آفتوں اور بلاؤں کے دفع ہونے اور مالوں کی ترقی اور زیادہ سے زیادہ اہل ہنر اور کمال کے پیدا ہونے کی مانند آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح دین حق کی شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور ان کی حکومت کے ظاہر ہونے اور مذہب حق کے لشکروں کی قوت اور شہروں اور دیہات میں احکامِ شریع کے پھیلنے کے سبب سے زمین کے قطروں میں اسی طرح کی آسمانی برکتیں بلکہ



ان سے سوگنا زیادہ ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ برکاتِ سماویہ کے نزول میں روم اور ترکستان کے حال کے ساتھ ہندوستان کے حال کا موازنہ کر سکتے ہیں بلکہ ہندوستان کے اس وقت یعنی ۲۳۳ ہجری کے حال کو کہ اس کا اکثر حصہ دارحرب بن چکا ہے۔ آسمانی برکات کے نازل ہونے اور اولیائے عظام اور علماء کرام کے ظاہر ہونے میں اسی ملک اس وقت دو سو یا تین سو سال کے پہلے حال کے ساتھ قیاس کرنا چاہیئے و لیکن اس کے مخصوص فائدے سے سوشہید مومنوں اور غازی مسلمانوں اور طاقت ور بادشاہوں اور لڑائی کرنے والے جو امروں کی نسبت ان کا حاصل ہونا بیان کا محتاج نہیں اور صاف باطن لوگوں کی نسبت اس جہاد کا یہ فائدہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بہت سی بڑی بڑی ترقیاں پاتے اور تھوڑی ریاضت سے ولایت کے مرتبوں پر کامیاب ہو جاتے ہیں اور علماء کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ علوم حقہ پھیلتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والے زیادہ ہوتے ہیں علماء، قاضی، مفتی، مجتہد کے مرتبوں پر فائز عام لوگوں کو مذہب کی طرف عام دعوت کر کے امامت باطن کے منصب پر کامیاب ہوتے ہیں اور عقائد حقہ اور احکام پسندیدہ کے پھیلانے کے باعث نیابت انبیاء کو حاصل کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوتا ہے اور عام صلحا کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ نیکو کار لوگوں کی عزت اور بدکاروں کی بے عزتی اور پسندیدہ جائز امور کی مشہوری اور ناپسندیدہ ناجائز امور کی کمنامی کی وجہ سے صلاح اور پرہیزگاری کی طرف ان کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور نیکو اہل اسلام کے بادشاہوں کی اطاعت اور باعزت علماء اور بزرگ اور اولیاء کی تعظیم اور بڑی بڑی جماعتوں میں داخل اسلام ہونے کے باعث انکی عبادات



کے اجر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور عام مومنوں کی طرف اس نسبت کرنے سے اس کے منافع یہ ہیں کہ معاملات میں ان کی نیتیں صحیح ہو جاتی ہیں اور اللہ عزوجل کی مہربانیاں اور دین حق کے الزام کے پھیل جانے کے باعث ان کے دلوں میں عبادت کی طرف محبت کے جذبات اور رسوم شرعیہ کے مشہور ہونے کے سبب سے ان کی متابعت اگر چہ تقلیداً ہو پیدا ہو جاتی ہے اور نیربرکات سماویہ کے نازل ہونے اور ذوالاقتدار بادشاہوں کی عدالت اور سخی لوگوں کی سخاوت کی وجہ سے ان کو معاش میں فراخی حاصل ہوتی ہے اور قوانین شرعیہ کی متابعت کے باعث ان کے امور معاشیہ اور معادیہ انتظام پاتے ہیں اور بدکاروں اور فاسقوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے فوائد یہ ہیں کہ بنی آدم کے دلوں میں حق مذہب کے الوار کی سرایت اور عام لوگوں کی عقلوں میں برے افعال کی برائی مضبوط ہو جانے اور حق مذہب کے مشہور ہو جانے کے باعث ان کے دلوں میں فسق و فجور سے کراہت پیدا ہو جاتی ہے یا حرول اور تعزیروں کے ڈر اور اپنے خویش و اقربان کی طعن و تشنیع کے خوف کے مارے ان ظہار بدعات و منکرات سے دست کش ہو جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق پاتے ہیں اور منافقوں کی بہ نسبت اس کے یہ فائدے ہیں کہ قتل کے خوف یا ایماں داروں کی عزت اور سرکشوں کی ذلت دیکھ کر بظاہر دین حق پر مستقیم رہتے ہیں اور ظاہر ہو کر کفار کی جماعت میں داخل نہیں ہوتے اور ان کے حق میں یہ امید بھی ہو سکتی ہے کہ حق مذہب کے الوار کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نازل ہونے اور اہل اسلام کی شوکت دیکھنے اور اولیائے عظام اور علماء کرام کے ساتھ میل جول کرنے اور ان کے الوار کے عکس اور ان بزرگوں کی نصیحتوں کے تاثیر کرنے کی وجہ سے مذہب حق کا نور ان کے دل کی تہ میں اثر کر جائے اور



ذمی کافروں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدہ سے ہیں کہ آسمانی برکتوں کے نازل ہو جانے سے ان کی معاش فراخ ہو جاتی ہے اور بادشاہوں کی عدالت کے باعث چوروں اور زہریلوں سے وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور امید ہے کہ اہل حق کے ساتھ خلط ملط رکھنے اور ان کی رسموں کے مشہود ہونے اور ان کے امور معاش اور معاد کے انتظام کے دیکھنے کے باعث اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور اہل حرب کی طرف نسبت کرنے سے اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جائیں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیوں کہ اگر وہ مارے نہ جاتے تو ملت تک اپنے کفر پر قائم رہتے۔ پس خواہ مخواہ ان کا کفر بڑھتا رہتا اور جس قدر کفر زیادہ ہوتا عذاب بھی زیادہ ہوتا۔ اور ان کے بیوی بچوں کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ غلام ہو جانے کی وجہ سے ان کو اہل حق کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے جس سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ان کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔ مختصر طور پر منافع جہاد بیان کیئے گئے ہیں اور اس مقام پر اس کے فوائد کا مکمل طور پر احاطہ نہیں ہو سکتا۔

المقصود شرعیہ کے کارخانہ میں اہل ایمان پر جہاد کا واجب ہونا دنیا کے کارخانے میں بارش اتارنے اور نہروں کے جاری کرنے کے قائم مقام ہے اور بعض بدطینت لوگوں کا ہلاک ہونا مثلاً وہ اہل اسلام جو کہ جہاد سے مانع ہوتے ہیں اور اپنے باطن کی خباثت اور کافروں کی محبت کے باعث غازیوں اور مجاہدوں کی مخالفت اختیار کر کے اپنے آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیتے ہیں اور خبیث منافقوں کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں اس قسم کے چند فاسد الاستعداد اشخاص کا ضائع ہو جانا جہاد کے عام



فائدوں میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ بارش ہی کو دیکھو کہ اس کے عام فائدے تمام مخلوقات کے حق میں ظاہر ہیں باآنکہ نہروں اور سیلابوں کی طغیانی کے باعث چند لوگوں کی عمارتیں گر بھی جاتی ہیں۔

## حاشیہ

### متفرق فائدوں کے بیان میں

اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے

#### فائدہ

جاننا چاہیے کہ سرود کا سنتا بغیر مزا میر کے اور بغیر ریش لڑکوں کے ساتھ میل جول کرنا بدوین شہوت کے اگرچہ ممنوعات شرعیہ سے نہیں لیکن اس قسم کے امور کو راہ حق کے لئے خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں خالی خلل سے نہ سمجھنا چاہیے اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس قسم کے امور مبتدیوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہیں۔ مبتدیوں کے حق میں ان کے مضر ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام روحانی طبیبوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ راہ حق کے سالکوں کے لئے حقوق نفس کا پورا لینا ضروری ہے اور حفظ نفس یعنی نفس کے مزوں کے پیچھے پڑنا مضر ہے خاص کر ایسی مزے جن کی لذت صلب نفس میں واضح ہو جائے اور ان کی شیرینی سویدائے دل میں محکم بیٹھ جائے اور ان کی طلب میں نفس گمراہ و حیران رہ جائے زیادہ تر مضر ہیں، اور یہ حالات بالکل ظاہر ہیں کہ اس قسم کے امور حقوق نفس کی قبیل سے

۱۰ دل کے اندر ایک سیاہ نقطہ ہے جو نفسانی خواہشوں کا محرک باعث ہوتا ہے



نہیں کیوں کہ ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے کبھی جسم میں ضعف اور ناتوانی  
 نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کو چھوڑ دینے سے (ضعف پیدا ہو جاتا ہے) اور  
 نیز ان کے ترک کر دینے سے کبھی انتشارِ حواس اور طبیعت کی بے چینی اور عقل  
 کی پرگندگی نہیں پیدا ہوتی جیسے نیند اور استراحت کے ترک کر دینے سے یہ

امور پیدا ہو جاتے ہیں، اور علیٰ ہذا القیاس کبھی ان کے ترک کر دینے سے اس  
 امر کا خطرہ نہیں ہوتا کہ کسی شرعی حرام میں واقع ہو جائے جیسے جماع کے  
 چھوڑنے سے اس امر کا خطرہ ہوتا ہے، الغرض اس قسم کے امور کو کوئی  
 عاقل حقوقِ نفس کے قبیل سے شمار نہیں کر سکتا۔ پس معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے  
 امور حظوظِ نفس کے سوا اور کچھ نہیں بلکہ اس قسم کے حظوظ سے ہیں جن سے

طالب کو پرہیز کرنا انتہائی موکد و ضروری ہے کیوں کہ یہ سب آواز اور صورت دلبر  
 ایسی چیزیں سے ہیں جن کی لذتِ دل کی تہ میں گھس جاتی ہے اور ان کا اثر  
 دور دراز زمانہ تک نفس کے دامن میں لگا رہتا ہے اور ان کی طلب میں نفس کو  
 بڑا جوش اور اضطراب رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے امور ان مباحات کی

جنس سے ہیں جن کا من و جہم امورِ محرمہ سے پیوند لگا ہوا ہے اور بعض قول  
 میں بعض شخصوں کو کھچ کھچا کر گناہوں تک لے جاتے ہیں مثلاً رگ کے سننے کے  
 ساتھ دل کا کمال تعلق نما میرا اور باجوں کے سننے کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور

بے ریش لڑکوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط اور تنہائی میں ان کے ساتھ  
 بیٹھنا شہوت کے پیدا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ اہلِ فطانت اور

تجربہ کاروں پر پوشیدہ نہیں اور اس قسم کے مباح امور سے پرہیز کرنا اہلِ  
 تقویٰ اور نیکو کاروں کا شعار ہے چنانچہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون  
 بصراحت مذکور ہے اور کسی شخص کو اپنے تقویٰ اور صلاح کے بھروسے پر



ایسے امور میں قدم نہ ڈالنا چاہیے کہ کلام ہدایت الستیام  
 إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْوَسْطِ مَجْرَى الدَّمِ اس قسم کے شبہات کے دور کرنے  
 میں کافی اور شافی ہے۔ لیکن منتہیوں کے حق میں راگ کے سماع کا عادی  
 ہونا ایک اور قسم کا نقصان پہنچاتا ہے اور مردوں کے ساتھ دل کا تعلق ایک  
 اور طرح کا ضرب پہنچاتا ہے۔ لیکن سماع غنا کے عادی ہونے کا نقصان پس اس  
 کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ  
 ہر انسان سلیم الوجدان اپنے باطن میں دریافت کر سکتا ہے کہ کیفیت غضب  
 اور ملکہ شجاعت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں اگرچہ ہر دو کے آثار اور احکام  
 آپس میں ہم جنس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں مثلاً ضرب و قتل  
 کہ غضب کے عارض ہونے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور ملکہ شجاعت سے  
 بھی لیکن اول یعنی غضب جلدی زائل ہونے والے عوارض سے ہے اور اس  
 سے افعال کا صادر ہونا بے انتظام ہوتا ہے اور ثانی ملکات راسخہ سے ہے  
 اور افعال کا صدور اس سے انتظام اور استحکام کے ساتھ ہوتا ہے اور  
 اول کیفیات مذمومہ سے ہے اور ثانی ملکات محمودہ سے۔ پس کیفیت غضب  
 کا طاری ہونا اور اس کے آثار کا صادر ہونا اگرچہ آثار شجاعت کے ظہور کا  
 محل نہیں بلکہ اس کا مؤید ہے لیکن اس کیفیت کا غلبہ اور نفس پر اس کا  
 مستط ہو جانا اور اس کے مقتضی کی اس طرح پیروی کرنا کہ جس کام کا غضب  
 حکم کرے اس کو کر ہی ڈالے خواہ عقل اور عرف کے مطابق ہو اور خواہ

۱۔ یعنی شیطان کا دخل انسان کے باطن میں ایسا ہے جیسے خون جو انسان کے رگ و ریشہ  
 میں سرایت کر جاتا ہے ۲۔ ملکہ اس حلق کو کہتے ہیں جو بلا تکلف انسان سے صادر ہوتا ہے



مخالف ملکہ شجاعت کو بے رونق کر دیتا ہے اور جس طرح صاحب شجاعت  
 متین یا تکمیل ہوتا ہے اسی طرح صاحب غضب سبک مزاج اور بے وقار  
 ہوتا ہے۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مقصود میں غور کرنا  
 چاہیے اور کمال تعق سے نظر کرنے چاہیے کہ وہ جوش اور ہیجان کہ آواز  
 خوش کے سننے سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہ امور  
 قدسیہ الہیہ سے نہیں کیوں کہ اس قسم کے حالات فاسقوں فاجروں بلکہ  
 بدعتیوں اور کافروں کے نفس پر بلکہ سب حیوانات کے نفس پر وارد ہوتے ہیں  
 لیکن الوار عبادت اور طاعات کے اختلاط اور خالق الارض والسموت کی  
 محبت کی آمیزش کے سبب سے ساک راہ حق کے یسے بظاہر ایک قسم کی  
 تاہید معلوم ہوتی ہے اور عارضی طور پر حالات محمودہ سے شمار ہو جاتا ہے  
 لیکن حب ایمانی کے آثار و مقامات کے سامنے اس کی وہی مثال ہے جیسے  
 کیفیت غضب کو شجاعت کے سامنے اور جس طرح سونے یا چاندی کے  
 ٹکڑے کے نیچے آگ جلاتے ہیں تو آگ کی تیزی کی وجہ سے اس ٹکڑے  
 میں ایک جوش سا پیدا ہو جاتا ہے تاکہ پانی کی طرح ہو کر جھاگ اس پر  
 ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا خلاصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ پس فی الحقیقت  
 امر مرغوب وہی ہے جو نیچے بیٹھ جاتا ہے اور جھاگ جو اوپر چڑھ آئی  
 ہے کسی کام کی نہیں <sup>لہ</sup> فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَرَمَّا مَّا يَنْفَعُ  
 النَّاسَ فَيَبْقَىٰ فِي الْاَرْضِ رَاضٍ ط... اسی طرح راک کے  
 سننے والے کے تمام باطن کو گھیر لیتا ہے یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کی طرف  
 نفس کو رغبت ہوتی ہے اور احکام بہیمہ جو کہ الوار قدسیہ سے ملے ہوئے  
 ہیں اس قدر ابھرتے ہیں کہ گویا آسمان پر سر بلند کرتے ہیں اور حب ایمانی کے

۱۔ وہ جھاگ ہے جو جاتا ہے سوکھ کر اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سورتا ہے زمین میں



احکام و آثار میں بیٹھ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور یہ جوش اور میجان امور معتد بہا میں کسی طرح کا آمد نہیں۔ ہاں ایک قسم کا طلسم ہے جو عالم ملکوت کے تماشائیوں کے نظارہ کے لئے ظاہر ہو گیا ہے۔ پس اس قسم کے امور کے پیچھے پڑ جانا اور ان کے حاصل کرنے کے سببوں کا عادی ہو جانا حسب ایمانی کے مقامات کو بے رونق کر دیتا ہے کیوں کہ حسب ایمانی کے صاحب کا مقام سرائر اطمینان و تسکین اور وقار و تکبر ہے اور اہل وجد کا کام سراسر اضطراب اور پیچ و تاب ہے۔ لیکن مردوں کے ساتھ دل لگانے کا نقصان پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ان کے حق میں اگرچہ حظوظ نفسانیہ سے محفوظ ہونا چنداں مضر نہیں لیکن تہ دل میں کسی پیر کا راسخ ہو جانا ان کے حق میں زہر قاتل ہے اور دل کا تعلق مردوں کے ساتھ اسی قبیل سے ہوتا ہے یا اس کی طرف کشال کشال لے جاتا ہے چنانچہ صاحب وجدان سلیم پر پوشیدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابر سالکان راہ حق سے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس قسم کے امور سے کچھ منقول نہیں بلکہ جو کچھ ان کے کلام ہدایت التیام سے اہل فطانت کے ذہن میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان امور سے پرہیز و اجتناب کا اشارہ اور ان کی گراہت کا شعار ہے چنانچہ ماہرین اہل حدیث پر یہ امر پوشیدہ نہیں لیکن جناب سروکائنات علیہ التسلیمات والتجیات کا ان امور کی حکیم پر تصریح نہ فرمانا پس ایک حکمت غامضہ پر بنی ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ امور بالفعل مفاسد شرعیہ میں سے کسی مفسدہ پر مشتمل نہیں باوجودیکہ ان امور کی طرف نفس کی کمال رغبت کی وجہ سے اور مخلوقات کے تمام اصناف میں ان کے کمال رواج کے سبب سے ان سے پرہیز کرنا عام لوگوں کے حق میں



نہایت دشوار دکھائی دیتا تھا۔ پس اگر اس قسم کے امور سے شریعت میں ہرج  
 نہی وارد ہوتی تو قطع نظر اس سے کہ ان امور کے سبب سے کوئی منفسدہ  
 ظاہر ہو یا کوئی مفرت ان پر مرتب ہو محض ان امور کے کرنے سے ایک  
 معصیت شرعیہ کا ارتکاب لازم آجانا اور اکثر امت مرحومہ شقاوت عصیان  
 میں گرفتار ہو جاتی بناؤ علیہ صرف ان امور کی کراہت کے شعار پر اکتفا کی گئی۔ پس  
 طالب راہ حق کو مناسب ہے کہ اس قسم کے امور کا عادی نہ ہو جائے اور اپنے  
 دل کے سویلا میں ان کو جگہ نہ دے اور ان کی طلب میں گزشتہ و بقیہ قرار نہ ہووے  
 صمیم قلب سے ان کی طرف التفات نہ کرے ہاں اگر بطور اتفاق کبھی اس قسم  
 کے امور پیش آجائیں تو ان کے انکار پر اور دینا چنداں ضروری نہیں  
 اور اس کام کے کرنے والوں کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہئے <sup>تشریح فی الدین</sup>  
 اور حکیم حلال نہ لازم آئے اور اگر اپنے عقیدت مندوں بلکہ تمام طالبان راہ حق  
 پر جنہوں نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں کمر ہمت چسپت کی  
 کی ہوئی ہے اس امر کی کراہت ظاہر کرے اور اس امر سے ممانعت کا  
 ارشاد کرے تو احسن واو لے ہوگا۔ بہر حال جن لوگوں نے ان امور کو قرب الہی  
 کا وسیلہ جان کر عبادات شرعیہ کی مدد میں داخل کر رکھا ہے۔ پس یہ لوگ  
 بلا شک اہل بدعت ہیں۔

دوسرا افادہ

جو کچھ اس کتاب میں تخلیہ از اخلاق رذیلیہ اور کلیہ باخلاق جمیلہ  
 کا ذکر مرقوم ہوا ہے وہ دودرہجہ پر متحقق ہوتا ہے۔

وجہ اول

طریقہ اصحاب یلین کا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مرد مسلمان اپنے اقوال



اور افعال کو میزان شرع سے تول کر ضروری مقدار تخلیہ اور تحلیہ کا حاصل کر کے اپنی سعی جمیل پر اجر جزیل کا امیدوار ہوتا ہے اور ان مخطوطہ نفسانیہ اور لذات جسمانیہ سے جو جائز و مباح ہیں پر ہیز نہیں کرتا مثلاً مال و منال کے جمع کرنے اور امتنع اتمشہ کے فراہم کرنے میں نہایت کوشش کرتا ہے اگرچہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ نفقات واجبہ کے ادا کرنے اور اقربا و خویشاوندوں پر خرچ کرنے میں سستی اور تساہل نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس بس اس شخص کی سعی مشکور ہوگی اور اس کا صاحب بقدر اپنے اعمال کے ماجر ہوگا اور اپنی طاعات و عبادات کے حساب پر جنت کے درجات سے کامیاب ہوگا۔

### دوسری وجہ

طریقہ سابقین ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ یہ لوگ صرف قدر ضرورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی عالی ہمت کے بدولت کار عزیمت کو اختیار کرتے ہیں اور ماسوی اللہ سے اپنا تعلق قطع کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال اور اپنے مساعی و اعمال اور جوارح و اعضاء سے منقطع العلاقہ ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو اپنے منعم حقیقی اور مولائے حقیقی کا مال سمجھتے ہیں۔ مثلاً اپنے ہاتھ کو اپنا ہاتھ نہیں جانتے اور اپنے سر کو اپنا سر خیال نہیں کرتے اور کام حسمت و شوکت اور مال و منال اور کام اسباب دنیا کو حضرت حق جل شانہ کا ملک سمجھ کر ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہرگز نہیں کرتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی

۱۔ امتنع جمع متاع یعنی اسباب خانہ و اتمشہ بمعنی فراش و جاہائے منقش (جمع قماش) ۲۔ یعنی اس کی کوشش کی قدر دانی کی جائیگی۔



میں ان کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ اور قصور نہیں کرتے اور یہ  
 وسوسہ ان کے خیال میں کبھی نہیں گزرتا کہ ہماری زندگی اور معاش کس طرح  
 گزرے گی مثلاً اگر ان کو طعام کی طرف کچھ حاجت ہو اور اس حوالہ میں اسکے  
 خیرات کر دیتے ہیں، اپنے مولائے حقیقی کی رضا سمجھیں تو اس کے فریح کر  
 دینے میں کچھ ضرر نہ کریں گے حتیٰ کہ جو مشقتیں اور کوششیں انہوں نے  
 اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کی ہیں ان کو بھی ہرگز اپنا ملک نہیں سمجھتے  
 مثلاً اگر ان کے تمام اعمال حق جل شانہ کسی سرکش کافر کو بچھڑے یا بلا سبب  
 نیست و نابود کر دے تو ہرگز گلہ کا حرف اور شکایت کی حکایت ان کے  
 وہم و خیال میں بھی ہرگز نہ گزرے گی کہ ہمارے اعمال مفت جاتے رہے  
 یا کوئی چیز ہماری تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی بلکہ جانتے ہیں کہ  
 مالک حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے ہمارا ان کاموں کے  
 ساتھ کسی طرح کا کوئی علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ سے صادر  
 ہونا اس چیز کی مثل ہے جسے اس کا مالک ایک صندوق میں جو محض اس کا  
 مملوک ہے رکھ دے پس اس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا  
 تعلق نہیں مثلاً اگر مالک اس چیز کو بالکل برباد کر دے تو صندوق کو ہرگز  
 اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے ان بزرگواروں کو ایسا مقام عطا کرتے ہیں  
 کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لئے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس  
 مقام کے صاحب کے دل سے فوارے کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں  
 کی خیر خواہی جو شرن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو اطلاع ہو کہ ان  
 کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرما دیے گئے ہیں اور انہیں  
 اعمال کے سبب سے ان کا رونا بدست ہو گیا ہے اور ان کا حال بد مال



رو بہ اصلاح ہو گیا ہے تو البتہ ان بزرگوں کو ان کے اعمال کے ذریعے ان گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچے گی اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بند نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے چنانچہ شیخ سعدیؒ شمیم از می نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کو ادا کرتے تھے

بیت

چہ بودے کہ دوزخ ز من پر شدے : مگر دیگران را رہائی بدے  
 القصد جب یہ معنی یعنی امور دنیا و عقبی سے تبری اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جائے گی، اور اس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنا کے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہو جاتا ہے تو عنایت غیبی اس کو برگزیدہ کر کے ممتاز چیلہ خاص کے کردیتی ہے جس طرح کہ بادشاہان ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کر کے چیلہ خاص کا خطاب سے دے دیتے ہیں پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعه و اتمشہ میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے۔ مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاں کو حق پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لے کر سمندر کے کنارے تک ہے۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق مازون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جب نرسبت کہ کہیں عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی



سلطنت ہے اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت مساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

### تیسرا قاعدہ

جو حالات و مقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جو شخص ان سے متصف ہو جائے یا صرف ان کی دریافت علمی سے بہرہ مند ہو جائے اس کو لازم ہے کہ ان مومنوں کی تعظیم و تکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے جو ان امور سے عاقل اور غافل ہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس کی تعظیم کا حق بجالا دے کیوں کہ ہر مسلمان اللہ جل شانہ کا نام پاک کہنے سے کوتاہی نہیں کرتا پس اولاً تو عظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیے یہ نام پاک نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کثرت کمال میں ادراک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اجر اور ثواب کی نہایت نہیں۔ ثانیاً اپنے ابتداء اور انجام کے حال کا ملاحظہ کر کے تکبر کی بری صفت سے بری ہو کر اپنا بازو پست کرے کیوں کہ ابتداء آفرینش میں ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل ناکارہ ہوتا ہے اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا پھر اپنے حق میں خود بینی اور غیر کے حق میں بد بینی کس بھروسہ پر کرے ثانیاً حضرت حق جل شانہ کی عموم رحمت کے لحاظ سے ہر ایک کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیے کیوں کہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنائے کافر کو ایک لمحہ میں نعمت ایمان سے فائز کر کے اسی وقت اس کو نعمت قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت

عاقل یعنی خان جو ان صفات سے موصوف نہیں ہونے کا فرق ہے۔



اور انعام محنت اور استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد بھی اس کے انعام عام میں سے ہے اگر کسی کو بڑے عرصہ میں نہایت سخت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخشش الہی ایسی محنت کے سوا کسی کو حاصل ہو ہی ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے ہزار درجہ سے بڑھ کر بلا محنت ایک لمحہ میں عطا فرمائے کسی نے کیا خوب کہا ہے بیتے  
 واو حق را تا بلیت شرط نیست      بلکہ شرط قابلیت داداوست

### چوتھا افادہ

جاننا چاہئے کہ جو کچھ تہذیب اخلاق یعنی خصالِ رفیلا سے اپنے نفس کو خالی کرنا اور اخلاقِ فاضلہ سے اپنے آپ کو موصوف کرنا اور اصلاحِ اعمال و عبادات کے متعلق پہلے تفصیل وار بیان ہو چکا ہے یہ سب کچھ اس شخص کے حق میں ہے جو خدائے تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور باوجود رضائے مولیٰ کے حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں مقبولیت اور عزت اور اعتبار حاصل کرنا چاہئے اور مطلق نجات کا دار و مدار ان امور پر منحصر نہیں بلکہ نجات کا مدار صرف کلمہ توحید پر ہے کہ صدقِ دل اور اعتقادِ درست سے پڑھ لے اور برے عقیدہ اور کلمہ کفر سے بچتا رہے اگر چہ بڑے بڑے کبیرہ گناہ جیسے زناہ وغیرہ اس سے صادر ہو جائیں لیکن جس شخص نے تصدیقِ کامل اور اذعانِ دل سے کلمہ اسلام کہہ لیا وہ ضرور نجات پائے گا اور بہشت میں پہنچے گا اور جو شخص کلمہ کے مضمون پر اعتقادِ کامل اور تصدیقِ صحیح رکھتا ہو گا وہ ضرور ہے کہ ناشائستہ کاموں کو تہیح ہی جانے گا اور دل میں ان سے بیزار اور پشیمان ہو گا گو بالکل ان کو ترک نہ کر سکے بلکہ ہر روز چند بار بلکہ سو سو بار ان کا مرتکب ہو اور گناہوں کا ارتکاب بھی



مختلف صورت میں رکھتا ہے پس گناہ کا ارتکاب اس صورت سے کہ گناہ کرتا جائے اور عین مشغولی گناہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کو غفور و رحیم جانے اور یہی جاننا گناہ کرنے پر اس کی دلیری اور جرأت کا موجب ہو جائے یہ صورت ارتکاب معاصی کی صورتوں میں سے بدترین صورت ہے کیوں کہ اس صورت سے گناہ کرنا گویا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے استہزاء کرنا ہے معاذ اللہ من ذلک۔ یہ صورت مرتکب گناہ پر غضب الہی کے متوجہ ہو جانے کے باعث ہو جاتی ہے اور جو شخص گناہ کرنے کے وقت میں اپنے آپ کو ہلاک شدہ اور گیا گذرا ہوا اور مستحق عذاب کا جانے کو بعد میں توبہ بھی نہ کرے اس شخص کا انجام انشاء اللہ تعالیٰ نیک ہوگا اور اس کی نیک انجامی کا تعین مشیت خداوندی کے حوالہ ہے اگر چاہے تو اسے نیک عمل کی توفیق دے دے جو کام گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور سب خطاؤں کو محو کر دے یا کسی شفیع کو اس کی شفاعت کی توفیق اور قوت دے کہ اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے یا بدون ان دونوں امر کے طور پر اس کی آمرزش دے یا اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں یا جہنم میں بھگتا کر بہشت میں پہنچا دے۔

### پانچواں قاعدہ

چوں کہ مرد مسلمان کی زندگی اور موت سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے مطابق ہونا کمال ایمان کی علامت ہے اور زندگانی میں تو اس کام کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور موت کے بعد مردہ بدست زندہ ہوتا ہے جو کچھ اختیار چاہتے ہیں کرتے ہیں لہذا مرد مسلمان محب سنت اور مبغض بدعت کو چاہیے کہ جس وقت قریب الموت ہونے کے آثار نمودار ہونے لگیں توبہ



اور استغفار کر کے اپنے ایمان کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ہر وقت میں معین کام میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے کہ غفلت اور بے ہوشی کے طاری ہونے کا وقت ہے اور اپنی جہنیر یعنی گور و جنازہ اور دفن و کفن کے واسطے وصیت تجویز کر کے لکھ کر نگاہ رکھے اور دفن کرنے والوں کو اس بات پر آگاہ کر دے کہ جو شخص کوئی عمل خلاف طریقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤاخذہ کروں گا اور خداوند تعالیٰ کے رو برو اس کا دامن پکڑوں گا اور معاملہ دفن و کفن میں جس بدعت کا رواج ہو نہایت اہتمام سے اس کی ممانعت کرے جیسے قبروں پر قبہ بنانا اور چوناچ لگا کر قبروں کو بچتہ بنانا اور مقبروں کی سجاوٹ میں تکلف کرنا اور چراغ بھانکنا وغیرہ کیوں کہ یہ اعمال لعنت کے موجب ہیں خصوصاً جس جگہ ان کو اعمال صالحہ سے شمار کرتے ہوں اے اَعَاذَنَا اللَّهُ وَجِبِّعَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْبِدْعَاتِ وَرَزَقَنَا اتِّبَاعَ الْمُصْطَفَى فِي جِبِّعِ الْحَارَاتِ.

راہ ولایت کے سلوک کے طریقہ کے بیان میں

اور

یہ باب چار فصل اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے

یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں اوتام مسلمانوں کو بدعت سے پناہ میں رکھے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی تمام حالات میں ہمیں نصیب کرے



## فصل پہلی

طریقہ قادریہ کے اشغال کے بیان میں اور یہ چار فصل  
ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے۔

## تمہید

اشغال طریقہ قادریہ کا خلاصہ مع کسی قدر تغیر کے جو سہولت اور سلوک اور  
جلد کامیاب ہونے کا موجب ہو اور نہایت کے ہدایت میں درج ہو جانے  
کا اثر اس میں ظاہر ہو۔ اس فصل میں تحریر کیا گیا اور چونکہ تمام اشغال ذکر اور فکر  
میں مندرج ہیں اس لئے اس فصل کو دو ہدایت پر تقسیم کیا گیا۔

## پہلی ہدایت

حکمت کے طریقوں کے بیان میں اور یہ ہدایت چار  
انادوں پر مشتمل ہے :

## پہلا افادہ

پہلے پہل ذکر یک ضربی کرنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی  
ہمیت پر روزانہ بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور  
بلند آوازی سے نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک  
کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اس کے  
منہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائے گی اس وقت ایک لمبی  
سی آواز گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی بیان اس کا یہ ہے کہ جب  
السان زور سے آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ سنائی دینے والی  
آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صورت نیالی کہہ سکتے  
ہیں اور جس وقت زور کی بھری آواز تمام ہو جاتی ہے اس کے تمام ہونے کے



بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آجائے اور منہ لب اور زبان کی ہیئت و شکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہے کہ کان کو اس کے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے پس اس کی پھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس کی آواز کے کھینچنے کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سر پوڑالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اس کے ساتھ احاطہ کر لے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اس کے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار یہ سبب تکرار اس نور کے تہ بہ تہ ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑے گا اور اس سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات بحت کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھہرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتا کرتا رہے تاکہ قابو میں آجائے !

### دوسرا افادہ

ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد بطریق مستور ذکر دو ضربی شروع کرے اس کا طریق اس طرح ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر دہنے زانو میں ضرب کرے پھر متخیل آواز کے امتداد کو مستحکم سے دہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ تک پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور



اور کاندرھے اور داہنے ہاتھ کے جا بجا تمام وہ لوزر ہو گیا ہے یعنی یہ سب  
 اعضاء باطل و نابود ہو گئے ہیں اور اس لوزر نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ پھر ذرا  
 سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں لوزر کا اعضاء مذکورہ کے جا بجا ہونا  
 لحاظ میں رکھے تا اس کے ذہن میں اس لوزر کی صورت جا بجا ان اعضاء  
 کے خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اسی لفظ کو اسی لوزر کے ہمراہ سینہ کے وسط  
 سے داہنے شانہ تک کھینچ کر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے  
 اور ایسا خیال کرے کہ وہی لوزر جو اس کی داہنی جانب پر محیط ہو گیا تھا  
 دل میں اتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح  
 خیال کرے کہ وہی لوزر جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے  
 اندر سرایت کر گیا ہے

### تیسرا اعلاوہ

طریقہ ذکر سے ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی  
 طرف میں اس طریق سے لگائے جو مذکور ہو اور دوسری ضرب بائیں جانب  
 اس طریق سے لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگا دے

### چوتھا اعلاوہ

ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طویق مذکور  
 پر داہنی جانب میں لگا دے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں  
 اور چوتھی اپنے روبرو لگا دے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ  
 یہ خیال کر لے کہ گویا جو لوزر اس کے ساتھ برآمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا  
 ہے تاکہ اس شخص کو سارا گھیر لیا ہے اور وہ شخص بالکل اس میں محو و مستغرق  
 ہو گیا ہے بلکہ اس شخص کے بدن کی جگہ وہ لوزر قرار پکڑتا ہے۔



## قائدہ

اس طریق مذکورہ پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا تمام اثر ذکر کے بدن پر اجمالاً و تفصیلاً احاطہ کرنے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اور اذکار مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے اور فنائے جسمانی کی تمہید ہو جائے اور فکر ذکر کے ساتھ مختلط ہو جائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال کرنے میں قریب تر ہو خلاصہ یہ کہ جب اذکار چہارگانہ کے آثار یک ضربی سے لے کر چہار ضربی تک ظاہر ہو جائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے۔

## دوسری ہدایت

اقسام فکر کے بیانیے میں سے اور یہ سائنس  
افادہ پر مشتمل ہے

## پہلا افادہ

پہلا مراقبہ و حدانیت کا مراقبہ ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کو کہ لا شریک لہ اس کا طریق مبین ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی ذات پاک یگانہ ویسے ہمتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں خیال میں گزرتی ہیں۔ اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اس کی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے۔ دوسرے یہ کہ وجود حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے۔ یہ دونوں طریق مراد نہیں بلکہ ان دونوں طریق سے پرہیز اور اجتناب کو لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اس کے وجود کو یگانہ اور تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے۔ نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ ان کو



عین خداوند تعالیٰ کا جانے مثال اس کی اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے جس معنی سے فارسی میں لفظ "ہست" کے ساتھ اور ہندی میں لفظ "ہے" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔

### دوسرا افادہ

مراقبہ و حدانیت کے استحکام اور استقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتدا اور ایک انتہا ہے۔ اس کی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کے محتاج ہونے اور اس کے تمام اشیاء سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا جلالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ مستحکم ہو جائے تو اس کے انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امورِ معاش و معاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے باہیں طور کہ یہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز اور زاری کے ساتھ متشنج اور ملا ہوا یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اس کی طرف حاجت ہے اور اس کی امداد اور اعانت کے بغیر کسی کام کا سر انجام نہیں ہو سکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو اور معاش سے ہو یا امورِ معاد سے اور اس مراقبہ سے اس کو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جناب کبریائی میں حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت و آبرو کو اس کی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اس کو اپنے فخر و اعتبار اور عزت اور مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا اور یہ امر اس کے اعتقاد میں



بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائے گا۔ مثال اس کی اس طرح ہے کہ جس شخص کو ہمیشہ کے لیے کسی بادشاہ کی طرف سے انعام و جاگیریں موروئی اباغین جید ملی ہوئی ہیں اور تمام اس کی معاش اور عزت و اعتبار کا کاروبار بادشاہ ہی کے وسیلہ سے بنا ہوا ہے۔ اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کے سرانجام کے لیے مامور ہو تو اس مہم کے بہم پہنچانے میں جانبازی کو کو بھی اپنا فخر سمجھے گا اور اس مراقبہ سے ایسا نعبہ و ایسا نستعین کے معنی بخوبی جانتے ہیں اور اس مراقبہ کے ثمرات سے توحید الہی کا انکشاف ہے کہ باوجودیکہ کثرت کارکنندوں کے صاحب اس مراقبہ کو ایک ہی فاعل اور ایک موثر ہی ہر فعل اور ہر جنبش سکون میں ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ فاعل حقیقی کی ذات پاک ہے

میں پیرا قادی

اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کرے اور اس شغل کے ارکان چار اسم ہیں اسماء حسنیٰ سے یعنی سمیع اور بصیر اور قدیر اور علیم ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ اسم ذات کو ضم کر کے پس مراقبہ کے طور پر بیٹھ کر خاطر کو جمع کر کے حضور دل سے اپنے خیال میں کہے کہ اللہ سمیع اور اس کو ناف سے جو لطیف نفس کا مقام ہے وسط سینہ تک گھنٹے جو لطیف سر کا مقام ہے اور اس طرح سمجھے کہ اس کی روح جو تمام بدن میں ہر چیز کے سمجھنے اور ادراک کرنے والی چیز ہے صرف وہی ہے اکٹھی اور فراہم ہو کر ذکر مذکور کے ہمراہ ناف سے وسط سینہ تک پہنچ گئی ہے اور اگر ناف سے وسط سینہ تک روح کا انتقال کرنا اس پر دشوار ہو تو ایسا خیال کرے کہ ان دونوں اسموں یعنی اللہ اور سمیع کے



درمیان اس طرح پر گھری ہوئی ہے کہ لفظ اللہ اس کے اوپر ہے اور لفظ سمیع اس کے نیچے ہے پس اس تدبیر سے روح کا انتقال ان دونوں اسموں کے انتقال کے ہمراہ آسان ہو جائے گا پھر اللہ - بصیر کے ہمراہ بطور مذکور لطیفہ اخفی تک جس کا مقام سر میں تالو کے مقابلہ میں ہے پہنچا دے پھر اللہ قدیر کو اخفی سے چوتھے آسمان تک پہنچائے اور اپنی روح کو اس کے تابع اور ہمراہ کرے پھر اللہ علیم کو وہاں سے عرش معلیٰ تک پہنچائے اور اس ذکر استعانت سے روح کو چوتھے آسمان اور عرش مجید پر روح کو کچھ دیر تک یعنی گھڑی آدھ گھڑی تک جتنا ہو سکے ٹھہرا کر اس جگہ روح کو چپ در راست دور و سیر کرائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان مقاموں میں روح کا ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بو بھل چیز کی طرح خود بخود نیچے گر پڑتی ہے پس اس کی تدبیر اس طرح ہے کہ چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخ کے طور پر خیال ساراستہ بن جائے گا تو وہاں روح کے ٹھہرنے اور اقامت کرنے کے لیے اس راستہ کو خیال کی کوشش سے بند کرے تا روح اس جگہ توقف کرے۔ پھر انہیں بد رتوں کے ساتھ عرش مجید سے لطیفہ نفس تک اسی وضع و ترتیب سے جو مذکور ہو چکی ہے نزول کرے یعنی اللہ علیق کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک اور اللہ قدیر کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفہ اخفی تک اور اللہ بصیر کے ذکر کے ساتھ اخفی سے ستر تک پھر اللہ سمیع کے ذکر کے ساتھ سر سے لطیفہ نفس تک اترے اور آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تاکہ اس کے آثار ظاہر ہوں منجملہ اس کے آثار کے ذکر کی روح کی لورائیت ہے



اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا منکشف ہونا اور انہیں امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھہرا کر وہاں دورہ اور سیر کرنا مناسب ہے اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی بموجب اپنی قوت ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے اور کبھی کسی نیک صلاح پر جو سالک کی راہ کے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذات پاک الہی کے ساتھ قرب اور انس ملیں ہو جاتا ہے اور اپنے جسم سے بیگانگی سہی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک اس قسم کی لورائیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفسی میں اعانت و امداد کرتی ہے اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سماوات میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکیر الہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ جاتی ہے

چوتھا اقدام

بعد ازاں شغل نفسی کو شروع کرے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مقتضائے

فرمودہ خداوندی اللہ نور السموات والارض النوار الہی ہر جگہ موجود ہیں

۱۔ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے۔



جس طرح کہ وجود اور ہستی ہر جگہ ثابت ہے چنانچہ مراقبہ وحدانیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور انوار اس وجود کو لازم ہیں۔ پس جس جگہ وجود ہے اس جگہ انوار بھی متحقق ہیں اور جس جگہ وجود کا احاطہ معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اس کے انوار کا احاطہ سمجھنا چاہئے اور باوجود آنکہ انوار حسب جگہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت دراکہ اشیائے کثیفہ ظلمانیہ یعنی اجسامِ فلکی و عنصری کے خیالات کے اختلاط کی وجہ سے ان کے ادراک سے محجوب اور محروم ہے نہ انوار کی غیبت اور دوری کی وجہ سے اور ذات بحت تک واصل ہونے کے لیے حجب کاٹے کرنا جن سے مراد انوار ہیں ضروری امر ہے اور اکثر لوگوں کے حق میں بدون ان کے ادراک کے ان کاٹے کرنا محال ہے اور جو بعض بلند فطرت والوں کو بدون انکشاف انوار کے ذات بحت کا وصول میسر ہو جاتا ہے پس یہ اگر لوگوں کے انکشاف انوار کی طرف محتاج ہونے میں قدح نہیں کرتا پس ان انوار کے ادراک کے لیے اپنی قوت دراکہ کو خیالات مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہئے تاکہ انوار الہی مددک ہو جاویں اور جو نہی طالب کی قوت دراکہ کا ائینہ خیالات مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہئے خیالات مذکورہ کے رنگ سے مصفا اور مصقول ہو گا فوراً وہ انوار جو ہر جگہ موجود ہیں بلا وقت دریافت ہونے لگ جائیں گے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفسی کرے اور شغل نفسی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے خیال سے اشیاء کو نابود و نیست کرے اگرچہ فی الحقیقت کوئی چیز نیست نہ ہوگی اور حقیقت اشیاء کو نیست و نابود جانتا بالکل خیالی باطل اور محض بھوٹا وہم ہے جو کچھ موجود ہے

نہ یعنی اشیائے کثیفہ ظلمانیہ جیسے اجسامِ فلکیہ اور عنصریہ کے خیالات



وہ موجود حقیقی تبارک و تعالیٰ کے موجود کرنے سے موجود ہے اور اس کے وجود پاک کے ساتھ ہر موجود چیز کو ایک خاص ربط حاصل ہے پس کسی چیز کے وجود کی فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں اور اس امر کا قصد کرنا گویا خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ہے علاوہ ازیں نفی واقعی کے ساتھ کوئی غرض بھی متعلق نہیں کیوں کہ غرض تو اپنے مدار کا صاف کرنا ہے جب مدار صاف ہو گیا اپنا مدار حاصل ہو جائے گا نفی واقعی سے کچھ مطلب نہیں ہر چند تمام عالم کی نفی کرنا ایک دشوار سا کام نظر آتا ہے لیکن اس جگہ صرف دو مرتبے ہیں اور بس۔ کیوں کہ تمام عالم کی نفی اور عالم کے ایک جز کی نفی برابر ہے۔ انسان کو اپنے خیال کا ایک ٹھکانے پر سے خالی کرنا اور تمام افلاک سے خالی کرنا یکساں ہے ہاں البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا ایک مشکل سا کام ہے اس لیے نفی کے دو مرتبے مقرر کرنے چاہئیں۔ اول اپنی نفی دوسری تمام عالم کی نفی اور دوسرے مرتبہ کے سہل اور سہلے مرتبے کے دشوار ہونے کا سبب یہ ہے کہ قوت دراکہ اپنے آپ کے علم اور دانست سے ہر وقت متمسک اور پر ہے اور اپنے بغیر کا دریافت کرنا کبھی کبھی ہوتا ہے پس دوسری نفی میں کسی چیز کو اپنی قوت دراکہ میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے اور پہلی نفی میں جو چیز قوت دراکہ میں قرار پذیر اور جائے گیر ہو چکی ہے اس کو نکالنا چاہتا ہے پس باہر کی چیز کو داخل ہونے سے روکنے اور اندر گھسی ہوئی چیز کو باہر نکالنے میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں کہ اول بہ نسبت دوسری کے نہایت سہل اور آسان ہے یا اس کا فرق اس طرح ہے کہ جس شخص نے بارش کبھی کبھی دیکھی ہے اس کو بارش کی نفی کرنا آسان ہے بہ نسبت اس



شخص کے جو بارش میں کھڑا ہے۔ اور متواتر قطرے اس کے بدن پر پڑ رہے ہیں بناؤ علیہ خود اپنی نفی میں جسم کی نفی سہل تر ہے لیکن جسم کے جس مقام پر علم اور دانست کا قرار ہوتا ہے اس کی نفی دشوار تر ہو جاتی ہے اور کبھی سر کی نفی جو کہ ادراک اور امتیاز کا مقام ہے مشکل ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کو جو کہ اپنے سانس اور دم کی آمد و رفت پر زیادہ مطلع رہتے ہیں ان کو اپنے حلق اور سینہ کی نفی میں سخت مشکل پڑتی ہے الغرض جس چیز پر اطلاع اور آگاہی زیادہ تر ہو اس کی نفی بھی مشکل اور سخت تر ہوتی ہے پس پہلے پہل تمام عالم کی نفی کر کے اپنے بدن کی نفی کرے اور اس جگہ کی نفی سے شروع کرے جس کی نفی دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اس عضو کی نفی سے تمام نفس کی نفی یکبارگی ہو جائے گی اور اصل اور عمدہ نفی کے حاصل کرنے میں کسی کامل صاحب نفی کی توجہ ہے کہ اپنی نفی کر کے ہمت کیسا تھ متوجہ ہو کر القاکرے اور اس کلام کے مبتدی پر اول اول نفی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ سینہ اور شکم کے مقام میں اول ایک خلاء سا معلوم ہوتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بے سرگمان کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بغیر دونوں ہاتھوں کے خیال کرتا ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ میں چھوٹا سا ہو گیا ہوں اور کبھی اپنے آپ کو بغیر صخامت اور جنتہ کے ایک طول کا طول خیال کرتا ہے گویا ایک گوشت کی ٹکی سی ہے کہ دم بدم لمبی اور باریک ہوتی چلی جاتی ہے اور سہل طریقہ اس تصور کا یہ ہے کہ اپنے سینہ یا شکم میں خلاء کا خیال کرے جس طرح توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ جاتا ہے اور اس مقام کو خالی چھوڑ جاتا ہے پھر اس خیالی سوراخ کو آہستہ



آہستہ فرخ تر اور کشادہ تر کرتا جائے تاکہ انجام کو پہنچے اور اس کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد قیامت ہے عالم غیب سے اس کی طرف متوجہ ہو کر یکبارگی اس کے جسم کو نیست و نالود کر دے جیسے سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکرہ پر پڑ کر اس کو چور کر دیتا ہے اور کبھی اس کا تصور اس طرح سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس کی جان نکل گئی ہے یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے وجود سے نکل کر معدوم ہو گیا ہے اور چونکہ جسم بغیر جان اور دل کے باقی نہیں رہ سکتا پس وہ جسم بھی بے جان ہو کر مضمحل ہو گیا ہے اگرچہ اس کام کے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا تطویل بلا طائل ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مجل نفی کا بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا تعین کسی بڑے زیرک قوی الذکاؤ کو بھی ملتیر نہیں ہوتا اور گاہ گاہ دریافت کرنے بہت سی صورتوں کے کند ذہن غافل کو بھی ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی اور ہی صورت ظاہر ہو پڑتی ہے غرض کہ اس کی مختلف صورتوں کا دریافت کرنا فائدہ سے خالی نہیں جس وضع پر اس کی ابتداء نمودار ہوئی اس کو بخوبی اپنے خیال میں پکڑ کر اس کے زیادہ کرنے میں کوشش کرے تاکہ تمام بدن کی نفی انجام کو پہنچے اور نفی کی دشواری کے وقت میں کلمہ لَا مَوْجِدَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا فَاعِلَ إِلَّا اللَّهُ کو دونوں کلموں کے معنی سمجھ کر جس جگہ کی نفی مشکل ہو پڑھے اسی جگہ پر قوت خیال کے ساتھ ضرب کرے انشاء اللہ یہ شغل اس کے لیے کافی ہو گا اور کبھی بعد نفی کے ایک اس قسم کا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خیال کرے کہ تلوار کی ضرب اس کے بدن پر لگے تو بدن اس کا مانع اور

یعنی بے فائدہ کلام کو طول دینا۔



مزا عم نہ ہوگا بلکہ جس طرح خلاء میں سے ضربِ خالی نکل جاتی ہے اسی طرح اس کے درمیان میں سے خالی کی خالی نکل جاتی ہے اور گھبی ایک تاریکی کا جل کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے گرد گرد و ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ خط نورانی مکرر اور تاریکی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے شدہ آگ کا کنارہ دھوئیں کے اختلاط کے سبب سے بہت مکرر اور تاریک دکھائی دیتا ہے اور نیز وہ خط نورانی بالاستقلال نہیں محسوس ہوتا بلکہ تاریکی کے ضمن میں دریافت ہوتا ہے اگر اس کی طرف استقلال کی نظر متوجہ کریں تو اسی وقت معدوم ہو جاتا ہے اور سوائے تاریکی کے کوئی دوسرا امر مدد نہیں ہوتا پس اس تاریکی کا نام رکھتے ہیں نورِ نفی اور اس شغلِ نفی کو بخوبی مزاولت کرتی چاہیے کہ امورِ مکررہ سے جو شخص و خاشاک حکم میں ہیں اسی شغل کے سبب سے طالبِ کاذب بن مصفا ہوتا ہے اور ساکوں کو اکثر اوقات اس شغل کی حاجت پڑتی ہے

### فائدہ

طالب کو چاہیے کہ شغلِ نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغلِ یادداشت بھی کرے اور اس کی حقیقت شغلِ دائمی ہے۔ ذاتِ بچون و بچگون کی طرف نشست و برخواست اور کسب و کار اور مصیبت و آزار اور کھانے پینے وغیرہ ہر وقت میں ادھر ہی دھیان لگا رہے بایں ہمہ کہ کوئی امر اس التفات سے مانع نہ ہو جیسے جب کسی شخص کو کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام دل میں راسخ ہو جائے تو حوائجِ ضروریہ اور اعمالِ معاشیہ کے اشتغال کے وقت اس کا دل کما یلغی اس امر کی طرف متوجہ رہتا ہے چنانچہ ہر صاحبِ وجدان پر پوشیدہ نہیں پس جو لوگ حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں ان کو چاہیے کہ مکمل مذکورہ کو اپنے وجدان سے دریافت کر کے خدائے تعالیٰ



کی یادداشت کو ممتنعات عقلیہ یا محالات عادیہ سے نہ شمار کریں بلکہ اس کو سہل اور آسان سمجھ کر اس کے حاصل کرنے پر کمر ہمت چسپت باندھ لیں اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اس یادداشت کے حاصل ہونے پر متنبہ نہیں ہوتے مگر بوقت حاصل ہونے کسی ایسے امر کے جو اس چیز کی یادداشت حاصل ہونے پر مشعر ہو مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفات دائمی حاصل ہے اور اس علم کا علم نہیں ہوتا مگر جب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے یا کوئی درد پہنچے اسی طرح بعض سالکوں کو خدائے تعالیٰ کی یادداشت حاصل ہوتی ہے اور اسکے حصول کا شعور نہیں ہوتا مگر بوقت عارض ہونے غفلت یا لسی اور امر کے یادداشت میں خلل انداز ہو اور یادداشت حق کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے حق میں ضم کرنا چاہئے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گزر چکا ہے۔

### پانچواں افادہ

جب اپنی نفی اور کام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آگئی تو اب نفی النفسی اور فناء الفناء کو شروع کرے یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور کام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست تصور کرنا چاہئے اور چونکہ نفی النفسی نیستی محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور ریلوڈ کی اور قوت دراکہ کا محض خالی ہونا ہے یہاں تک کہ اگر اس شکل میں کمال ملازمت کرے گا تو اس کا بدن معدوم ہو جائے گا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہے گا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسند خاطر نہ ہوگی لیکن چونکہ آئندہ کارآمد ہے اس لئے اس کو مہمل نہ چھوڑے بلکہ عمل میں لائے اور نفی النفسی کے ناپسند ہونیکا سبب



یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوس ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے اور اگرچہ شغل نفسی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی جس طرح صاف طبیعت والے میدان مصفا میں مانوس ہو جاتے ہیں اسی طرح نفسی میں بھی ایک قسم کی انسیت ہوتی ہے برخلاف نفسی التفی کے کہ اس کام میں انسیت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں

### چھٹا اقادہ

شغل نفسی کی تکمیل و انجام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں۔ کبھی تو توحید صفائی منکشف ہو جاتی ہے اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ صاحب اس شغل کا اپنے آپ کو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے اور اس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہان کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ افلاک و عناصر، جبال و بحار، اشجار و احجار، حیوان و انسان سب کو اپنے جسم کے اجزاء و اعضاء خیال کرتا ہے اور اس حالت میں مکاتوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات پر سیر جو اس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطور کشف حاصل ہوتی ہیں اور اس کا وہ کشف مطابق واقع ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو واقعی تمام عالم کا کل نہ سمجھے بلکہ اس طرح خیال کرے کہ یہ اعتقاد مخالف واقع اس مترتبہ



آثار سے ہے اور اس حالت میں توقف اور درنگ نہ کرے کہ یہ منزل مقصود کا راہِ راست نہیں اگرچہ فی الجملہ راستہ ہے لیکن راہِ راست سے بہت دور اور سیر و سلوک کی دشواری اور مسافت کے لمبا ہونے کا باعث ہے اس حالت سے انوار کی طرف جو کہ ذات پاک کا حجب میں انتقال کا قصد کرے اور کبھی بعد تمامی شغل فنا کے زنگارنگ کے انوار دکھائی دینے لگتے ہیں اور یہی صورت طالب کی مقصد برآری کا راستہ ہے اور وہ انوار ذات بحت حضرت جل و علا کے حجب میں اور ان کے طے کرنے کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں۔ اگر عنایت الہی شامل حال ہو تو ایک لمحہ سمجھ میں ہزار ہا حجب طے ہو جاتے ہیں لیکن طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سبب عادی یہ ہے کہ ان انوار میں سے ہر ایک کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہان کا احاطہ کر کے قید مکان سے فضائے لامکان کی طرف تجاوز کرے بعد ازاں انتقال کا پختہ ارادہ دل سے اٹھا کر اس امر کی درخواست بارگاہ خداوندی سے کرے اور اپنی نظر خیالی سے اس نور میں اس قدر غور کرے کہ ایک اور نور اس نور کے اندر ہی سے ظاہر ہو جائے گا اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقہ پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف انتقال کر جائے اور لگاتار اسی طرح انوار کی سلسلہ جنبا نئی کرتا جائے اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان ان ہی حجب میں ٹک جاتا ہے اور اس کو اصل مقصود کی طرف راستہ نہیں ملتا اور ان سب حجابوں سے آخر ایک حجاب لطیف بے زنگ ہے کہ اس کو نسبت پرنگی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اس حجاب میں بھی بعض سالکوں کو توقف اور اٹکاؤ لگ جاتا ہے اور کبھی بعض طالب اسی کو مقصود اصلی سمجھ کر اسی جگہ ٹھہر جاتے ہوئے ہیں۔



## ساتواں اقادہ

جب شخص کو عنایت خداوندی اور جذبہ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذات بحت کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ عمدہ حالات اور رنگارنگ اطوار پیش آتے ہیں اور جو خواص و فکر اس جگہ کرنا پڑتا ہے اس کا نام سیر فی اللہ رکھتے ہیں اور یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ اس مقام میں تفاوت اور تبدل احوال نہیں ہوتا بلکہ بموجب مضمون آئیہ

کَلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہر وقت اس ذات پاک کی ایک جدا سے جدا شان جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے احوال کے تبدل سے غیب میں بھی تبدل و تفاوت اس کی بصیرت کی آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ بمطابق حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام آدمی کا دل ایک پرکے لٹیرے کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہواؤں کے بھونکنے اس کو الٹا سیدھا زیر و زبر کرتے رہتے ہیں۔ انسان کے دل کو قرار نہیں لہذا شیون ذات کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بہ دم ملبدل ہوتے رہتے ہیں اور شیون الہی کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملات مختلفہ بمطابق استعدادات بنی آدم کے پیش آتے ہیں اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی تفصیل رکھتا ہے کہ اسکی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے لیکن جو سلوک کہ متعارف ہے اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے پس وہ مقام مہجرت تک ختم ہو جاتا ہے : پس پس



## دوسری فصل

اشغالِ طریقہ چشتیہ کے بیان میں ذمے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کا موجب ہوں۔ اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں اور یہ فصل چار ہدایتوں پر مشتمل ہے

### پہلی ہدایت

اشغالِ طریقہ چشتیہ کے بیان میں اور یہ ہدایت پانچ اناہوں پر مشتمل ہے

### پہلا اناہ

طالب کو چاہیے کہ پہلے با وضو دو زانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں حضرت معین الدین سجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شمار کے ساتھ اپنے کام کے فتح باب کے لیے دعا کر کے ذکر و ضربی شروع کرے۔ اس ذکر کا فریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے اتصال کی واسطے پہلے لفظ کے آخر کو نمنہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے اور دو ذکروں کے درمیان فرق اور امتیاز کے بیٹے لفظ اللہ کو دوسری بار دونوں ذکروں میں کہے گا وقف کے طور پر کہے یعنی سورت ”ہا“ کو جو موم دے کر پڑھے اور خوب زور کے ساتھ سینہ نکال کر اور بہرا اور شدت اور مد کے ساتھ کہے اور دوسرے لفظ کو بہرا اور شدت اور مد اور قوت میں پہلے زیادہ کرے اور پہلے کیساتھ خیال کرے کہ ایک لفظ اس کے سینہ سے نکل کر اس کے لب تک پہنچ کر وہاں ٹھہر گیا ہے اور دوسری بار میں اسی جگہ سے نکل کر یہ سببت قوت اور کثرت کے جو دونوں اوزار کے مجتمع ہو



سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کے منہ سے باہر آکر اس کے سر کے اوپر پہنچ گیا ہے پس اس نور کو بلند تر بقدر ایک ہاتھ کے تصور کرے اور اسی ذکر کو حضورِ دل سے تکرار کرتا رہے اور حضورِ دل کے لیے اتنا قدر بھی کافی ہے کہ اجانے، یہ اسم مبارک اس ذات پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ہمراہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ اس نام پاک کا اپنے منہ سے پاک و منترہ سے غائب ہونا ممکن نہیں۔ اس کریم مطلق کے فضل کامل سے بچتا امید یہ ہے کہ ذکر کو بہت جلد نور معلوم ہونے لگ جائے گا۔ پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور سچا جائے ساٹھ کی طرح اس پر ہو جائے پھر بہ سبب کثرت تہ بیرتہ ہونے کے اس کے تمام بدن پر پہنچ کر اس کے بدن کو اندر باہر سے گھیر لے اور اس کا بدن اس نور میں گم ہو جائے

### دوسرا فائدہ

جب یہ معنی بخوبی حاصل ہو جائے اور اس کی مشق اور ملکہ اس طرح میسر ہو جائے کہ ہر وقت بلا تکلف اسی طرح کرے اور ذکر کے قابو میں آجائے تب دوسرا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر لفظ اللا اللہ سے ہے۔ اس میں بھی قوت اور شدت اور جہر اسی طور پر مطلوب ہے جس طرح پہلے میں مذکور ہوا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کلمہ کو نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوؤں میں درمیان ضرب کرے اور نور کو جس قدر ذکر اول میں اوپر کی جانب بلند خیال کرتا تھا اس میں اتنا ہی نیچے کی جانب خیال کرے اور اس نور کو نیچے سے اوپر لاتا جائے تاکہ نور فوقانی اور نور تحتانی آپس میں مل کر ایک نورانی ستون کی طرح ثابت ہو جائے کہ گویا اس کا بدن اس کے اندر گم ہو گیا ہے۔



## تیسرا فائدہ

پھر ملائمت اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع کرے اور اس ذکر میں پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کے بدون ضرب اور شدت اور جہر مفطر کے اور اس لفظ مبارک کو اپنے خیال میں اس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جا بجائے بھی وہی ہو گیا ہے جا روبر یا مصقلہ کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اس میں رہ گئی ہو اسکو مصغی اور مصقل کرے اور تمسم وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن اور براق ہو جائے .

## چوتھا فائدہ

جب یہ نور اس طرح صاف ہو جائے کہ اس کا شعاع ہر طرف سے دور دور جا پڑے اور تصفیہ اور تصقل بھی ذکر کے قابو میں آجائے اس وقت چوتھا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لا الہ الا اللہ" ہے۔ پس لا کو اپنے خیال میں کھینچ کر زمین و آسمان کا محیط کر دے اور تمام دورہ کو اپنے اندر گھیر کر الہ کو اپنے اندر کام کر دے اور لا کے کھینچنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے منہ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرش مجید تک جا پہنچے۔ پھر اسکو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں پیش کھا کر دائرہ کی طرح ہو کر پھر اپنے مقام میں پہنچ گیا ہے اور لفظ الا اللہ کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اوپر ضرب کرے اور لا الہ میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظ درست اور تصور خست کے ساتھ مستقر اور مستحکم کرے اور ضرب الا اللہ میں ذات بحت کی طرف اشارہ کرے جو جو کلام مجید کا منطوق ہے یعنی "الرحمن علی العرش استوی"



اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات بحت کا لوز عرش کے اوپر سے دریا سے  
 موجزن کی طرح اس کی کثرت اور وسعت سے آئے گا کہ تمام عالم کو محیط ہو جائے  
 بلکہ تمام عالم اس میں گم ہو جائے گا۔ جس طرح پہلے ذکر میں فقط ذکر کا جسم مجرور  
 گم ہو گیا تھا اس طریق سے ذکر نفی و اثبات طالب صادق کیلئے حصول کمالات  
 مقصودہ میں کافی ہے فہم درست چاہیئے اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے  
 کرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات کے لیے کسی دوسرے شغل کا محتاج  
 ہرگز نہیں ہوگا۔

### پانچواں فائدہ

اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے کہ اس لوز  
 کے استقرار کے بعد جو عرش کے اوپر فائز ہو کر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اسی  
 لوز میں مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور  
 تمام عالم کی نفی جو لوز مذکور کے احاطے کے طفیل حاصل ہوئی تھی قصدی لحاظ  
 سے ملحوظ کر کے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدوں لحاظ لوز کے بھی اپنی  
 اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہو جائے اگرچہ نفی اس لوز سے منقلب نہیں  
 ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیئے کہ نفی کو مقصود لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے  
 پھر استحکام نفی کے بعد یا تو حید صفاتی ظاہر ہوگی یا الوار کا مشاہدہ ہوگا۔ دوسرا  
 طریق مطلب یا بی کار راستہ ہے پس جس طریق پر فصل اول میں مذکور ہوا ان  
 لوزانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے زخیری حجاب سے جو  
 نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریقہ کی نسبت کو مہتاب  
 کے لوز کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہوشبیدہ ہے ہیں لیکن فی الحقیقت بیرنگ  
 ہے۔ ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی بے معلوم ہو جاتا



ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گزرتا اور جب اس حجابِ اخیر سے بھی تجاوز  
واقع ہو جائے گا تو ذاتِ بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہو  
جائے گا :

### دوسری ہدایت

فوائد متفرقہ کے بیان میں اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے:

#### پہلا افادہ

آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات اور ملائکہ اور بہشت  
اور دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکالوں کے  
ہیافت اور لوحِ محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لئے یا حیّ و یا قیوم  
کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یا حیّ کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور  
اپنی روح کو اس کے نیچے پیوستہ کر دے اور پھر لفظ یا قیوم کو سینہ سے نکالے  
اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے  
اس لئے ضرورتاً دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت  
قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت  
سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں اسموں  
کے درمیان رہے۔ روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچ کر توقف  
کرے اور دور و سیر کرے اور سیر و دور میں اختیار رہے خواہ عرش کے اوپر  
سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا زمینی بقاع میں،  
جیسے کعبہ معظمہ یا اور اماکن متبرکہ اور پھر عرش کے بعد جب اس عالم کی بیداری  
اور خبردار می چاہے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کی طرف  
انتقال کرے۔ یا حیّ کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنیکی تیاری



کرسے اور یا قیوم کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان کی طرف پہنچے اور نزول میں  
آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

### اقادہ دوسرا

کشف قبور کیلئے ذکر سُبُوْحٍ قَدُوسٍ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔

مقرر ہے اس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُوْحٍ کے ساتھ نواف  
سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفی کے مقام تک پہنچنا اور دوسرے اسم یعنی  
قَدُوسٍ کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کی ساتھ  
اس جگہ سے انتقال کر کے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے  
دروازہ فوقانی سے داخل ہو کر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف  
متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار  
میں حضور اور توح اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الہی سے  
پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہو جائے گا اور اس کشف قبور  
کو ناواقف لوگ قرب الہی کا سلب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ  
دوری کا موجب ہے۔

### تیسری فصل

اشغالہ طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں اور یہ فصل

ایک تمہید اور دوہلیت پر مشتمل ہے

### تمہید

لطائف شمشگانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا  
چاہئے۔ لطیفہ قلب بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح دایمے  
پستان کے نیچے اور لطیفہ سردولون کے درمیان وسط سینہ میں اور مقام



لطیفہ نفس عین نان ہے اور لطیفہ نخعی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی شروع ہوتی ہے اور سجد کے سبب سے اسی جگہ نشان پڑتا ہے اور لطیفہ نخعی تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

### پہلی ہدایت

اقسام ذکر کے بیان میں اور اس ذکر کے بیان میں جو طریقہ نقشبندیہ

میں راجح ہے اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے :

### پہلا افادہ

چھٹیوں لطیفوں کو اسی ترتیب پر جو تمہید میں مذکور ہوئی ہے بخوبی دیکھ کر بنانا چاہیے اس حیثیت سے کہ خود ان کے ذکر پر آگاہ اور مطلع ہو اور تلقین کرنے والا جس نے اپنے لطیفے میں ذکر کو جاری کیا ہوا ہے پوری ہمت کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اس ذکر کو الفاظ سے اور دعا اور التجا کے وسیلہ سے محض فضل الہی سے مدد چاہے اور قوت اور ہمت کے ساتھ توجہ کرنے اور توجہ کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جنبش ظاہر ہو جائے از قبل جنبش فیض نہ اس معنی کر کہ ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس معنی کر کہ التفات کرنے سے معلوم ہو جائے بلکہ ترقی کر کے اور کاموں کے عین اشتغال کے وقت انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لے اور ایسا نہ چھوڑے کہ اس سے بالکل غفلت کرے پس اس حرکت کو نام پاک الہی کے مقارن اور ہمراہ جانے اور اس طرح سمجھے کہ اس حرکت کیساتھ اللہ اللہ کہتا ہے اور اس نام پاک کے مستحق کے ساتھ حضور اور انس پیدا کرے۔ پس ان لطائف کے اذکار کی جدا جدا مزاولت اور مشق کر کے یکبارگی سب سے ذکر کرے یہاں تک کہ ان کا ذکر آن واحد میں معلوم ہوا کرے اور اس ذکر



لطائف کو اچھی طرح پختہ کرے اور سوخ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس وقت چاہے اس شغل میں مشغول ہو سکے۔ مرشد تلقین کرنے والا اگر اس کا کرنا اور زیادہ فرمائے تو اس کے حکم کی تعمیل کرے اور لطائف ششگانہ میں سے ہر ایک کیلئے ایک جداگانہ نور ہے جو ان بزرگوں کی کتابوں اور رسالوں میں مفصل مذکور ہے لطائف کا ذکر کثرت سے کر کے ہر لطیفہ کو اپنے نور سے منور کرے اور اگرچہ یہ نورانی کرنا لطائف کا بہتر اور خوب تر ہے لیکن راہ سلوک میں طول مسافت پیدا کرتا ہے اور اس راستہ کا طول چنداں ضروری نہیں۔ جب انسان حجب نورانیت میں پہنچتا ہے خود بخود انوار لطائف کا معائنہ کر لیتا ہے اور مزاولت اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنے نور سے بلکہ جس نور سے چاہے رنگین کر سکتا ہے اور اذکار لطائف کے وقت میں صرف یہی مطلب بڑی کوشش اور محنت سے بمشکل انجام پذیر ہو سکتا ہے اور بعد ازاں حجب نورانیت کے مقام میں بغیر کوشش اور محنت کے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ابتداء میں لطائف میں اپنے انوار کے الوان سے رنگین کرنے میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے سکندر نامہ کے مضامین کی تقریریں باکیر کا خوال کو تعلیم کرنا پس مناسب اس طرح ہے کہ ادنیٰ مراتب کو بطور ضرورت استعمال کریں اور وقت کو تیغ براں سمجھ کر بہت جلدی ان مراتب سے گزر جائیں اور بلند مقامات میں مطابق استعداد روح کے توقف کریں۔

### دوسرا قاعدہ

بعد ازاں حبس نفس کے ساتھ نفی و اثبات کرے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ روزانہ مؤرد ہو کر رو قبیلہ بیٹھے اور اپنا دم بند کر کے زبان تالو سے لگا کر لاگو لطیفہ نفس سے کہنے اور لطیفہ سزیر قدرے توقف کر کے پھر لطیفہ مخفی پر بھی تھوڑا سا وقفہ کرتا جائے اور لطیفہ مخفی تک پہنچے۔ غرض کہ



ایک خیالی حرکتِ نفس سے اخفیٰ تک کرے اور اس حرکت کی امتداد کے درمیان  
 مقامِ لطیفہ سر اور اخفیٰ میں لحاظ کو بالا استقلال متوجہ کر کے ان کے امتیاز کے لیے  
 قرار کرے اور الہ کو لطیفہ اخفیٰ سے کھینچ کر لطیفہ زوج کی طرف متوجہ ہو کر اللہ  
 کو لطیفہ قلب میں ضرب کرے اور ان خیالی حرکتوں میں کوئی ظاہری جنبشِ اعضا  
 میں سے کسی عضو پر حتیٰ کہ سر اور منہ اور لب اور زبان پر بھی بالکل نہ واقع ہو  
 اور اس ذکر کو بلحاظ عددِ طاق عمل میں لائے ایک بار ذکر کے اپنے دم کو چھوڑ  
 دے پھر اطمینان اور دم کے ٹھہر جانے کے بعد دوسری بار کرے جب جس نفس  
 کی برداشت زیادہ ہو جائے ذکر کے عدد میں بھی زیادتی کرتا جائے اور زیادت  
 کا ادنیٰ مرتبہ اکیس بار ہے اور جب اکیس بار سے تک پہنچ جائے گا اور اس  
 کی خوب مزاولت اور مشق کر لے گا اور ایک ایک نشست میں سینکڑوں بار  
 تک نوبت پہنچا لے گا اس وقت البتہ اس کے لطائف میں گرمی اور صفائی  
 پیدا ہو جائے گی اور اس ذکر سے ایسا معلوم کرے گا کہ گویا ایک گھومتا ہوا شعلہ  
 ہے کہ اس کے تمام لطائف کا احاطہ کر کے خطائشیں کی طرح ممتد ہو  
 گیا ہے۔

### تیسرا اتاواہ

نفی و اثبات کی خوب مشق کرنے کے بعد سلطانِ الذکر کو عمل میں لائے اور  
 اس کا بیان یہ ہے کہ جو جزو انسان کی ہے اس کے لیے ایک وحدت ثابت  
 ہے اور ہر ایک تعین کی شناخت کے لیے اس کا ایک جداگانہ نام مقرر ہے  
 سوائے نامِ کل کے۔ پس وہ جزو بھی ایک وجہ سے تمام اجزائے انسانی پر مشتمل  
 ہے بنا براں اس کے لیے ایک زبان بھی مقرر ہے اور بموجب ارشادِ حضرت  
 حق تبارک و تعالیٰ کے کہ:



قرآن میں شئی الا یسیح بحمدہ ولیکن لا تفقہون .....

..... وہ تمام اجزا ذکر الہی کرتے ہیں ولیکن انسان کی سمجھ میں نہیں آتا پس حقیقت سلطان الذکر کی یہ ہے کہ اپنے تمام اجزا کے ذکر کو ایک تقسیم کے ادراک سے دریافت کرے اور اس پر بخوبی آگاہی اور پوری اطلاع حاصل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم والشمول مطالعہ ششگانہ کی طرح سمجھے اس لئے کہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر میں لٹا کے مقامات اور باقی بدن بالکل مساوی ہیں جب مطالعہ کے مقامات سے ذکر کو پہچان لیا اور اس کی کیفیت پر اطلاع پائی اسی طرح اپنے تمام بدن کے ساتھ ذکر ہو اور تلقین کرنے والے کو چاہئے کہ خود سلطان الذکر کر کے بطور مذکور طالب پر القاء کرے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو تمام بدن میں جنبش ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضا بغیر اس کے ارادہ کے اپنی جگہ سے منتقل ہو جاتے ہیں اور کبھی رعشہ کی طرح حرکت ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی روزنگٹے کھڑے ہونے کی سی حالت ہو جاتی ہے یا چیونٹیاں سی اس کے بدن پر چلنے لگتی ہیں اور تمام بدن میں خشکی اور سبکی معلوم ہوتی ہے اور کبھی ذکر کے بدن میں ایسی خشکی سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت اسکو سردی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہلکا ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا گیا ہے جیسے کوئی

یعنی اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تہلیل کرتی ہے مع اس کی حمد و ثنا کے ولیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے بلکہ ایک بیماری کا نام ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا میں لرزہ اور کپکپی پڑ جاتی ہے۔



شخص حمام میں کیسیہ مالی سے غسل کرے اور ظاہری غسل میں یہ سبکی صرف چٹریے پر ہی رہتی ہے اور سلطان الذکر میں اندر صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی خارق عادت امور میں سے ہے کہ سخت اختلاج کی مانند اس کا کام بدن قابو میں نہیں رہتا اور یہ بھی ایک محض کرامت ہے سلطان الذکر والا کام بدن اور درود و لوار اور نخس و خاشاک اور خار و سنگ سے بے شبہ اونچی آواز سے ذکر سنتا ہے اور ہم نشینوں کا سن لینا کرامت مذکورہ میں زیادتی ہے اور کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور معلوم ہوتا ہے۔

### فائدہ

پیر و مرشد کو مرید میں سلطان الذکر وغیرہ سے ذکر لطائف کے حصول کے دریافت کرنے کا بھی یہ طریق ہے کہ پیر اپنے آپ کو خالی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو اس وقت جو کچھ اپنے آپ میں محسوس کرے جان لے کر یہ اسکے مرید کے ذکر کا عکس ہے اور اسکے شغل کی کیفیت ہے۔

### چوتھا افادہ

جب سلطان الذکر بقدر مذکور قابو میں آجائے اور ارادے کے وقت تکلیف کے سوا ہی ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے اور نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو جوڑ لے اس کے بعد نفی التقی کا شغل کمائے۔ پس خواہ مخواہ سالک پر یا تو توحید صفا ٹی کھل جائے گی یا حجب نورانیت ظاہر ہو جائے گی اور دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے پس سالک کو چاہیے کہ حسب طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پر دے سے نکل جائے اور اس پر دے کو طے کرتے ہوئے مراقبہ ضمدیت کا شغل کرے تاکہ انجام کار اس پر دے تک پہنچ جائے جس کا نام نسبت پیرنگی ہے اگرچہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو نخس و خاشاک اور ریگ و خاک کی آلودگی سے



صاف نہ ہوتا ہے لیکن گہری نظر کے بعد قابل تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نسبت سیرنگی کے بعد ذات بحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور سیر کی انشاء میں بہت عمدہ حالتیں اور عجیب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کرے گا وہی مرشد وہاں کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کر دے گا

### قائدہ

اس طریقہ کے عوام یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہ نے فرمایا ہے  
 اول ما آخر ملتہی است ۵۰ آخر ما جیب تمنا تہی است  
 سب طالب کو چاہیے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے جیب تمنا تہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور قصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اس کتاب کی پورے فصل میں انشاء اللہ بیان ہوگا ۱۱۱

### دوسری ہدایت

متفرق افادوں کے بیان میں اور اس میں دو افادے اور ایک فائدہ ہے

### پہلا افادہ

کشف و ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوح محفوظ پر مطلع ہونے کیلئے دورے کا شغل کرے اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پس زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اس شغل کی مدد سے وہاں کی



سیر سے اور اس جگہ کے حالات دریافت کر کے وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات میں ان سے بات چیت ملیسر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گزشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مستور معلوم ہو جاتی ہے۔

### دوسرا قاعدہ

جاننا چاہیے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لیے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کر کے اس کے بعد وہ مائور دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ بارگاہ الہی میں پوری التجا کے ساتھ پڑھے اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور خشوع اور قلب و قال کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کر کے صلوٰۃ تسبیح ادا کرے اور تمام نماز میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہ کی درگاہ میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے۔ پھر تہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اس کے دل میں گناہوں کی معافی کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہو جائے۔ پس اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے اور اس سارے شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اس طرح التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل ہونے یا تہ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائے گا اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر



ٹھہر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور سو اس ٹھہرتا نہیں اور اس کے آنے جانے کا کوئی متقرر طریق نہیں چوڑا اور کیسہ بُر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری طرف سے اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بے خبر ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے انکشاف کیوں اسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا۔ پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کر لوں اس کے بعد اپنے کالوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور قال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کر لے۔ اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہو تو چاہیے کہ اسی وقت یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین دفعہ سورہ فاکہ اور تین دفعہ آیت الکرسی اور پندرہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت پر ایک سو بار کلمہ یا خُبْرُ خُبْرُنِی کہے پھر دعا کر کے سورہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحتاً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائے گا۔

قائدہ

اشغال مبتدعہ میں سے شغل برزخ بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے اور شغل مذکور



کی صورت یہ ہے کہ دوسو سوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کیلئے پوری  
 تعین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں  
 اور خود نہایت ادب اور تعظیم اپنی ساری تمہت سے اس صورت کی طرف متوجہ  
 ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھتے ہیں اور  
 دل کو بالکل اس کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور اس شغل کا حال تصویر کے جمال  
 سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ تصویر کا بنا نا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں  
 دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ناہذہ التماثل الیٰ انتم لنا عاکفون۔

اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ تصویروں کے  
 سامنے عکوف منع ہے؛ ادب اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے  
 ہو کر حضور کو لازم پکڑنا عکوف ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص  
 ظاہری صورت کیسا تھ یہ عمل کرے بیشک گنہگار ہے اور اس گنہگار اور  
 راہ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک  
 کاغذ یا اس جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے اور ثانی میں چمڑے کے رنگ  
 اور بالوں اور خط و خال سمیت پوری تصویر صفحہ خیال میں منقوش ہوتی ہے  
 اگرچہ ظاہر میں تو یہ بت پرستی نہیں لیکن باطن میں صاف بت پرستی ہے  
 کاغذی صورت تصویر کے دقائق کو خیالی صورت کی مانند بیان نہیں کرتی حالانکہ  
 بے جان ہونے میں دونوں برابر ہیں پس تصویر کی معنی میں کاغذی صورت  
 سے خیالی صورت زیادہ ہے اس لئے کہ دونوں میں صرف اسی صورت میں  
 فرق کر سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں تو شریعت کے ظاہری انتظام میں نحل  
 آتا ہے اور دوسری صورت میں تو ظاہری انتظام کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا



لیکن اس کام کے کرنے والے کے نفس میں اس کی تاثیر کے لحاظ سے جو خرابی  
 موجود ہے وہ دوسری صورت میں پہلی صورت سے کہیں بڑھ کر ہے پس اس  
 وجہ سے چاہئے کہ حرام ہو اور اس سے قطع نظر شغل برزخ کا رواج ناقص  
 لوگوں کو پہلی صورت تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر جو لفظی  
 حرکتیں تصویر والوں کے سامنے کرتے ہیں ان تصویروں کے سامنے بجالاتے  
 ہیں اور صاف بت پرستوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں اور اس طرح حرام  
 کام کی طرف شغل برزخ کے پہنچا دینے میں کچھ شک نہیں پس چاہئے کہ  
 یہ بھی حرام ہو اور شریعت محمدیہ علیٰ صہبہا الصلوٰۃ والسلام میں بت  
 پرستی کی پیش بندی کیلئے مطلقاً تصویر سازی حرام ہو گئی ہے اور دوسری  
 شریعتوں میں مشکل کا حال اور مردے یا زندے غائب کی خصلتیں معلوم کرنے  
 کی مانند بعض صحیح اغراض کے لحاظ سے جائز تھی پس جب تصویر سازی میں  
 شارع علیہ السلام نے اس قدر احتیاط فرمائی ہو تو آپ کی متابعت  
 کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی احتیاط کے طریقہ کو اختیار کر کے شغل برزخ کو  
 حرام اور بلا جانیں اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا  
 پورا واقف ہے وہ جان لے گا کہ اس مبارک زبانہ میں اس کا استفتاء ہوتا  
 تو بیشک اس سے منع فرماتے اور اسکی حرمت ظاہر ہوتی

### چوتھی فصل

مجددی طریقہ کی اصلاحات کے حل کرنے کے بیان میں  
 اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے۔

تمہید

جاننا چاہئے کہ حضرت شیخ عبدالاحد اور انہیں جیسے طریقہ مجددیہ کے



ابزرگوں کے نزدیک لطائف کے مقامات اس طرح پر ہیں کہ لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ اور لطیفہ روح کا مقام لطیفہ قلب کے مقابل واپس پستان کے نیچے اور لطیفہ سر کا مقام بقدر انگشت بائیں پستان سے اوپر وسط سینہ کو مائل اور لطیفہ خفی کا مقام اس اندازے پر واپس پستان کے اوپر وسط سینہ کو مائل اور لطیفہ انخی کا مقام سینے کے درمیان اور لطیفہ نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں جہاں اوروں کے نزدیک لطیفہ خفی کا مقام ہے۔ پہلے چاہئے کہ لطائف مذکورہ کو ذکر سے جاری کرے اور ان کو ذکر بنائے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ طالب مؤدب ہو کر نہایت خضوع اور خشوع اور التجا کیساتھ باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور دل کو جمع کر کے خیالات کو دور کرے اور زبان اور باقی سب اعضاء کو مٹنے سے بالکل روک رکھے اور اسم مبارک اللہ کو دل سے کہے اور مرشد کو چاہئے کہ تمام خضوع کے ساتھ سرید کی تلقین کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے لطائف میں ذکر کر کے درست ہمت کے ساتھ طالب کے لطائف میں ان کا القاء کرے اور جب لطائف ششگانہ کا ذکر معلوم ہو جائے تو سلطان ال ذکر کے حاصل ہونے کیلئے لطیفہ نفس پر بہت توجہ کرنے سے سلطان ال ذکر حاصل ہو جاتا ہے اور لطائف کے ذکر ہو جانے اور سلطان ال ذکر کے حاصل ہونے کے بعد لا الہ الا اللہ کا ذکر جو کہ نفی اور اثبات ہے اس حد تک استعمال کرے کہ غفلت نہ آجائے اور اس ذکر سے اپنے بدن کی نفی مقصود ہے لیکن جب تمام عالم کی نفی اس سے زیادہ آسان ہے اور بدن کی نفی میں بھی اس کو دخل ہے لہذا لاچار تمام عالم کی نفی کو اپنے دل میں ٹھہرا لینا چاہئے اور اس کے بعد لا الہ الا اللہ کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لا کو نواف سے لے کر دماغ تک



پہنچائے اور جن جن مقاموں سے لا کا گذر ہوا اپنی نفی سمجھتا جائے اور اللہ کو لطیفہ روح تک پہنچائے واللہ کو قلب میں ضرب کرے اور لطیفہ روح کے مقام اور بدن کی اس تمام جانب کو لفظ اللہ کے ساتھ نفی کر دے اور اللہ کے لفظ کیساتھ لطیفہ قلب کے مقام اور باقی تمام بدن کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا ملاحظہ کرے اور اس ذکر اور نفی دونوں کو خیالی قوت سے کماٹے اور زبان سے ہرگز تلفظ نہ کرے اور اس ذکر کے تکرار اور شغل کے ہمراہ قوت خیالیہ میں نفی کے خیال سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بدن کی نفی اس طرح پختہ اور مضبوط ہو جائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوت خیالیہ میں ہمیشہ قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے درویشی کے معاملے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں خاص کر دوائے کا انکشاف کہ شغل نفی کے سوا کما حقہ ان کا انکشاف متصور نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہوگی اسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا پس مراقبات دوائے سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیے اور بدن کا مطلقاً نہ معلوم کرنا کمال نفی ہے اور نفی کے کمال میں اس چیز کے سوا جو دوائے کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس کے بعد نفی النفی اور فناء العت پیش آئے گا اور وہ مددک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہو جائیگی اور مراقبات دوائے کیساتھ مزید نفی کی کوشش کرتا رہے گا جس وقت نفوس محبت کے کمال اور انتہا کو پہنچے گا اور نفی النفی اور فناء الفناء حاصل ہو جائے گی اگرچہ نفی اور نفی النفی کے طریقہ کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائے کے انکشاف اور معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کیلئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشتغال



کے ان بزرگوں کی تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ ان کی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہو جاتی ہے پس صرف ان کی توجہ ان اشغال سے بے پرواہ کر دیا کرتی تھی لیکن نفی کے حاصل ہونے کے حوالہ دہانوں کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے سے حاصل ہو واللہ اعلم بالحقیقۃ الحال

مقصد اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں

مراتبہ احدیت سے دائرہ کا شغل معلوم ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو اس قلب سے نکال کر اوپر کی طرف متوجہ کر کے عرش مجید سے بھی اوپر کولے جائے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے اور اس کا اثر یہ ہے کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی اسطوانے کی مانند لمبا سا نور ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی اسطوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر لیتا ہے پس اس نور کا جواہر وہی اسطوانہ ہے جس کی جڑوں کے اوپر کی جانب میں ہے اور اس کا سر عرش مجید تک پہنچ کر اس کا شعاع سارے جہان میں پہنچ جاتا ہے اور اس نور کا ظاہر ہونا دائرہ امکان کا شروع اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف دائرہ کے حاصل ہونے کی علامت ہے اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لیے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے کیوں کہ اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا ابتدا اور منتہی مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرہ کی حقیقت ہے پس دائرہ اسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو اور چونکہ یہ دائرہ عالم امکان کو گھیر لیتا



ہے۔ اسی واسطے اس کا نام دائرہ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی کے دائرے میں سے یہ پہلا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ ولایت قلبی کا ہے جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس دائرے میں قبر بیت کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے اور اس دائرے میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور کام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کی ساری طرفوں اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتا ہے اور جو الزار کہ ہر جہت سے پیدا ہوتے ہیں دائرہ اول کی مانند موجودات ممکنہ سے تجاوز کر کے لامکان کی حد تک پہنچ کر غیر متناہی ہو جاتے ہیں اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ قلب بالکل نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدر انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے میں دو طرح کا فرق ہے اول تو یہ ہے کہ پہلے دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب ہے اور اس دائرے میں تمام قلب الزار کا سرچشمہ بن جاتا ہے دوم آنکہ پہلے دائرے میں پھیلا ہوا نور اسی کے دل کے اوپر والے لمبے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے کہ ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اسی ستون سے پیدا ہوا ہے اور اس دائرے میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور جو دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے اور کبھی اس دائرے میں توحید کا مجید کھل جاتا ہے یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز ہیں سب اس کی آنکھ میں نابود ہو



جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلتے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت قلب فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا دائرہ ولایت کبرائے کا دائرہ ہے اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں ہیں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک کی معیت کا مراقبہ کرے اور اس طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذات پاک کی بے خوفی اور بے حسگونی اور مکان اور جہت سے نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو اس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اس کو شامل اور شریک سمجھے اور معیت کو اقربیت لازم ہے اور اقربیت کو معیت لازم نہیں اس لئے کہ معیت کی واسطے قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے جب تک کوئی شخص دوسرے کا مددگار نہ ہو اس کو اسکے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو اور یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ سیر اور سلوک میں اقربیت معیت سے مقدم ہے اور جس شخص نے معیت کو اقربیت پر مقدم کیا ہے پس قرب یا معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہئے اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا اور اعانت اور اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی میں ہمراہی کا لفظ اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں



حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امتداد اور استعانت کے موقع پر مح کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہو گیا ہے کہ معیت میں اعانت ضروری ہے اور اقرابت اعانت کے سوا مستحقق ہوتی ہے۔ پس اقرابت کا مراقبہ معیت کے مراقبے سے اول چاہئے۔ ہر حال میں اسی طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب کے ذہن میں بچتا ہو جائے اور کمال رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فریضہ کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ اسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضا گناہ کی طرف ہلنے سے خود بخود رک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ جل شانہ کے قریب اور معیت کے لحاظ کا اثر اس میں ظاہر ہونا چاہئے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آتی ہے پیش آئے اور اس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمال اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً بازاری نا آشنا آدمی پیش آئے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقت ور عادل انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آجائے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی علیٰ ہذا القیاس

۶  
۱۰ حاشیہ صفحہ گذشتہ: اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور بیشک مراد پروردگار میرے ساتھ

۱۱ ہے عنقریب مجھ کو رہتے رہنے کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے



پس اس اللہ تعالیٰ سے کس قدر شرم جو وجوہ غنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اس کے وصفوں سے ہرگز نسبت نہیں۔ اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اس کی عنایات کا کچھ ٹھکانہ نہیں اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ سے مانع ہوتی ہے۔ پس سچے بادشاہ عادل مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے و علیٰ ہذا القیاس اگر جنگل اور میدان میں ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ جانے اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انیست والفت ہی معلوم کرے اور وہ اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے جب یہ آثار مرتب ہو تو معیت کے معنوں کے حصول کا شکر ادا کرے اور یہ معیت اس وقت ولایت کبرائے کی علامت ہوگی کہ اس دائرے کا نور مذکورہ دونوں دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ اس کے ہمراہ ہو اور اصلیت یہ ہے کہ مختلف رنگوں والے نور ذات پاک کا حجاب ہیں ان کا طے کرنا ضروری ہے پس شغل کے کمال اور اس کی خوبی اور دائروں کی تفاوت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب اور عزت کے موافق یہ حجاب طے ہوتے ہیں۔ ایک دائرے میں کم اور دوسرے میں زیادہ یہاں تک کہ ذات بحت کے ادراک تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے دائروں میں محبت وغیرہ کے ساتھ اقریبیت کے لحاظ کی مانند دائرے کے آثار کا ظاہر ہونا جس کے آثار پہلے بیان کے بموجب واضح ہو جاتے ہیں۔ اس دائرے میں اکمال نہیں گو ان آثار کا حاصل ہونا نہایت ہی عجیب اور مرغوب کمال ہے لیکن اس ولایت



کا معنی جو سلوک کا مقصود ہے انوارِ دوائر کے انکشاف کے سوا حاصل نہیں ہو  
 سکتا اور دائرے کی حقیقت اپنے کمال تک نہیں پہنچتی پس دائرے کی تکمیل دونوں  
 چیزوں سے ہے اول انوار کا انکشاف دوم قرب و معیت و محبت وغیرہ آثار  
 کا حاصل ہونا اور دائرہ کا صاحب اپنی عزت اور سعی کے موافق کامیاب ہو سکتا  
 ہے لیکن نچلے دائرے والا بلند دائرے والے کی طرح اپنے مطلوب پر فائز  
 نہیں پہنچ سکتا مثلاً اگر صاحب دائرہ قلبی اپنے کسی مطلب کو پہنچتا ہے  
 لیکن جس طرح دائرہ محبت والا کامیاب ہوتا ہے دائرہ قلبی والا کامیاب  
 نہ ہو گا اس کے بعد **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** یعنی ذات پاک کے ساتھ اپنی  
 محبت اور اپنے ساتھ اسکی محبت کا مراقبہ ہے اور اس موقع پر اُڑھائی  
 دائرے ہیں اور اس کی یہ وجہ ہے کہ محبت کے تین مرتبے ہیں۔ اول ابتدائی  
 مرتبہ جو آدمیوں کے درمیان دوستی اور آشنائی کے جا بجا ہے۔ ابتدائی  
 محبت میں محبت اپنے فائدے اور محبوب کی رضا اور خوشنودی دونوں باتوں  
 کا لحاظ کرتا ہے اور اپنی اور محبوب کی جانب کی پاس خاطر نہیں چھوڑتا اور  
 یہ پہلا دائرہ ہے اور جب محبت نے ترقی اور محبت کی جانب نسیبت اور  
 فنا ہونے لگی پہلا دائرہ ختم ہوا اور دوسرا دائرہ شروع ہو گیا اور اس دائرے  
 میں اپنے آپ بلکہ تمام مخلوقات پر جانب حق کی ترجیح پیدا ہو جائے گی لیکن  
 اس ترجیح سے وہ عقلی علمی ترجیح مراد نہیں کہ نفع و نقصان کا موازنہ کر کے  
 اور سمجھ کر ترجیح دے گا بلکہ وہ ترجیح مراد ہے کہ اس کے تہ دل سے  
 فوارے کی طرح جوش مارتی ہے اور جب نسیبتی اور فنا اعلیٰ مرتبہ پہنچ گئی

ہے وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں۔



اور محبت کی جانب سے کوئی نشان نہ رہا تو دوسرا دائرہ ختم ہوا اور قوس شروع ہوئی اور اس کا نام یہ قوس اس واسطے ہے کہ نصف ثانی یعنی محبت کی جانب وہاں بالکل نہیں ہے جب تک قوس کی ابتدا ہے جانب محبت کا خیال نہ کیا گیا ہو جائے گا پھر قوس محبت پوری ہو جائے گی اور اسی میں فناء الفناء کا مقام حاصل ہو جاتا ہے بعد ازاں اسم "الظاہر" کا مراقبہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں اور نام کے بے شمار مظہر ہیں اور ہر نام کا مصداق اس کی پاک ذات میں موجود ہے جس قدر عرفان زیادہ دقیق ہوگا مظاہر کی شناخت کمال کو پہنچے گی اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا اتنی زیادہ کمال ہوگا اور تمام جہان اور اجسام اور وہ افعال اور احکام جو تکوین اور تشریح میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اسم ظاہر کے مظہر ہیں اور جو کارخانے اس کی رازقیت سے متعلق ہیں اسی کے مظاہر ہیں سے ایک مظہر ہیں اور اسی طرح کتاب کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے وغیرہ کے جو کارخانے ہدایت کی شان سے متعلق ہیں دوسرا مظہر ہیں اور ایسا ہی ابلیس سے لے کر دوسرا ہی تک لوگوں کو گمراہ کرنے کے کارخانے اور اسی طرح دوا اور مظہر یعنی ثواب اور عذاب اور بہشت اور دوزخ وغیرہ کے سہلے دونوں مظہروں پر مرتب ہوتے ہیں۔ بالجملة اسم ظاہر کے مظاہرہ کا ملاحظہ کر کے ان بے شمار عوام ظہور کی چہیت سے اس مبارک اسم کے مستحق اس کی پاک ذات کا ملاحظہ کرے اور یہ نہ جانے کہ یہ ملاحظہ ممکن نہیں بلکہ اجمالی طور پر نہایت ہی آسان اور سہل ہے اور جب بصیرت کی آنکھ زیادہ تیز ہوگی اس کی تیزی کے موافق تفصیلی ملاحظہ بھی زیادہ آسان ہو جائے گا اور اسی دقیقہ کے باعث اس صیغہ



سُبْحَانَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.....

..... کے ساتھ عارف کی تسبیح غیر عارف کے

ہزار مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر بلکہ بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل اس

طرح پر ہے کہ جب صیغہ مذکورہ کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف

ہو اور اس کا لحاظ تمام خلق کو گھیر لے اپنے لحاظ کے مطابق ثواب کا مستحق

ہو گا تو عارف کے برخلاف کہ اس کے لحاظ کو کچھ وسعت نہیں بالجملہ حسب طرح

چاہے اس مراقبہ کا شغل اختیار کرے اور جب مراقبہ کے فیوض کے موارد کہ

بالذات تو لطیفہ نفس ہے اور بالفتح باقی لطائف ہیں اس کے فیوض سے کما مینفی

فیض حاصل کر لیں گے۔ اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اور منجملہ اس

مراقبہ کے آثار ایک اثر فنا ہے یعنی نفس اپنے آپ اور اپنے افعال

سے بیخبر ہو جائے گا اور اس کے اخلاق سدھر جائیں گے یعنی اس کی بد

عادتیں نیک عادتوں سے تبدیل ہو جائیں گی اور اس مراقبہ کے فیوض کے ورود

میں نفس کے مستقل ہونے کی وجہ ہے کہ عقل اسم ظاہر کے مظاہر کا ادراک

کر سکتی ہے برخلاف اسم باطن کے اس کے مظاہر کے ادراک میں الہام اور

کشف کے سوا اور کوئی راستہ نہیں اور چونکہ لطیفہ نفس کا محل یعنی سر عقل

اور ادراک کا محل ہے اسی واسطے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے لطیفے کے

فیوض کے ساتھ زیادہ اختصاص حاصل ہو گیا ہے اور ان آثار کی ترتیب

کا یہ سبب ہے کہ اس مراقبہ کی وجہ سے تمام حرکات و سکنات اور اسباب

اور مسببات کا صدور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی طرف سے اس طرح اس

کے دل میں منقش ہو گا کہ کسی ایک تاثیر سے بھی اسکو غفلت نہ ہوگی اور

امید و خوف اور محبت صرف اسی پاک ذات سے متعلق ہو جائیں گے۔



اور سناٹک کی نظر میں اس کے غیر کچھ اعتبار نہ رہے گا اور غیر کو اس طرح آلہ  
 سمجھے گا جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک آلہ ہے پس عالی ہمت کریم الطبع  
 کے لئے تو صرف اس پاک ذات کی محبت اور الفت کی وجہ سے جو کہ اس قدر  
 کمالات کے ظہور کا باعث ہے آثار مذکورہ پورے کے پورے مترتب ہو  
 جائیں گے اور جو شخص علو ہمت اور کرامت طبع میں ادنی مرتبے پر ہو گا  
 اس کو بعض آثار محبت کی وجہ سے اور بعض آثار خوف کی وجہ سے حاصل  
 ہوں گے اور مقتضائے وَكَلَّا وَاللَّهِ الْخَمْسَى ..... ہر ایک اپنے مقصود پر  
 کامیاب ہو گا اور یہ دائرہ بھی اسی وقت ظاہر ہو گا جب کہ آثار کے ظاہر ہونے  
 کے سوا الزار میں بھی کما ینبغی ترقیاں ظاہر ہوں جیسے پہلے مفصل طور پر بیان  
 ہو چکا ہے اور اگر یہ دائرہ محبت کے دائرے سے مقدم ہوتا تو بہت بہتر  
 ہوتا اس لئے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں میں بڑی امداد دیتا ہے۔ پس  
 حسن ترتیب اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم  
 ہو چھرا اسم الباطن کی سیر کرنی چاہئے اس کا بیان یہ ہے کہ ان ہی ظاہری چیزوں  
 کا باطن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم باطن سے فیض حاصل کر رہا ہے اور اس  
 کی مثال بادشاہت کا انتظام ہے جو کہ نہایت ظاہر ہے اور اس کا باطن  
 بادشاہ کی عقل اور تدبیر ہے پس چاہئے کہ اپنی سمجھ کے مطابق بطون کے  
 مظاہر کو معلوم کر کے ان مظاہر میں اسم باطن کے اثر کے اعتبار سے اس  
 کے مسمیٰ کا مراقبہ کرے اور اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ  
 ملائعہ اعلیٰ کی ولایت ہے اور ملائعہ اعلیٰ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو امر کی تدبیر  
 کرنے والے اور احکام الہیہ کے اخذ کرنے والے ہیں جو حکم نافذ ہوتا  
 ہے پہلے وہ اسکو اخذ کرتے ہیں پھر جہاں میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ تمام



عوالم اجسام اور ان ارواح کا باطن ہیں جو اجسام کے مدبر ہیں اسی واسطے ان کے کمال کو اسم الباطن سے تعلق ہے اور جسم انسانی سے اس مراقبہ کے فیض کا مورد آگ اور پانی اور ہوا ہے کیوں کہ یہ تینوں عنصر انسانی جسم میں باطن ہیں اور مٹی ظاہر ہے۔ اسی جہت سے یہ تینوں اسی کے فیض کے مورد ہیں اور اور صدور آثار میں ان عناصر کا بدل جانا اس کا اثر ہے کیوں کہ آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضی پر رہتی ہے پس اسکی طبیعت کا مقتضی اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً آگ کا مقتضی غلبہ اور علو ہے جو کہ انسان میں غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے اور کبھی دعویٰ خدائی تک پہنچا دیتی ہے اور شیطان کیلئے آگ کا مقتضی لعنت کا باعث بنا اور اسکو عمیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید کر دیا گیا اور جب اس مراقبہ کے فیض سے مستفیض ہوگی۔ احکام الہیہ کی فرماں برداری میں بلند ارادے اور ان میں سبقت اور مسارعت کی سعی اس میں پیدا ہو جائے گی اور انسانی اخلاق میں ہوا کا مقتضی حرص اور خواہشیں ہیں اور اس کا بدلنا اس طرح ہے کہ حرص اور خواہش مرضیات الہیہ کی طرف مشغول ہو جائے اور دنیاوی زینت سے منحرف ہو جائے اور انسان میں پانی کا اثر سستی اور افتادگی اور تسفل ہے اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے سست ہو جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں گر پڑے اور رب العزت کی عظمت کے سامنے لپٹ ہو جائے اور اس سیر میں اسم الباطن کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے باوجود تب ہی تمام ہوگا کہ اسی سیر کے موافق نورانی حجابوں کو قطع کیا جائے پھر بجلی ذاتی دائمی کا سیر ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ بجلی جس کا منشاء محض ذات ہے اور دائمی سے یہ مراد ہے کہ یہ بجلی زمین و آسمان کی مانند مستقر



ثابت ہے اگرچہ اس بجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن  
 ڈاکمی سے ظاہری معنی کے سوا کوئی اور امر مراد نہیں اور انبیاء و مرسلین اور  
 اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی بجلی میں سے ہے۔ پس اس سیر کے تین  
 درجے ہیں اول اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے  
 یعنی اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح کی غلطی واقع نہ ہو  
 سکے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود  
 ہوتی ہے کیوں کہ ان کا وجود باوجود فیوض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو خبر نہ  
 ہو لوگوں کو ان کے منافع پہنچتے رہتے ہیں پس ان کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ  
 اس کی روشنی سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں گو چراغ کو خبر نہیں ہوتی۔ پس  
 انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں اسی واسطے ان کے فیوض کلمے  
 ذاتی ڈاکمی سے متعلق ہیں فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ اپنے کام میں مستغرق  
 نہیں رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجالاتے ہیں پھر بے کار اور  
 منتظر اور مستعد رہتے ہیں اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشا بجلی ذاتی ڈاکمی نہیں  
 ہوتی اور وہ الزار اور کلیات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے  
 ثمرات ہیں اسی میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے فیض کا مورد دو وجہ سے  
 خاک کا عنصر ہے اول یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت اسی لئے اس سیر کے  
 موافق ہے دوم یہ کہ اس بجلی میں ظہور کے معنی ہیں کیوں کہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارا  
 جہان بجلی ذاتی ڈاکمی ہے اور عالم ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس بجلی کا  
 ظہور سمجھ لینا چاہیے اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں  
 تو اضع اور فروتنی کا پیدا ہو جانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر  
 ہے۔ اپنے مالک کے سامنے تو اضع اور فروتنی کرنا اور اس کے حکم کے قبول کرنے



سے کوشش نہ کرنا اس سے مقصود ہے۔ اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجا آوری میں اس کے دشمنوں پر ایک قسم کی تعلی پائی جائے اور جو پستی پائی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیوں تسفل میں مطلقاً اپنی پستی ہوتی ہے اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے آپ کو پست کر لے پس تواضع ہر وقت میں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے تسفل کے برخلاف کیوں کہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا اور جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے ان اشارے کے ظہور کا امتیاز کرنا چاہیے اس لیے کہ کبھی عقلمند انسان صفات نفسانیہ میں سے کسی ایک صفت کے تصور کو اس کا حصول سمجھنے لگ جاتا ہے اور جو گفتگو کہ ایک فلسفی حکیم اور کامل عارف کے درمیان جاری ہوئی ہے اس امر کے بیان کرنے کیلئے ایک پوری مثال ہے

منقول ہے کہ ایک فلسفی حکیم اور ایک کامل کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے بعد ایک شخص نے غائبانہ عارف سے حکیم کا حال پوچھا عارف نے فرمایا کہ اس میں اخلاق نہیں اور یہ بات کسی نے حکیم کو پہنچائی حکیم نے اخلاق کی توضیح میں ایک عمدہ اور سنہری کتاب تالیف کر کے بھیج دی۔ عارف نے کہا میں نے تو کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں یہ نہیں کہا کہ وہ اخلاق جانتا نہیں پس اس نے جان لیا کہ اخلاق کا علم اور چیز ہے اور اس کا حاصل ہونا اور چیز اور کبھی اس کا حاصل ہونا عبارت کی وجہ سے اور کبھی شیطانی مکر سے اور کبھی نفسانی دھوکے سے کمالات کا تصور ان کے حاصل ہونے سے مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان جہل مرکب کی لاعلاج بیماری میں رہتا ہے اور یہ بد نفسی کی صریح علامت ہے اور حصول وہی معتبر ہے جو تہ دل سے جو ش مارتا ہے وہ نہیں جو زور کے ساتھ اپنے اوپر باندھ لیا جاتا ہے اور اس سیر کے پورا کرنے کی واسطے حسب طرح



کئی بار مذکور ہو چکا ہے انوار کا تبدیل ضروری ہے اور اس تجلی کے سیر کا دوسرا <sup>درجہ</sup> منشاء کمالات رسالت ہے رسولوں کے خصائص کو سمجھ کر اس کے منشاء کی طرف انتقال کرے اور منشاء ہونے کی وجہ سے حضرات ذات کا مراقبہ کرے، مخلوق است اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وساطت اور ایچی گری کے ظہور سے رسالت اور نبوت میں امتیاز ہو سکتا ہے اور ناصح اور واعظ ہونا اور تحتوں اور دلیلیوں کے بیان کرنے میں بہت کوشش کرنا اور معجزات قائم کرنا اور مناظرہ اور مقابلہ اور مخاصمہ کرنا انبیاء کے برخلاف رسولوں کو لازم ہے کیوں انبیاء کو مقابلہ کرنا لازم نہیں اور مرسل الہی کے حق میں رسول کا قول معتبر ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ معتبر اور سچے ایچی کو جب کسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں اس قوم کی فرماں برداری کرنے یا نہ کرنے میں اس کی بات مقبول ہوتی ہے اور کمالات اولوالعزم کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنا اس تجلی کی سیر کا تیسرا درجہ ہے اور کفار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارے میں قومی ہمت کی بجا آوری کیسا تھ باقی رسولوں سے اولوالعزم کا امتیاز ہو سکتا ہے پس کفار کے ہلاک کرنے میں رسولوں میں سے اولوالعزم کی قومی ہمت کو بڑا بھاری دخل ہے رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے قہر یہ ارادے کیلئے اعضائے النعانی کے جا بجا نہیں ہوتے اور اولوالعزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں اول آنکہ فرشتے اور اولوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں دوم آنکہ فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع سوم آنکہ اس کے برعکس یعنی رسول مستقل ہو اور فرشتے تابع اور تیسری صورت ایک طرف درجہ جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منحصر ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہیے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں



سے حاضرین بدرضوان اللہ علیہم تعالیٰ اجمعین کو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہونے کے طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے۔  
 بالجملہ انبیاء میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے اولوالعزم کا امتیاز  
 اس سیر کے مراقبے اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور  
 آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا وہ خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے  
 کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے اول انوار کا بدلنا  
 جو مکرر کر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے  
 اور تازہ یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور  
 شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدیل صفات میں سے ہے۔ پس کمالات  
 نبوت کا منشاء ہونے کے لحاظ سے جو شخص ذات کا مراقبہ کرے گا اس کو نبوت  
 کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کر دیں گے۔ اس کا ادنیٰ درجہ نیک  
 خواہیں ہیں اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اس پر فائز ہو گا  
 اور غفلوں اور جاہلوں اور سرکشوں کے سمجھانے اور پڑھانے اور مناظرے کا  
 اس کو الہام کیا جائے گا اور تلمیذ سے درجہ سے سرکشوں اور نافرمانوں کے ہلاک  
 کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام اور اکرام کے بارے میں اس کو  
 قوی ہمت بخشیں گے اور اس مدعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہیے کہ اسماء  
 الہی میں سے جس اسم کا مراقبہ کرے گا اسی سے کچھ پائے گا۔ جو شخص اس کی  
 نزاقیت کا مراقبہ کرے گا اور اس مراقبے کو کمال تک پہنچائے گا نزاقیت کی  
 کچھ شان اس میں جلوہ گر ہو جائے گی۔ اس کی مطلق کی بے نہایت مہربانی  
 اس کا باعث ہے کہ ماویٰ عادت ہے کہ مثلاً جو شخص کھانا کھانے کے



وقت ان کے سامنے جائے اور طرح کی آنکھ اس پر لگائے البتہ اس کو ایک  
لقمہ دیں گے اور اسی مثال سے اس کلام کے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی  
یعنی جو شخص اسمِ محمدی کا مراقبہ کرے گا گویا اس کی شانِ اعیاء کے سامنے جا کھڑا ہوا  
ہے پس حق سبحانہ و تعالیٰ کے کرم کا مقتضایہ ہے کہ شانِ اعیاء سے کچھ اثر اس  
شخص کو بخشنے۔ سوم اللہ جل شانہ کی خاص عنایت اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ  
جب خاص بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو خوبی سے سرانجام دیتا ہے دو چیزوں کا  
مستحق ہو جاتا ہے ایک ثواب دوسرا انعام۔ ثواب اگرچہ بے حساب ہو لیکن مزدوری  
کی جا بجا اور اس کام کا نتیجہ اور اس کے مناسب ہے اور انعام خلعت فاخرہ کے  
قائم مقام ہے رضائے مولیٰ جس کا سبب ہے۔ جب انسان اس سے کامیاب ہوتا  
ہے کما حقہ دونوں کا امتیاز کرتا ہے۔ مستجاب الدعوات ہونا اور ملاءِ اعلیٰ میں  
عزت پانا انعام کی مثال ہے اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کارآمد  
ہوتا ہے بہشت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے اور حور و قصور و عثمان  
اجرت اور مزدوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِتَذِيْنَ اَحْسِنُوْا الْحَسَنٰ  
وَزِيَادَةٌ۔۔۔ اور روایت صحیحہ کے بموجب زیادتی سے دیدار خداوندی  
مراد ہے اور انسان کی بہت مجموعی ان اخیر کے دو درجوں کے فیض کا مورد ہے  
اس فیض کے درود میں کسی عنصر اور لطیفہ کو کوئی خصوصیت نہیں اور اسکا  
یہ سبب ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزم کے کمالات  
کا منتہی ذات پاک ہے اور انسان کے تمام اجزا کی اصلاح ان کمالات کے  
صاحبوں کا اصلی مقصود ہے اسی لیے ان دونوں درجوں کے فیض کا محل درود  
مجموعی بہت ہوتی ہے پھر حقیقت کعبہ کے ظہور کے اعتبار سے حضرت ذات  
کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ذات کا تمام مخلوق کیوں سطرے مسجود ہونا کعبہ کی



حقیقت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اور حقانیت کی وجہ سے معظم ہونا اس مراقبہ کا اثر ہے اہل حق اس سیر والے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کا باعث جانتے ہیں، اسی واسطے بعض صحابہ کے خیال میں گذرا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہیے اور حضرت آدم صلی اللہ صلوٰۃ اللہ علی نبینا وعلیہ تمام بلائک کے مسجود اور قبلہ بنے اور حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بزرگوں یعنی والدین اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا، پھر حضرت ذات سے حقیقت قرآنی کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کی بے چوئی کی وسعت کا مبداء اس کا منشاء ہے پہلے وسعت بیچونی کا تصور کرنا چاہیے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ظہور افعال کے اعتبار یا کسی طرز سے ذات پاک کی وسعت کو ذہن نشین کریں لیکن ظہور افعال کے اعتبار سے اس طرح ملاحظہ کریں کہ ہر حرکت کے پیچھے جو جہا لوں میں ظاہر ہوتی ہے حقیقت میں محرک وہی ہے پس اگر چوٹی کا پاؤں ہلتا ہے تو اس کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر نلک الافلاک گردش کرتا ہے تو اسی کے حرکت دینے سے گردش کرتا ہے اور اگر ہم اس کی تحریک کا سبیل اور طریق دریا کرنا چاہیں تو نہ چوں اور بیچگون کہنے اور لیس مکشہ شئی کے پڑھ دینے کے سوا کوئی امر معلوم نہیں ہوتا پس جس طرح کہ اس کے افعال میں ایسی وسعت ہے کہ اس نے تمام جہان کو گھیر ہوا ہے اس طرح اس کی بیچونی اور گونی کو بھی سمجھنا چاہیے اور یہ بیان اس کی بیچونی کی بہ نسبت بہت تھوڑا ہے پھر کلام پر بے چون کی وسعت کو پہچاننا چاہیے اس لحاظ سے کہ کلام ہر چیز کو بیان کرتی ہے اس میں اس قدر وسعت ہے کہ معدومات



اور موجودات سب اس میں سما جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ خواص محکی عنہ کا اثر اس میں پایا جاتا ہے اس کو بیچون کہہ سکتے ہیں اور حقائق عالم پر مشتمل ہونے اور ہمیں ہونے کے باعث قرآن شریف میں بے نہایت لمبی چوڑی وسعت ہے انسانی علم کو اس کے منتہی تک پہنچنا محال ہے اور چونکہ ازلی حقیقت کا ظہور اسی سے ہے اس لیے بیچون ہے اور اس کی بیچونی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ عرب کے مستعملہ حروف اور کلمات سے اس کے مرکب ہونے کے باوجود اس جیسے ایک جملے کی ترکیب غیر خدا سے نہیں ہو سکتی اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کلام کی ترکیب میں بیچون ذات نے ایسا بیچون امرامنت رکھا ہے کہ ہزاروں فصیح و بلیغ اس کی کہنے کو نہیں پہنچ سکتے اور انسان جو کہ خاص صفت کلام کا مظہر ہے اور آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس صفت کی وجہ سے تمام طائفہ کے معزز ہوئے جب غیر خدا اس جیسے ایک جملے کی ترکیب سے عاجز ہو گیا تو اس کے غیر سے اس کا سزا انجام ہرگز نہ ہو سکے گا۔ پھر قرآن مجید کی مبدئیت کو معلوم کرنا چاہیے اور اگرچہ قرآن مجید غایات اور نہایات پر مشتمل ہے لیکن قرآن مجید کے سوا معرفت کے شروع کی کوئی سبیل نہیں۔ مستلماً بخشی گری اور وزارت اور امارت اور ان کے سوا بادشاہی کے تمام عہدوں کا مبداء و نوکری ہے پس یہی نوکری وزارت ہے اور یہی نوکری خدمت گاری ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید میں وسعت بیچون کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اسی واسطے مبداء ہونے کے لائق ہے جب تینوں باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو وسعت بیچونی کے مبداء کا معنی جو کہ حقیقت قرآنی کا منشاء ہے سمجھ میں آگیا پس وسعت بے چونی کے لحاظ سے جو کہ حقیقت قرآنی کا منشاء ہے مراقبہ ذات کا مشغول کرے اور اپنے آپ میں آثار کے ظاہر ہونے اور الوار



کے بدلنے کو معلوم کر کے کمال وسعت بیچون کا طالب ہونا چاہیے اور اس سیر کے آثار میں سے وہ صفائی اور نفاہت ہے جو اس سیر میں پہنچنے والا اپنے آپ میں پاتا ہے اور وہ بیچون اور کمال وسعت بیچونی کے مناسب صفائی طرح طرح کی نیاز اور قسم قسم کی تعظیم کی حقیقت کا منشا و کہ نماز ان سب کو جمع کرنے والی ہے کمال مذکور کی طرف اشارہ کرتی ہے حقیقت قرآن کا منشاء ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنے کے بعد حقیقت نماز کا منشاء ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کر کے اور مراقبہ کرنے والے کی نہایت صفائی اور پاکیزگی اس کا اثر ہے پس بول اور پانخانہ کی مانند ظاہری نجاستوں کیسا تھیں عین آلودہ ہونے کے وقت اپنے آپ میں صفائی اور ستھرائی معلوم کرتا ہے اس کے بعد ارکان نماز میں مسجودیت مقیدہ سے قطع نظر محض معبودیت کا مراقبہ ہے اور اس کی تصویر یہ ہے مثلاً اس لحاظ سے نماز کا ادا کرنا معبودیت مقیدہ ہے کہ سچے منعم اور بکے حاکم نے ہم پر فرض کی ہے اور اس لحاظ سے اس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے۔ معبودیت محض ہے اور اپنی وہ عظمت اور بزرگی اس کا اثر ہے جو بے وجہ اور بے سبب اپنے آپ میں پائے گا۔ یہ عظمت اس عظمت کے برخلاف ہے جو حقیقت کعبہ کے مقام میں معلوم کی تھی اور اس کے بعد حقیقت ابراہیمی کا منشاء ہونے کے لحاظ سے ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس میں مجمل بات یہ ہے کہ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر کامل کو اپنے ساتھ انس ہوتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ صاحب کمال کبھی کبھی وحدت میں وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے بجز اس امر کے عجب پیدا ہو اپنے آپ میں ایک رفیق اور مونس گمان کرتا ہے اور اپنے ساتھ اس طرح مونس ہوتا ہے کہ حضرت حق



سبحانہ و تعالیٰ کو اپنے ساتھ النسب ہے اور کمال ابراہیمی علی صا حبہا الصلوٰۃ والسلام کے منشاء یعنی حضرت ذات کمال اپنی ذات کے ساتھ نسبت کا ملاحظہ کر کے مراقبہ کریں اور جب یہ مراقبہ اپنے کمال کو پہنچے گا اس مراقبہ والے میں دوستی کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور جو دوسرا اثنار کہ بیان کیے گئے ہیں ہر جگہ جاننے چاہئیں اس کے بعد حقیقت موسویہ علی صا حبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہونے کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے اور وہ ذات کی محبت ہے اور محبت کو ہر کوئی جانتا ہے۔ مراقبہ محبت ابتداء میں تو اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ سالک خدا تعالیٰ کا محبت بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سالک کا محبت ہوتا ہے اور اس سیر میں اس ذات کے ساتھ ذات کی محبت کا مراقبہ ہے اور حقیقت موسویہ یہی ہے اور جانتا چاہیے کہ خلعت سے وہ علاقہ مراد ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن لیکن خلعت سے زیادہ قوی ہوتی ہے پس خلعت اس اشنائی کے جا بجا ہے کہ دونوں اشنائیوں میں سے ایک کو دوسرے پر بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزت اور وجاہت دوسرے کے دل میں نچتے ہوئی ہے۔ بادشاہوں کی بہ نسبت وزیروں اور امیروں کی مانند یہ خلعت عمدہ کاموں کا واسطہ بننے کا موجب ہوتی ہے اور محبت کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ صرف محبت ہو اور محبوبیت تک نہ پہنچے اور عزت اور وجاہت کے لحاظ سے یہ محبت خلعت کے مرتبہ سے کم ہے اور قرب اور حضور کی ہمیشگی کے لحاظ سے زیادہ ہے جس طرح کہ خواص نہایت خیر خواہ اور خدمت گاری میں دل سوز ہوتا ہے۔ امیر کبیر کی بہ نسبت اس کا قرب زیادہ ہوگا۔ دوسری وہ محبت جو محبت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر محبوبیت کی سرحد تک پہنچ جائے لیکن محبوبیت تک نہ



پہنچے اگر اس مقام سے جو محبت کا منتہی ہے آگے بڑھ کر محبوبیت تک پہنچ گیا تو یہ محبت فی الجملہ خلت ہے تیسری وہ محبت جو محبوبیت تک پہنچ جائے یہ بیشک خلت سے بہت بلند ہے اور جس طرح کہ ابھی آئے گا حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہے چونکہ اس جگہ مراتب ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار قرب اور دوری حضور پر ہے اور یہ بات محبت میں خلت سے زیادہ ہے اگرچہ کاموں کے سرانجام اور بڑے بڑے کاموں کا واسطہ ہونے میں خلت زیادہ ہے۔ اسی واسطے اس سلسلہ کے بزرگواروں نے محبت کو خلت کے پیچھے رکھا ہے اگرچہ محبت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو دراصل حقیقت ابراہیمیہ حقیقت موسویہ سے افضل ہے اس کے بعد اس ملی ہوئی محبت اور محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہے اس کے بعد محبت کی ملاوٹ کے سوا محض محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ جو حقیقت احمدیہ ہے اس کے بعد صرف حب کا مراقبہ ہے جس کو محبوب یا محبت سے کچھ تعلق نہیں اس کے بعد اس لحاظ سے لاتعین کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ سب تعبیریں اس سے نیچے ہیں کوئی تعبیر اور بیان

اس کو نہیں پہنچتا واللہ اعلم بالصواب والحقیقۃ العلیہ

تکملہ راہِ ذلالت کے سلوک ثانی کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید

بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک



متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث الاعظم اور  
 حضرت خواجہ بزرگ نایب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور  
 حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور پلشوائے  
 طریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور حضرت امام ربانی قیوم زبانی  
 حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے  
 بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے ہیں اور یہ صریح غلطی اور بہات  
 ہی برا عقیدہ ہے اس لیے کہ اہل خذلان اور بطلان بھی تو اس مقام تک پہنچ  
 جاتے ہیں اور جب اس مقام میں ان کی رسائی بھی ہو ا کرتی ہے تو کس طرح  
 سے اس مرتبہ کو خذلان کے کی قبولیت کی بارگاہ کے بزرگواروں اور اس  
 کی عنایت کے ملکوں کے بادشاہوں کے کمال کا منتہی سمجھ سکتے ہیں۔

دَسُوفَ تَرَايَ إِذَا انْكَشَفَ الْغُضَاؤُ

أَفْرُسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

اگرچہ جس طرح سلوک متعارف اس کتاب میں لکھا گیا ہے اہل خذلان اور بطلان  
 کو اس میں رسائی نہیں، اس لیے کہ اس کے اکثر اشغال آداب شرعیہ اور تعظیم  
 شرع شریف سے ملائے گئے ہیں لیکن اس جگہ آداب شرعیہ کے ملانے سے  
 قطع نظر بعض ان اشغال کا حال بیان کرنا مقصود ہے پس اصلیت یہ ہے  
 کہ بے شک معرفت ذات تک وصول حاصل ہو گیا لیکن رواد قبول اس وصول  
 کے سوا دوسری چیز ہے، مردود ان درگاہ الہی کو اس مقام تک پہنچا دینا  
 اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے بادشاہی قلعے میں پہنچ

لے اور جس وقت غبار اٹھ گیا تب معلوم ہو جائے گا کہ گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر



جائے۔ اگر اپنے برے فعل سے توبہ نہ کی تو قریب سے کہ بادشاہی غضب میں گرفتار  
 ہو جائے اور سلطانی حکم کے مقابلے میں جو لغاوت اور سرکشی اس نے کی  
 ہے اس کے زائل ہونے کا اثر عدالت سلطانی کے محکمے میں ثابت نہ ہو اس  
 لیے دین طالب کا یہی حال ہے جو معرفت ذات تک پہنچ گیا ہے۔ ہاں شریعت  
 کے پابند طالب کے حق میں یہ ایک بڑی چیز ہے کہ دراصل ترقی اور کمال کا آغاز  
 اسی مقام سے ہوتا ہے اور یہ مرتبہ بعد خوانی کے جا بجا ہے اور جو مرتبے  
 ابتداء سے یہاں تک ذکر کیے گئے ہیں مطلوب اور مقصود کمال میں گئے نہیں  
 جاتے اور اس امر کی حقیقت اس مثال کے ضمن میں جو آئندہ افادے کے  
 ضمن میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے واضح ہو جائے گی پس ضرور  
 اللہ تعالیٰ کی قبولیت کی بارگاہ کے بزرگوں کے لیے متعارف سلوک کیلئے  
 متعارف سلوک کے سوا اور ترقیاں اور مقام ہیں کہ جن کی وجہ سے مقبولان حق  
 کے زمرے سے ہو گئے ہیں بلکہ ان ہی مقامات میں ان کے قبول ہونے کے باعث  
 انہوں نے باقی مقبولوں سے امتیاز حاصل کیا ہے پس ان ہی ترقیوں کو ہم سلوک  
 ثانی کہتے ہیں اور صوفیاء کی زبان سے جو الفاظ ان مقامات کی واسطے مقرر ہیں  
 ان کا انتہائی قطب ارشاد ہے جو رگمت الہی کے اناضے کا واسطہ ہوتا ہے  
 جو کچھ پہنچتا ہے اسی کے ذریعے سے پہنچتا ہے اور اکثر ناواقف جو سلوک  
 اول اور سلوک ثانی میں تمیز نہیں کر سکتے بلکہ سلوک ثانی سے بالکل بے خبر  
 ہیں اور جانتے ہیں کہ سلوک اول کے تمام ہو جاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ  
 پہلے سلوک کی انتہا دوسرے کی ابتدا ہے جو اصلی سلوک ہے اور کبھی بارگاہ  
 الہی کے مقبول بعض سلوک اول میں سیر کر کے بغیر ہی سلوک ثانی کے مدارج  
 سے ممتاز اور سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اس کا محور یہ ہے کہ ایک صاحب عقل



صاحب نہمت شخص کو جو بادشاہ کے حضور سے دور ہے بادشاہی احکام پہنچے اور اس نے ان احکام کی بجا آوری میں اس طرح کوشش کی کہ تمام رعایا اور سپاہیوں میں مک جلالی اور بارگاہ سلطانی کی فدویت کے لقب سے مشہور ہو کر حضور کے مقربوں میں بہت سے لوگوں کا محسود بن گیا ایسے لوگوں کو جس وقت حضور بتیسر ہو گیا ایسی عزت اور امتیاز سے کامیاب ہو گیا کہ سلوک اول کے ساکنوں کو اس کا حاصل ہونا ممکن نہیں اور بعض اوقات سلوک اول میں ہی سلوک ثانی کے درجے حاصل ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص صوفیوں کی اصطلاح میں سلوک اول کا ساکن ہے اور سلوک ثانی کے درجوں کے لحاظ سے اس کا حالی اس صاحب عقل اور نہمت کی مانند ہے کہ جس کا تھوڑا سا ماجرا اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور طبیعت کے بموجب نیت کا اخلاص اور طبیعت کی صفائی اس کا باعث ہے کہ سلوک اول کے اشغال محض عبادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کیلئے کرتا ہے جس قدر اس امر اس کی نیت زیادہ صاف ہوگی سلوک ثانی کے مدارج بہت جلدی حاصل ہوں گے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور اگرچہ سلوک ثانی شرع کا مقصود اور قرآن و حدیث کا بیان کیا ہوا ہو لیکن سلوک اول کی طرح ضبط کیا ہوا نہیں لہذا اخلاص کے طور پر لکھا جاتا ہے

مقتدر اور ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ ولایت کے رستے میں دو سلوک مترتب ہوتے ہیں پہلا تو ربط اور ضبط کے ساتھ تدوین کیا ہوا ہے اور دوسرا منضبط نہیں باوجود آنکہ اسی سلوک کا منتہی اصلی مقصود ہے۔ ہمیشہ اہل ولایت یہ سلوک کرتے رہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور سلوک ثانی کے عدم انضباط کی وجہ سے اکثر اوقات ناواقفوں پر دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے



سے ممتاز اور جدا نہیں جانتے لہذا ہر ایک کی تفصیلی تمثیل سن لینے چاہئے تاکہ آپس  
 میں جدا ہو جائیں اور واضح ہو جائے کہ مقصود اصلی سلوک ثانی پر موقوف ہے  
 پس مقصود کی یہ مثال ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص ہے جس کا وطن دارالخلافہ سے  
 دور ہے بادشاہی کے مرتبوں کے شوق اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور  
 اپنی کامیابی کے رستے کو بادشاہ کے حضور میں منحصر جان کر حضور بادشاہی میں  
 پہنچنے کی واسطے کوشش کر رہا ہے اور اپنے اصل مقصود کو اپنے دل میں پوشیدہ  
 رکھ کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کو اپنا اصلی مقصود بتاتا ہے اور  
 بادشاہی حضور میں پہنچنے سے پہلے اپنے اصلی مقصود کو چھپائے رکھتا ہے اور یا  
 تو اس وجہ سے کہ اس کے اظہار سے کئی فسادوں کے واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔  
 یا اس واسطے کہ فی الحال اس کے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے اظہار  
 سے خاموش رہتا ہے پس منزل مقصود کی طرف پہنچنے کیلئے سفر کی تدبیر کرے گا  
 اور رفیقان راہ کے حال اور منزلوں کے نام کی تفتیش کر کے سیدھا راستہ مقرر کر  
 کے اسباب سفر کو جمع کرے گا اور سامان جمع ہو جانے کے بعد اپنے خویش و اقربا سے  
 سے زحمت ہو کر وطن اور ملک کو چھوڑ کر ان کی محبت اپنے دل سے قطع کر کے اور  
 ان سب کو پس پشت ڈال کر رستے کو قطع کرنا شروع کرے گا۔ رستے کے اثنا  
 میں دائیں بائیں شہر اور باغ اور نہریں اور وہ عجائب چیزیں جو کبھی نہ دیکھی  
 تھیں ظاہر ہوں گی سیر و تماشا یا شہروں کے باشندوں کا حال دریافت کرنے  
 یا سفر کا تجربہ حاصل کرنے یا ان ہی جیسی کسی اور غرض کی واسطے سیدھے رستے  
 سے پھر کر مسافت کے بڑھ جانے کو اپنے دل میں گوارا کر لیا اور یہ بھی ایسا دور  
 نہیں کہ اب سیر و تماشا میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اپنے مقصود کو ہی بھلا دے  
 گا یا یادداشت کے باوجود بھی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا اور اپنی تمام عمر



اسی سیر و تماشے میں برباد کر دے گا اور اتنا تو معلوم ہے کہ بڑی تکلیف اور بڑی مدت گزرنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچے گا اور اگر سیدھے رستے سے نہ پھرا اور منزل بمزمل راہ راست کو طے کرتا گیا تو البتہ دارالخلافت کی علامتیں تو روز بروز ظاہر ہو کر قرب اور مقصود کے حاصل ہونے کی خوش خبری اس کے کالوں میں پہنچائیں گے اور جس قدر نزدیک ہوتا گیا فیل خانے اور شتر خانے اور اصطبل اور انہی جیسے اور نشان جو دارالخلافت سے مختص ہیں ظاہر ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ دارالخلافت میں پہنچ کر کسی وجہ سے اپنے مقصود کا وصول حاصل کر کے مطمئن ہو گیا اور سفر کی تکلیفوں سے آرام کی طرف متوجہ ہوا اس کے بعد خاص دیوان میں پہنچ کر اس کو بادشاہی اقبال اور بزرگی کی شان و شوکت کے موافق دیکھ کر سلطنت کی حقیقت کا بیان کنندہ معلوم کیا اور من وجہ بادشاہ کے حضور سے کامیاب ہو گیا۔ پھر بادشاہ کے حضور میں پہنچ کر اپنے ظاہری پہلے مقصود کو پہنچ کر اصلی دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کی طریق کے تجسس اور تلاش کرے گا پس پہلا مطلوب سلوک اول کا انتہائی ہے اور دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کا طریق دوسرا سلوک ہے اور ابتدا سے انتہا تک سلوک اول کے ساتھ اس مثال کی تطبیق ظاہر ہے اس واسطے کہ مرشد اور اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ عنہم اسرار ہم کے طریقوں میں سے ایک طریق معین کرنا رفتگان راہ کے حال اور استون کے تلاش کرنے اور ان میں سے ایک کے مقرر کرنے کے قائم مقام ہے اور اذکار جہری ہوں یا سری زبان سے ہوں یا الطائف سے یا سلطان الذکر ہو اسباب سفر کے جمع کرنے کے جا بجا ہے اور خویش واقارب اور وطن کا چھوڑنا مشغل نفسی کے جا بجا ہے اور دائیں بائیں پھر جانے لوجہ سفاقی کے کشف



میں مستغرق ہونے کے قائم مقام ہے اور اکثر اوقات توحید صفاتی کے واقعات میں اس طرح مستغرق ہو جاتا ہے کہ ذات بحت تک پہنچنے سے غافل ہو جاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا اتفاق پڑتا ہے کہ وصول کی یاد اور مری کے باوجود بھی ان ہی واقعات میں مہنسار رہتا ہے اور ان سے نکلتا نہیں اور اگر نکلا بھی تو دشواری اور دیر سے پہنچنا ضروری امر ہے اور جو شخص اپنی مہمت کو توحید صفاتی میں بٹھائے رکھتا ہے اور ادھر اور ادھر پھرنے کے سوا منزل مقصود کے سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے، وہ جلدی پہنچتا ہے اور دار الخلافہ کی علامتیں اور نشانیاں ذات محض کے نورانی حجابوں کی مانند ہیں اور وہ حجاب ہزاروں درجن میں سے آخری حجاب نسبت بیرنگی دیوان خاص کی مانند ہیں۔ چونکہ اللہ جل شانہ کی پاک ذات بیچون اور بیچگون ہے اور اس حجاب کو اس پاک ذات کیسا تھ زیادہ اختصاص ہے اس واسطے وہ نہایت لطیف اور بے کیف ہے لہذا اس کا نام بیرنگی مقرر کیا گیا ہے اور جانا چاہیے کہ نورانی حجاب سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ دونوں طرفوں سے ہر ایک کیلئے ایک معین حد ہے کہ اس حد تک اسی حجاب کے متعلق ہے۔ بادشاہی مکانات کے دروازوں کے پردوں سے اس کی مثال معلوم کر سکتے ہیں مثلاً جو پردہ دیوان خاص کے رستے میں آئے گا دونوں طرف سے اس پردے کا علاقہ ایک معین حد تک ہو گا اور اس پردے کے خادم اور حاجب اسی حد تک اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہوں گے اور آنے والے کو اجازت یا ممانعت کے ساتھ اس حد سے آگاہ کر دیں گے اور انیوالے کو دوسری حد تک اپنے حکم کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندرونی مؤکل اس آنے والے کو اجنبی نہ سمجھیں اور اندر



جانے میں اس کے مزاج نہ ہوں اور دیہات کے جنگل کی ادھر ادھر کی حدیں بھی اس کی مثال ہو سکتی ہیں۔ پس اس طرح نسبت بیرنگی کو دراز سمجھنا چاہیے اور مکھی ہوئی مثال میں اس کی ابتدا دارالخلافہ سے سمجھنی چاہیے اس واسطے کہ بادشاہ کے ساتھ دارالخلافہ کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے پس ذات محض کا مشاہدہ اور وصول نسبت بیرنگی کی انتہا ہے سلوک اول پر ابتدا سے انتہا تک مثال کی تطبیق یہ ہے لیکن سلوک ثانی کی مثال پس وہی شخص سب بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد بادشاہی ملازموں میں شامل ہونے کے واسطے کوشش کرنی چاہیے تو اس کو لازم ہے کہ ہر کارہ سے لے کر وزیر اعظم تک کے بادشاہی دربار کے سب حاضر باشوں کو اپنے آپ سے راضی کر لے تاکہ بادشاہ کے دربار میں حاجت کے وقت ان کی زبان سے خیر کا کلمہ صادر ہو اور ہر ایک اپنے مرتبے کے موافق کوشش اور سفارش کرے اور بادشاہ کی مرضیات میں بہت سرگرم اور چالاک رہے دربار اور سیر اور شکار کی آمدورفت اور حضور دربار کی ملاقات سے سستی نہ کرے ایسا نہ ہو کہ اس دربار میں سستی کے داغ سے داغدار ہو کر نظر اعتبار سے گر کر حضور بادشاہ کے لائق نہ رہے اور یہ بات اس مقام سے اس کے نکالنے کا باعث بنے اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیے کہ راضی کرنا مرتبے کے موافق متفاوت ہوتا ہے جب تک وہ اپنے وطن میں تھا تب تو اس کا راضی کرنا صرف یہی کچھ تھا کہ چوری اور ڈکیتی اور بغاوت اور انہی جیسے اور کاموں سے پرہیز کرے اور اگر مال گزار ہو تو ہمیشہ حیلہ اور تکرار کے سوا ہی وہ مال ادا کرے اور جب اس مقام حضور تک پہنچے تب اس کا راضی کرنا یہی ہے کہ شاہانہ حقوق اور آداب اور تعظیبات کی رعایت حسب طرح کہ چاہیے بجا لائے اور نذر اور بخشوں اور ہدیوں اور انہی جیسے اور کاموں میں اس مقام



کے رہنے والوں کی رضا مندی کیلئے بے حساب بالوں کے خرچ کرنے کو خشن و  
 خاشاک کے برابر گنے اور ان کی رضا مندی کو جان و مال سے بہتر جانے اور حاضر  
 باشی کے بھی کئی مرتبے ہیں مثلاً دار الخلافہ کے رہنے والے من و جہ حاضر ہیں اور  
 قلع کے حاضر باش ان سے زیادہ اور دیوان خاص کے ملازم ان سے اوپر اور جو  
 لوگ کہ در دیوار کے پیچھے خدمت کی واسطے مستعد کھڑے ہیں ان سے زیادہ اور  
 جو لوگ رو برو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کے  
 چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے  
 اعلیٰ ہے پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبے کو اختیار کر کے اس قدر پیشگی کرے  
 کہ بادشاہ کے دل میں اس کی طرف کچھ الفت پیدا ہو اور بادشاہ کو معلوم ہو  
 جائے کہ یہ شخص نہایت میرا محبت ہے اور مطیع ہے اور ذریعہ سے اس کو  
 دہاں کار ہونا میسر ہوگا اس لیے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی توجہ  
 کا حال معلوم ہوگا خود اہل دربار اس سے راضی رہیں گے اور اس جگہ اس کے  
 رہنے کو جائز سمجھیں گے پھر اس جگہ کی اقامت سے اطمینان ہو جائیکے بعد اس کو  
 لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح لائق ہے غور اور  
 تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا کریں  
 ان کو سن کر خبر خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیر کے  
 غور سے معلوم کر کے اوضاع تغیرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیر کے بعد  
 بادشاہ کے حضور سے جو حکم انعام یا سزا یا صلح و جنگ یا بند و بست کے بارے  
 میں صادر ہو اسکو بھی دریافت کر کے خوش خبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی سے  
 لے کر وزیر اعظم کی صحت کی خبر تک اور بد خبریوں سے ایک چو پائے کی موت  
 کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی موت کی خبر تک و علیٰ ہذا القیاس کیسے بڑے گرفتار



ہونے سے لیکر ملک اور لشکر والے زور آور دشمن کے گرفتار ہونے تک اور  
دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لوٹے جانے سے لے کر خاص قلعہ پر دشمن کی  
چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ میں رکھے۔ بالکل ان سب  
کے احاطے کا قصد کرے اور بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی  
سزا مرتب ہوتی ہے اس واسطے ان چیزوں میں بادشاہ کے چہرے کے  
تغیر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتی پس یہ گمان نہ کرے کہ ہر خبر اور واقعہ میں کوئی  
علیحدہ تغیر ہوگا بلکہ اگر دوبارہ چہرہ اور تغیر یکساں پائے تو جان لے کہ یہ  
دونوں خبریں برابر ہیں ان کی جہرا اور سزایں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر  
رہے تاکہ اس کی ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادہ اس  
میں پیدا ہو جائے اور یہ واقفیت اس حد تک چاہیے کہ بادشاہ کے کلام  
کے اصلی لغوی معنی کے برخلاف اس کی مراد کو اس کے چہرے سے دریافت  
کرے اور واقعات اور حادثات میں بادشاہ کی مراد پر مطلع ہو جائے۔ مثلاً  
کبھی بادشاہ فرماتا ہے کہ اس چوہ کی اچھی طرح خدمت کرنی چاہیے تو اس  
کی غرض یہ ہے کہ اس کو پوری پوری سزا دینی چاہیے اور جب مرضی شناسی  
کا ملکہ حاصل کرنے کے بعد بادشاہی کے کسی کام کو سر انجام دے گا۔ پہلے سے چند  
گنا زیادہ بادشاہ کی مہربانیاں اس کے حق میں جوش زن ہو جائیں گے اور  
اہل دربار کی کوشش اور سفارش مددگار ہو جائے گی خواہ مخواہ بادشاہ اس کو کسی  
عہدے اور منصب سے عزت بخشے گا اور اپنے جس مطلوب کیلئے اس نے  
اتنی سختیں اٹھانی تھیں انشاء اللہ تعالیٰ اب اس پر کامیاب ہو جائے گا  
اور بعد ازاں اسی خدمت پر مامور رہے گا یہاں تک کہ ترقیاں کرتے کرتے  
اعلیٰ مرتبے تک پہنچ جائے گا سلوک دوم کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ سبک



کو لازم ہے کہ مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچنے اور سلوک اول کے کام ہونے کے بعد سلوک  
ثانی کی طرف توجہ کرے مامورات اور منہیات کے ہر باب میں عزائم شریعت کا  
اختیار کرنا اس سلوک کے لوازمات سے ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ شرع شریف  
کی متابعت ایمان کا لازمہ ہے ساک کے ذمے لازم ہے کہ ہمیشہ شریعت کا  
تابع رہے اور شریعت کی کمال اتباع کے ساتھ سلوک اول کو ختم کرے اور سلوک  
ثانی میں عزائم شرعیہ کو جس طرح کہ چاہے مضبوط پکڑے اور یہ عزیمت کبھی دل  
سے ہوتی ہے اور کبھی اعضاء سے مثلاً کلام اللہ شریف کا اتنا ادب کہ اس کو  
بے وضو ہاتھ نہ لگائے شریعت کا لازم ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ بے وضو ہاتھ  
نہ لگائے اور سلوک ثانی کے ساک کی واسطے لازم ہے کہ اس سے زیادہ ادب  
کرے مثلاً قرآن شریف کے پڑھنے کے وقت کسی اور کام میں متوجہ نہ ہو اور مؤذبانہ  
طوبہ پڑھیے اور کلام الہی کی عظمت کو حاضر کر کے اس سے قرآن شریف کی عظمت  
کی طرف انتقال کر کے اپنی کمینگی اور گندگی کا خیال کر کے اس بڑی نعمت کی قدر  
جانے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسی بزرگی اور پاک چیز مجھ ایسے عاجز  
گزرے کمینے کے ہاتھ آئی ہے ورنہ مجھ میں تو اس نعمت کی لیاقت نہ تھی اور ایسے  
خیال سے اس کا سینہ خوشی کے مارے مالا مال ہو جائے گا اور قرآن شریف کی  
نہایت بزرگی اس کی آنکھوں کے سامنے اکھڑی ہوگی اور اگر ایسی باتیں خود بخود  
اس کے ذہن میں آئیں تو بہت بہتر اور اصل مدعا ہے اور نہ ان باتوں کو تکلف  
سے اپنے ذہن میں لائے و علیٰ ہذا القیاس ہر سورت کی عظمت کو سمجھے اور اللہ  
جل شانہ کی بارگاہ میں ان کے شفیع ہونے کو یاد کرے اور نماز اور زکوٰۃ اور  
روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائر اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی اسی  
طرح کرے اور مطلقاً شرع شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی



اسی قسم سے ہے۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کی شرائط کے موافق تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ جل شانہ کی رضا میں مال کا خرچ کرنا ایسی عزیمت ہے کہ سلوک ثانی کے سالک کو لازم ہے اور تہجد وغیرہ کی مانند تمام نوافل کا اہتمام اسی باب سے ہے اور منہیات کے پرہیز کو بھی دوسرے رنگ سے اپنے ذمے لازم جانے تاکہ ارباب عزیمت میں سے ہو جائے مثلاً اگر زنا کا وسوسہ اس کے دل میں گزرے تو اس سے اس طرح قنفر ہو کہ گویا کھانے کی واسطے نجاست اس کے سامنے رکھی گئی ہے اور تمام منہیات کو اس پر قیاس کرنا چاہیے نیز اس کے سالک کو چاہیے کہ انبیاء اور اولیاء بلکہ تمام مومنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے کہ وہ اس کی واسطے سفارش اور کوشش کریں اور انبیاء اور اولیاء کی سعی اور سفارش تو نہایت ظاہر ہے لیکن ہر مومن کی سعی دعا خیر ہے پس دعائے خیر کی امید پر جو وہاں کام آنیوالی چیز ہے ہر مسلمان کی خاطر داری کرے اور شرع شریف کی عزیمتوں کی اتباع میں سب حقوق اور تعظیمیں ادا ہو جاتی ہیں جیسے قریب ہی گزر چکا ہے اور قرآن اور سورتوں اور کعبہ اور کازہ اور روزہ وغیرہا سب کوشش کا کامرتبہ حاصل ہے پس ان سب کو اپنے آپ سے راضی کرے اور اس مقام کی رضا کا مرتبہ پہلے بیان سے واضح ہو گیا ہے اور اس سلوک کا اصل اور مدار وجہ اللہ کا مراقبہ ہے اور وجہ اللہ کا لغوی معنی اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے یعنی بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا اور اس کو اس کے آثار سے دریافت کرنا چاہیے اور اسکے آثار اس آیت کریمہ **إِنَّمَا تَوَكَّلُوا فِيمَا وَجَّهَ اللَّهُ** کے بموجب ہر جگہ موجود ہے۔ مثلاً اگر بندہ اپنی آنکھ اور بینائی کے حال میں غور کرے تو یقیناً جان لے گا کہ یہ بڑی نعمت محض اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مجھے حاصل ہوئی ہے یعنی اللہ عزوجل اس کے حال پر متوجہ ہوا ہے اور اسکی



طرف منہ کیا ہے اسی لیے یہ نعمت اسکو حاصل ہوئی ہے ورنہ یہ عاجز بندہ  
 کسی طرح اس کا مستحق نہ تھا اور نہ ہی اس کی خواہش کی تھی اور نہ اس کا تقاضا  
 اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اور نہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں اس بڑی نعمت  
 کے بخشنے کی واسطے کوئی اس کا سفارشی بنا ہے اور نہ اس محض عاجز نے کسی  
 چیز کا وسیلہ پکڑا ہے پس یہ نعمت عظمیٰ محض اس کے فضل اور رحمت کے باعث حاصل  
 ہوئی و علیٰ ہذا القیاس ہزاروں نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا یہی حال ہے بلکہ  
 دراصل جو چیز کہ جہان میں موجود ہے اگر اچھی طرح اس میں غور کیا جائے تو وہ سب  
 اس بندے کے حق میں جلیل القدر نعمتیں ہیں پس آسمان اور فرشتوں سے لے کر خص  
 اور خاک تک ہر چیز اس کی واسطے نعمت ہے اور اس کو اسکے ساتھ <sup>بصیرت</sup> <sup>مخصوصیت</sup>  
 ہے باوجود آنکہ اس کی کوشش اور استعداد اور خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں  
 پس خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرے اور علی الدوام اپنے پیش نظر رکھے کہ  
 اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا سبب اور بے وجہ اس مرتبہ پر کہ اس کا بیان کرنا دشوار  
 ہے میرے حال پر متوجہ ہے اور تمام لوگ اسی کی رحمت سے فیض یاب ہو  
 رہے ہیں اور ایسا کوئی نہیں کہ اس میں بہت سی نعمتیں موجود نہ ہوں اور اگر  
 کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو کثافت طبع کی وجہ سے ایسی نعمتوں کو اپنے آپ میں  
 لحاظ نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اپنے خیر میں دیکھے اور جناب رسالت  
 مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے ارفع و اعلیٰ ہیں پس پیدائش بلکہ  
 علوق کے وقت سے آپ آخری عمر تک آپ کے حالات کو یاد کرے کہ اس قسم  
 کی بڑی بڑی ان گنت نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بیکار دریا سے بلا  
 در خواست اور بلا استحقاق اور بلا استدعا کسی کی کوشش اور سفارش کے  
 سوا ہی انجناب پر کس طرح فائز ہوتی رہیں صرف آپ کے پیدا ہونے سے



کتنی برکتیں اور عنایتیں آنجناب کے وجود کیساتھ جوڑی گئیں کہ وہ برکتیں ایک  
 بڑی جماعت کے شامل حال ہوا کرتیں اور اسے محبت اور اعتقاد کا باعث  
 بنتیں اور جو نعمتیں ٹھپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز ہوا کرتے ہیں دوسری  
 نعمتوں کے ساتھ قیاس سے ایک سہل امر ہے ان کی قدر و وقعت نہیں بنا  
 آنکہ فی نفہا یہ نعمتیں بھی جلیل القدر ہیں حاصل کلام ان بڑی بڑی نعمتوں کا تصور  
 کرے کہ بلا سبب اور بلا وجہ یہ سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ ذاتیہ سے ہی  
 ہیں بچوں کہ اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح کے انعامات  
 بلا استحقاق و بلا استدعا و دعا پہنچتے رہتے ہیں بس وجہ اللہ کے معنی کا  
 خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شائوں میں سے وہ بھی ایک شان  
 ہے جو بلا سبب اور بلا وجہ اور پہلے استحقاق اور استدعا اور تقاضے اور  
 دعا اور شفاعت اور وسیلے کے سوا ہی بڑے بڑے انعاموں سے بخشنے  
 کا تقاضا کرتا ہے اسی شان کا ملاحظہ وجہ اللہ کا مراقبہ ہے پر وہ عدم  
 سے میدان ہستی کی طرف لانا ان سبب انعامات کا اصل ہے اور وجہ اللہ کا یہ  
 معنی تمام موجودات کو شامل ہے لیکن بعض کے بعض پر فائق اور متفاوت ہونے  
 کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت وجہ اللہ کے معنی کے انعامات کی وجہیں علیحدہ  
 ہوتی ہیں اور یہ گمان نہ کریں کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فعل میں عبث  
 لازم آئے گا اور عبث نادانی ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات اس سے منزہ  
 اور پاک ہے اس واسطے کہ افعال الہیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں اور چیزیں ہیں  
 اور جس شخص پر انعام ہوتا ہے اس کا استحقاق اور استدعا اور چیز ہے  
 اگرچہ فی الواقع حکمتیں اور مصلحتیں منظور ہیں پس اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں  
 ایسی چیزیں جن کو اس شخص کیساتھ کچھ خصوصیت نہیں مثلاً داناؤں اور



عقل مندوں کے پیدا کرنے میں اس سے حکیم کی کوئی مصلحت اور حکمت ہے اور اگر اس آدمی کے سوا کسی اور کو دانائی اور علم عطا فرماتا بلکہ یہ کمال حیوانات میں رکھ دیتا تو کوئی آدمی اور کوئی امر اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ نہ کر سکتا۔ پس یہ اس کی محض عنایتیں اور رحمتیں ہیں کہ ہر کسی کو بہت سے انعامات سے عزت بخشی ہے اور بہت سی نعمتوں کیساتھ ہر ایک کی تخصیص فرمائی ہے اور جو شان کہ اس بے غرض رحمت کا ملکہ کا منبع ہے وجہ اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جو غرض سے خالص ہو کر پہنچ رہی ہیں وجہ اللہ کے نام آثار میں سے ہیں اور انہی آثار سے وجہ اللہ پہچانا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں وجہ العبد ہے یعنی بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر مومن بندہ خواہ لپست ہمت ہو یا عالی ہمت کسی چیز کے حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے اوامر بجالاتا ہے۔ لپست ہمت تو آگ کے ڈر اور ہشت کے طمع کیواسطے عبادت کرتا ہے اور عالی ہمت اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت اور وجاہت کے حاصل ہونے اور برگزیدہ اور منتخب لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے اور اعتبار والے خاص ملازموں کے رشتہ میں پروئے جانے کیواسطے عبادت کرتا ہے اگرچہ آگ سے نجات اور جنت کے درجوں پر کامیابی مذکورہ جنت کے حاصل ہونے پر یقیناً مترتب ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس کے آثار اور توابع سے ہے لیکن عالی ہمت لوگ ان امور کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دیتے بلکہ ان کے مدعا کا منتہی تو صرف اسی خاصوں کی لڑی میں پرویا جانا ہے۔ پس ضرور ہے ان دو فرقوں میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے خالق کیساتھ پیار اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور روز بروز ترقی کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے بعض بندوں کے حق میں آرزو اور طمع اور خوف کے تمام مراتب محو ہو جاتے ہیں اور



اللہ جل شانہ کی محبت اس کے دل میں ایسی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اوامر کو بجالاتا ہے اور مراتب قرب میں سے کسی مرتبہ اور جنت کے ثوابوں میں سے کسی ثواب کے حاصل ہونے کا خیال اس کے دل میں نہیں گزرتا اگرچہ اس پر عزت اور اعتبار کا حصول اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح کہ عزت اور اعتبار کے حاصل ہونے پر ثواب کا حاصل ہونا لیکن اوامر کے ادا کرنے میں عزت اور اعتبار اور ثواب کے حاصل ہونے کی آرزو بالکل نکل جاتی ہے اور ایسے ہی منہیات سے پرہیز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے منع کو ملحوظ رکھتا ہے اور اگرچہ ملا علی میں ذلت سے محفوظ رہنا اور مراتب اہل عزت و اعتبار سے نہ گھرنا اور عذاب نار سے بچنا اس پر مرتب ہوتا ہے لیکن اس بندہ کو اس کا ہرگز خیال نہیں ہوتا اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا اس کو مقصود ہے اور چونکہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر کی بجا آوری میں اس کی رضا ہے تو اس کی رضا کو اپنے حق میں قرب اور عزت اور ثواب جنت کے درجات میں ہزاروں ترقیوں سے بہتر جانتا ہے اور جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نارضا مندی کا تصور کرتا ہے تو اس نارضا مندی کو ہزاروں ذلتوں سے بدتر جانتا چاہیے یعنی اہل عزت اور اعتبار کے مرتبوں سے گرجانا اور ذیلیوں کے زمرے میں داخل ہو جانے بلکہ دوزخ کے ہزاروں عذابوں سے بدتر گمان کرتا ہے پس جس طرح بلاغرض بندہ کی طرف رحمت الہیہ کا متوجہ ہونا وجہ اللہ ہے اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی واسطے عزت اور وجاہت اور اعتبار کے مرتبوں میں سے کسی مرتبے کی آرزو کے بدون اللہ جنت کے ثواب کے حاصل ہونے اور عذاب دوزخ سے نجات مل جانے کی امید کے بغیر ہی بندہ کا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونا وجہ العبد ہے اور بیشک ان آیات میں اس کو طرف اشارہ ہے۔



ان تینوں آیات میں وجہ اللہ کی طرف اشارہ ہے اور آخر کی تین آیتوں میں وجہ  
العبد کی طرف اشارہ ہے اور جب وجہ اللہ کو اپنے آثار اور مقابل کیسا تھ  
پہچان لیا تو اس کے مراقبہ کا یہ طریق ہے کہ اپنی نظر کو اسی شان کی طرف متوجہ کرے  
جو سوائے کسی غرض کے رحمت کا منشاء ہے اور ہمیشہ اپنی نظر کو اس کی طرف لگا  
کر زبان حال اور قال سے التجا کرتا رہے کہ جب اس قدر بڑی بڑی نعمتیں مجھ کو  
یا میرے غیر کو بے استحقاق اور بلا استعداد تو نے مرحمت فرمائی ہیں پس  
فلاں نعمت اگرچہ وہ نہایت شاندار اور بزرگ ہے اور میں نہایت نالائق اور  
عاجز ہوں عطا فرما کیوں کہ تیرا عام انعام کسی امر پر موقوف نہیں اور یہ مراقبہ  
کبھی بلا بہت ہوتا ہے اور کبھی مراقب کی باطنی توجہ کے موافق فوق یا تحت کی بہت  
سے مقید ہو کر متصور ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے باعث اللہ تبارک و تعالیٰ کی  
خاص عنایت اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خاص عنایت کی بھی ایک  
خاص صورت ہوتی ہے جس طرح کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام  
اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے لیکن جب اس جلالت کی خاص  
عنایت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کرنے میں مصروف  
ہوئی تھی اس کی خاص صورت بھی ظاہر ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے قول :-  
خَلَقْتُ بِيَدِيَّ فِيْ اِسِيْ طَرَفِ اِسَارِهٖ هِيَ اور حضرت خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج کیسا تھ اسی طرح کا اختصاص ہے اور  
حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کیسا تھ کہ وہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام  
مبھی اسی طرح کا اختصاص ہے اور ان ہی خاص عنایات کی وجہ سے اللہ عزوجل  
کی بارگاہ کے بزرگ لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کو اس جگہ میں  
رہنے سے منع نہیں کرتے اور عزت اور وقار کے ساتھ اس کو جگہ دیتے



ہیں پس اس مراقبہ میں شریع شریف کی عزیمتوں اور بارگاہِ الہی کے برگزیدوں کو  
 راضی کرنے کا التزام اختیار کرے اور یہ اہل دربار کے راضی کرنے اور بادشاہ  
 کے چہرے کے دیکھنے کے قائم مقام ہے لیکن بادشاہ کو اس جہالت کی وجہ سے  
 جو بشریت کا لازمہ ہے کسی کے حال اور انجام کی خبر نہیں ہوتی اسی واسطے نجات  
 اور نجات اور بد معاشی کے باعث حاضر باشی اور بادشاہ کی طبیعت کی خوشنودی  
 کے باوجود بھی حاضر باشی کی اجازت کے سوا اس شخص کو کوئی عہدہ نہیں ملتا۔  
 یہاں تک کہ بہت سا زمانہ گزرنے کے بعد اس کی جلی خوبی کا تجربہ ہو جائے اور اس  
 سے امن حاصل ہو عالم الغیب کے برخلاف کہ اس کا علم ہر لائق اور نالائق کے  
 ظاہر اور باطن پر محیط ہے اور آدمی کے باطن کی حقیقت اس جگہ ظاہر ہے جو نہی  
 وجہ اللہ کا مراقبہ بندے سے اچھی طرح سرانجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا  
 مقبول ہو گیا پس ایک مقدس نور جو ازل میں ہر ایک بندے کے حصے میں مقدر  
 ہو چکا ہے اس کو مرصمت ہو جائے گا نور عقل کے بیج ہے اور عقل اس کی درخت  
 اور امکان اس کا پھل ہے۔ آیت کریمہ *رَبِّنَا أَرْسَلْنَا نُورًا* .....  
 اسی نور کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس اس مراقبے وجہ اللہ کو وہ نور سے  
 چمکتے ستارے کی مانند نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ نزدیک آتا جاتا ہے  
 حتیٰ کہ ماتھے میں سجدہ گاہ پر پہنچ کر سارے بدن میں مرابت کر جاتا ہے اور  
 آنکھوں کے نور کی مانند جو کہ نہنگوں اور روشنیوں کو جاننے والا ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ کی مرضیات کا دریافت کرنا اس نور کا خاصہ ہے جس طرح کہ شجاعت  
 جنگ کے فیصلے اور سخاوت لوگوں کی نفع رسانی کی واسطے پیدا کی گئی ہے یہ  
 نور اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور رضا الہی  
 معلوم کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرے گا یا کسی امر کی طرف



متوجہ ہوگا تو اس تجلی میں جو اس کے کمال کے مقابل ہے ایک ظاہر تغیر پیدا ہوگا اور تغیر بھی اس قسم کا ہوگا کہ اس سے خوشنودی اور ناراضگی سمجھ سکتے ہیں بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی معاملہ ان کے دل سے تجاوز نہیں کرتا ان کو اسی راہ سے رضایا نارضا پر مطلع کیا جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ کسی معین کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اگر رضوان سے متعلق ہے تو اس کے دل میں خوشی اور الشراح اور اس کام کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کام سے نارضا مندی کو تعلق ہے تو اس کام کے کرنے سے نفرت اور تنگی اور دیگر ہی ان کو لاحق ہو جاتی ہے اور جو لوگ کے ان کا حال ان کے دل سے تجاوز کر گیا ہے اور مقامات عالیہ پر پہنچ گئے ہیں۔ پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا کو اپنے کمال کے مقابل تجلی میں تغیرات کے واقع ہونے سے دریافت کر لیتے ہیں اور یہ تغیر جو تجلیات میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے منزه ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو عام آثار اس بچوں و بیچکوں پاک ذات سے صادر ہوتے ہیں ان کے آثار میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ چنانچہ الان کفا کان اس کی وصف ہے اسی طرح ان کے آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف پر ہے کہ ازل سے ابد تک کبھی اس میں تغیر نہیں لیکن امور خاصہ کی بہ نسبت اس میں تغیر ہوتا ہے اور اس تغیر اور عدم تغیر کی مثال آفتاب ہے۔ آفتاب ایک ہی وضع سے ایک ہی جگہ پر ہے اور اس کی عام آثار اشیاء کی تعداد کی بہ نسبت نہایت مختلف ہیں اور یہ اختلاف آفتاب کی ذات یا وضع اور مکان کے اختلاف کا باعث نہیں ہوتا اور قیامت کے دن اس سے خاص اثر مطلوب ہوگا اسی واسطے اس کی وضع اور مکان بدل جائے گا اور اہل محشر کے سر کے قریب آپیچے گا اور ایسا ہی آثار خاصہ کے ظاہر ہونے کیلئے تغیر اور تبدل ہوتا ہے۔



اور یہ تغیر اس کی پاک ذات میں نہیں۔ تعالے شانہ عن ذلک بلکہ اس کے ظہور اور تجلی کی واسطے ایک خاص صورت ہوتی ہے اس صورت میں تغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تغیر اس کی پاک ذات میں نہیں اور اس کی مثال انسان ہے۔ اس واسطے کہ جس چیز کو لفظ من ضمیر واحد متکلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عنصری جسم نہیں اس لیے مرنے کے بعد جسم وجود رہتا ہے اور جو احکام کہ انسان پر مرتب ہوتے تھے سب بدل جاتے ہیں پس حقیقت انسانی جس کی طرف لفظ من سے اشارہ کیا جاتا ہے اس عنصری جسم کی واسطے سے چھپ گئی ہے اور اس نے اس کے ساتھ ایسا اتحاد اور یگانگت پیدا کر لی ہے کہ معاملہ تو جسم کا ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس دیر تک بیٹھا رہا اور اس کو ایسا ویسا کیا اور جو نہی انسان مر گیا جسم کے اپنے حال پر قائم رہنے کے باوجود احکام مذکورہ میں سے کوئی حکم اس کے جسم پر نہیں کر سکتے۔ اس وقت کوئی نہ کہے گا کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھا رہا ہوں۔ اس بیچون اور بیچگون کی پاک ذات بھی اسی طرح ایک لباس اور ایک صورت میں چھپ کر ظاہر ہوتی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ حقیقت انسانی ایک ہی جسم میں مقید ہوتی ہے پس دوسرے جسم کے واسطے سے اپنے احکام کو ظاہر نہیں کر سکتی اور حق سبحانہ کسی صورت میں مقید نہیں اور اپنے اطلاق پر باقی ہے جس صورت میں چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور اسی صورت میں تغیر ہوتا ہے اور اس جگہ سے واضح ہو گیا کہ بندے کو اپنے خالق کیساتھ خاص الخاص معاملات پیش آتے ہیں لیکن اس ذات سے بہت دور ہوتے ہیں پس ہر امر میں اس با کمال آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناسیبا معلوم



ہوتی ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ شرعی احکام متفاوت اور متبدل ہو جائیں  
 گے۔ اس لیے کہ احکام شرعیہ اسی طور پر ہیں کہ شارع علیہ السلام سے ثابت  
 ہوئے ہیں اور یہ رضا اور تارخنا مباح امور میں پیش آئے گی مثلاً اس بندہ  
 کو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت فلاں جگہ نہیں جانا اگرچہ مباح شرعی ہو  
 اس کی نارضا مندی کا باعث بنے گا و علیٰ ہذا القیاس ہر امر میں اس کو ایک عجیب  
 قسم کی بصیرت حاصل ہوگی اور یہ دریافت کو شمش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ  
 ظاہر ہی آنچکے سے دیکھنے کے جا بجا ہے اور جب سنا کہ کو یہ کمال حاصل ہو جاتا  
 ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہوتا ہے اور من وجہ کلیم اللہ ہوتا ہے۔ اگرچہ  
 حقیقی کلام درمیان نہ آئے گی اس لیے کہ اشارات اور اوضاع سے مقصود اور  
 مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہو جاتا ہے  
 اور کبھی کلام کے اصل مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کر لیتا ہے  
 اور جب یہ کامل بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس کی رضا کے بموجب  
 کسی کام کو سرانجام دے گا اور اس کی کارگزاری ظہور پذیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی  
 عنایت نہایت کثرت کے ساتھ اس کے حال پر جوش زن ہوگی اور اسکی بارگاہ کے  
 بزرگوار تو خود بخود اس کے سفارشی ہیں اور کار آمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت  
 کے مخالف ہے ضرور اس کو کسی خدمت کیسا تھ عزت بخشیں گے اور وہ خدمت  
 اس کے حال کے موافق ہوگی۔ پھر اسکو اسی خدمت پر توقف اور استمرار رہے گا۔  
 یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کر کے اس مرتبے تک پہنچے گا کہ اس سے اوپر  
 کوئی مرتبہ نہ ہوگا اور اگر اہل ولایت ان امور کو پہچاننے پر مامور نہ ہوں جو  
 ان پر منکشف ہوتے ہیں تو ان کو اس مقام میں نبوت کا پر تو حاصل ہو جاتا ہے۔  
 اور اگر ان کے پہچاننے کے مامور ہو جائیں تو پر تو رسالت پر ترقی کر جاتے ہیں



اور اگر اس کے باوجود مقابلے اور محاصصے کا بھی حکم ہو جائے تو اولوالعزری کے مرتبہ پر مقرر ہو جاتے ہیں اور بعض اس مقام میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے۔ خلیفۃ اللہ وہ ہے جس کو تمام مہنوں کے فیصلے کیواسطے نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہیں پس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے ہاتھ سے سرانجام پاتا ہے وہ دوسرے کے ہاتھ سے بھی کر لیتے ہیں۔ ہاں وہ شخص بلا شک صاحب خدمت ہوتا ہے ہاں ظاہر میں اس کی یہ مثال ہے کہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لے لیتا ہے پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کا کام سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہو اور یہ مقام راہِ ولایت کا نہایت ہے۔ اس کے بعد راہِ ولایت کے لیے کوئی کمالیہ نہیں ہے: **وَالشُّدْرُ الْعِلْمُ بِالصَّوَابِ**

سلوکِ راہِ نبوت کے طریق کے بیان میں

اور

یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ

طالبِ راہِ نبوت پر بعد ہدیب الاخلاق و ملکات قلبیہ اور ادائے عبادات شرعیہ کے جس طریق پر کہ دوسرے باب میں معلوم ہو چکا ہے۔ پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے وہ مقامِ توبہ میں قدم جمانا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہیے کہ تمام مذہبیات شرعیہ کو



خواہ قبیل اعتقادات سے ہوں خواہ قبیل افعال و اقوال، خواہ قبیل اخلاق و ملکات  
 سے، خواہ عبادات میں افراط و تفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب و سنت  
 سے تنقیح اور تقشیر کرے۔ اگر خود کتاب و سنت کا عالم ہے تب تو بات بنی  
 بنائی ہے ورنہ علماء و محدثین سے استفسار کرے بعد ازاں حضرت حق کے انعام  
 اور نجات مطلق کی تربیت جو اس ذرہ بے مقدار کے بارہ میں ارزانی اور مبذول ہیں  
 اس کو بار بار ملاحظہ چست اور تصور درست کے ساتھ اپنے ذہن میں خوب  
 مستحکم کرے اور اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف نہایت  
 محتاجی کو اپنی بصر بصیرت کے سامنے بار بار پیش کرے۔ بعد ازاں تنہائی میں  
 بیٹھ کر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منع حقیقی اور بے نیاز حقیقی کی ناخوشی  
 اور ناراضی میرے جیسے عاجز بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک محض  
 حاجت ہی حاجت ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے اور اس معنی کو اپنے ذہن  
 میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منع حقیقی کی ناراضگی کا ایک امر عظیم اور خطرناک  
 ہونا اس کے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اسی کی ناخوشی کے واقع ہونے  
 کا تصور کرے تو اس کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں پھر اپنے دل سے  
 اس طرح اذعان اور اعتقاد کرے کہ سب منہیات شرعیہ اسی امر کے موجب  
 ہوتے ہیں جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اس امر کو  
 اپنے ذہن میں ایسا مستحکم کرے کہ ان منہیات کی قباحت اس کی عقل اور  
 دل کو گھیر لے اور اس کے باطن میں ان منہیات کی نسبت ایک خوف عظیم  
 اور بڑی بھاری وحشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ اپنے آپ سے ان منہیات  
 کے صادر ہونے کو تو دل سے ایسا سمجھے جیسا جان اور مال اور آبرو کی  
 ہلاکت اور بربادی کی جگہ میں واقع ہو جانا۔ بعد ازاں قرآن مجید اور فرقان حمید



کی عظمت کا تصور کرے اور صمیم قلب سے ملاحظہ کرے کہ یہ ایک صفت ہے  
 صفات ازلیہ ربانیہ سے جس کو عالم امکان کیساتھ کسی طرح کی مناسبت نہ  
 تھی مگر حضرت حق جل و علا نے محض اپنی عنایت بے غایت سے زبان عربی  
 کے لباس میں اس اپنی وصف ازلی اور کمال ذاتی کو نازل فرما کر اپنے اور اپنے  
 بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے۔ بمنزلہ اس بات کے کہ ایک بادشاہ عظیم  
 القدر اپنی دستار لے کر اس کا ایک سر اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اس  
 کی دوسری جانب ایک ایسے فقیر، مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دے  
 دے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا اور اسے حکم  
 دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلا کر اسی ذریعہ  
 سے مجھے اپنی حاجت جتلا دینا کہ فوراً ہم تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال  
 زار پر اپنی عنایت کو مصروف کریں گے۔ پس اگر اس فقیر کے حال میں اچھی  
 طرح تامل کیا جائے اور کسی قدر قانون ادب سے دوری اختیار کی جائے  
 اور واشگاف بات کہی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ظاہر میں اس فقیر کے  
 ہاتھ میں دستار کا ایک کنارہ ہے لیکن حقیقت میں اس کے ہاتھ میں خود  
 بادشاہ اور اس کی سلطنت ہے۔ غرض کہ اس کلام پاک کی عظمت اسکے  
 ذہن میں اس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور  
 اس کلام پاک کا تعلق مصحف کیساتھ ملاحظہ کرے تو اس کی آنکھ مصحف  
 کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہو جائے اور اس کا سینہ اس کلام کی عظمت  
 سے پاش پاش ہو جائے۔ پھر اگر یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ وہ کلام پاک مصحف  
 کیواسطے سے میرے قابو میں ہے جس وقت اس کی طرف توجہ کروں بے  
 تکلف زبان پر لاسکتا ہوں اور جس وقت چاہوں جان و مال خرچ کیئے بغیر



اس کو ہاتھ لگا سکتا ہوں اور اپنے سینے پر رکھ سکتا ہوں۔ البتہ اس کو اس  
 ملاحظہ کے سبب سے اپنے حال پر نہایت تعجب اور بڑی حیرانی آتی ہے جیسے ایک  
 بڑا قیمتی یا قوت ایک بے حقیقت مفلس کے ہاتھ جاتا ہے۔ پس اگر اس کو دیکھتا ہے  
 تو اس یا قوت کی درخشانی کی وجہ سے اس کی نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور اگر اپنی مفلسی  
 اور کم مائیگی کا خیال کر کے اس امر کا تصور کرتا ہے کہ میں اس کا مالک ہو گیا ہوں تو خیرت  
 اور تعجب کے جنگل میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کلام پاک کی عظمت جیسی  
 چاہیے اس کے ذہن میں قرار پذیر ہو گئی اور اسی کلام پاک کے سبب سے اس  
 صدمے کی بارگاہ عالی جاہ میں اپنا ارتباط اچھی طرح سمجھ لیا تو اب چاہیے کہ  
 توبہ کا عزم مصمم کرے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار  
 کر کے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لے کر ایک خالی میدان میں داخل ہو جائے اور بارگاہ  
 رب العالمین میں نیاز بے انداز اور الحاج بے قیاس بجالا کے کہے کہ اے بارخدا یا!  
 میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے توبہ جو راہ نبوت کا پہلا قدم  
 ہے مجھے عنایت فرما اور اس عنایات بے عنایات کو ملاحظہ فرما نہ میری بیاقتی  
 اور استعدادی سے کہ لیاقت اور استعداد بھی تیرے ہاتھ میں ہے۔

تو چوں ساتی شوی در و تنک ظرفے نمی ماند

بقدر بحر با شد وسعت آغوش ساحل با!

بعد ازاں کازیب گناہوں کا کفارہ ہونے اور حصول حقیقت توبہ کی نیت سے کمال  
 خضوع اور توجہ دل سے گزارے اور نماز کے اکثر ارکان میں اپنے دل کو طلب  
 تکفیر مہیئات اور حصول حقیقت توبہ کی طرف متوجہ رکھے۔ بعد ازاں حضرت حق  
 سبحانہ و تعالیٰ کے وہی انعامات اور اس کی ناخوشی کی نہایت قباحت اور  
 نہیات شرعیہ سے کمال تنفر ملاحظہ کرے۔ پس اگر حالت مرقومۃ الصدر اس کے



باطن میں ظاہر ہو جائے اور اس کے ظاہر و باطن کو لے لے اور اس کا تمام خیال دل اور وہم اس حالت میں مستغرق ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ اس امر کو دوسرے دن پر حوالہ کر کے واپس آ جائے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے تاکہ وہی حالت ظاہر ہو جائے پھر اس حالت کے آشنا میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور رب العزت کے درمیان اسکے محکم رابطہ ہونے کو ملاحظہ کرے اور جس وقت اس کلام پاک کی عظمت اور رب تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کے اجتناب کرنے کو اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے اور اس التزام کی پختگی کے لئے اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ تر محبوب ہے مثلاً اگر مومن پاک ہے تو حق تبارک و تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک واسطہ ہونے کی عظمت اس کے سینے کو مالا مال کر دے اور اس کلام پاک کو ملاحظہ کی خوشی اور اتہاج اس کے دماغ کو لبریز کر دے پس اس وقت ایک نظر جو کمال تعظیم دل کے ساتھ ملی ہوئی ہو قرآن مجید پڑھے اور کہے الہی! میں نے اس کلام پاک کو تیرے حضور اپنا شفیع بنایا اور اسے اپنا وسیلہ گردانا اور اس تیرے جبل متین کے ساتھ اپنے آپ کو محکم باندھا بعد ازاں احکام شرعیہ کی پیروی کرنے اور منہیات شرعیہ سے یعنی جو اس قسم کے طالب کے حق میں منہیات سے ہیں کیوں کہ ایسے شخص کے حق میں بلا ضرورت رخصت شرعیہ پر غمخیز کرنا بھی منجملہ منہیات سے ہے۔ پر ہنر کرنے کو مجھلا ملاحظہ کر کے عقد تو یہ کرے اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کام کے واقع کرنے یا کسی چیز سے سب چیزوں سے محبوب اپنا فرزند یا نال یا آبرو یا جان ہے تو اسی چیز کی قسم یاد کرتا ہے جو اس کے نزدیک احب الاشیاء ہے، اور اگر عاشق ہے تو اپنے محبوب کی قسم کھاتا ہے تو البتہ ضروری ایسی منغلظ قسم کھانے کے بعد اس کام کے



کرنے یا اس چیز سے اجتناب کرنے کا پختہ ارادہ فولادی میخ کی طرح اس کے تہ دل  
 سے اٹھتا ہے اور اس کلام سے محتاط ہوتا ہے جس کو عقد کہیں کہتے ہیں اسی طرح  
 کی قوی ثبوت اپنے تہ دل سے اٹھا کر اور قرآن مجید سے تو تسل کر کے اپنی زبان سے  
 کہے کہ بارخدا یا میں نے تیری عنایت پر توکل کر کے اتبار شرعیہ کو اپنے اوپر  
 لازم کر لیا ہے اور جانب شرعیہ کو اپنے اور اپنے نفس اور مال اور جان اور آبرو  
 اور فرزند و عیال اور استاد اور پیر اور آقا اور تمام مخلوقات کی جانب پر میں نے ترجیح  
 دی ہے۔ اے بارخدا یا! میں عاجز محض ہوں اور تیری عنایت پر بھروسہ کر کے  
 اس امر عظیم کا التزام اپنے ذمے لازم کر لیا ہے پس محض اپنے کرم سے اس عقد کو  
 پورا کر ائیو۔ بعد ازاں ہمیشہ اس شخص کو لازم ہے کہ عقد توبہ کی مراعات کرتا رہے  
 اور اس امر کی طرف ہمیشہ التفات رکھے کہ میں نے ملک املاک کے حضور میں جو  
 قادی الاطلاق اور عالم السر والحقیات ہے اور شدید العقاب اور سریع الانتقام  
 ہے اس عقد کو منعقد کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک سر مو اس سے تجاوز کر جاؤں اور  
 نقص عہد کا داغ ہمیشہ کیلئے میری پیشانی پر باقی رہ جائے مانند اس شخص  
 کے جس نے ایک بادشاہ عالی جاہ صاحب قدرت و انتقام کے محکمہ میں چمکے لکھ  
 دیا ہو کہ نماں چیز کروں گا اور فلاں چیز نہ کروں گا تو البتہ اس شخص کو ہر حرکت و  
 سکون اور ہر قول و فعل میں اس چمکے کا لحاظ رہے گا۔ یعنی جب کسی قول یا فعل یا  
 کسی حرکت یا سکون کا قصد اس کے دل میں گزرے گا تو پہلے پہل اس کو عقل کی  
 ترازو میں تولے گا کہ یہ امر اس نوشتہ کے موافق ہے یا مخالف۔ اس تامل کے  
 بعد اس فعل کو وقوع میں لائے گا اور نیز اس طالب کو لازم ہے کہ ایک مناسبت  
 قوی اور خصوصیت زاید بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے۔ مثل  
 مناسبت طالب کے اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ



کرتا ہے ضرور اس کو حضرت عوث الاظم کی جناب میں ایک اعتقادِ عظیم حاصل ہو  
 جاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندانِ عالی شان میں واقع ہو جاتی ہے  
 اور اعتقادِ سابق کی بہ نسبت ایک مناسبت زائدہ اسے حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے  
 آپ کو ان جناب کے غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور اس عالی جناب کے حلقہ  
 بگوشوں کی جماعت میں اپنے آپ کو داخل کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی عظمت  
 کا اعتقاد اگرچہ ایمان کی طرح ہر صاحبِ ایمان پر واجب ہے لیکن اس طالب کو  
 اس کلامِ پاک سے ایک اور ہی نسبت ہے ہو جاتی ہے۔ لہذا اسے اسی توبہ کو کسی  
 کسی عزیز کے ہاتھ پر جو اتباعِ کتاب و سنت اور اجتنابِ بدعت میں اس  
 زمانہ میں اپنے امثال و اقربان میں ممتاز ہو چکا کرے۔ پس قرآن مجید کو اپنا  
 شیخِ حقیقی جانے اور اس عزیز کو شیخِ ظاہری پس ضرور ہے کہ قرآن مجید کی  
 اتباع کو اصل جانے گا اور اس عزیز کے اتباع کو اس کی فرع اور یہ امر بالکل  
 ظاہر ہے کہ جب اصل و فرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اس وقت فرع  
 درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے تصویرِ متعاقب توبہ کی۔ اس وجہ پر جو اس  
 طریق سے مناسب ہے اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائدِ عظیم اور منافعِ جلیلہ  
 ہیں اور عمدہ منافع سے توبہ میں استقامت حاصل ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے  
 کہ تجربہ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب کوئی طالب کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت  
 کرتا ہے تو عنایتِ خداوندی اس بزرگ کی وجاہت کے سبب سے اس  
 طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور گناہ کے ازکاب کے موافق اور منہیات کی  
 ملازمت کے مکان سے طرح طرح کے لطائفِ غیبیہ اور جلیل قدسیہ سے اس کو  
 باز رکھتی ہے اور یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود  
 وجاہت عند اللہ کے کامل النفس اور قوی التأثير اور صاحب کشف صحیح ہوتا ہے۔



پس حق جل و علا اسی بزرگ کو اس طالب کے منہیات منظران میں واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہے اور گناہوں سے اس کے بچانے کا حکم فرماتا ہے پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور قبائح کے حائل ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حق جل و علا اس سبب سے کہ اس بزرگ پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے اگرچہ اس عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کیلئے پر وہ غیب سے ظاہر ہوا ہے جیسے منقول ہے حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اس عاشقہ تباہ حال نے حصول وصال میں طمع کیا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دانتوں میں انگلی لائے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درمجم برجم ہو جانے کا سبب بن گئی حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حکم خداوندی، حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑا دیا جب یہ دونوں وہیں زمین نشین ہو گئے پس جاننا چاہیے کہ یہ دونوں وہیں ایس طرح قرآن مجید میں اس متحقق اور ثابت ہیں کہ کسی ممکن میں متصور نہیں کیوں کہ حقیقت قرآنی ایک امر ہے امور قدسیہ سے کہ حقائق امکانیہ میں کسی کے ساتھ اسکو مشابہت نہیں اس لئے کہ وہ ممکن اور واجب کے درمیان ایک بندہ ہے اور اس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حد تک ہے کہ کسی کو اس کا ادراک بھی ممکن



نہیں۔ اس وجاہت کے حاصل ہونے کا تو کیا ذکر ہے کیوں کہ یہ کلام منجملہ صفات  
ازلیہ اور کمالات ذاتیہ حضرت توحی سبحانہ کی ہے اور جو علاقہ صفات اور ذات کے  
درمیان ہے اس کا تصور ممکن نہیں پس ضرور ہے کہ حضرت حق کی عنایت اس طالب  
کی حفاظت کی طرف یہ اکمل وجوہ متوجہ ہوگی خواہ پہلے طریق سے خواہ دوسرے طریق  
سے یعنی اس طالب کی حفاظت یا تو اس طریق سے ہوگی کہ اسی حقیقت قرآنیہ کی طرف  
جو کہ لوز مقدس ہے اس طالب اور امور منکرہ کے درمیان بوجہ من الوجوہ نواب میں  
یا بیداری میں حیولت واقع ہو جائے گی یا اس طریق سے کہ حق جل و علا بذات خود بہ  
واسطہ ملائکہ یا ارواح مقدسہ کے بہ سبب توکل قرآن کے اس طالب کی حفاظت  
کرے گا

### دوسرا افادہ

جب کہ طالب راہ نبوت نے مقام توبہ میں رسوخ حاصل کر لیا تو اسے لازم ہے  
کہ مقام ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں قدم ہمت راسخ کرے اور ذکر ایمانی کا طریق  
یہ ہے کہ اول قرآن مجید اور اذکار منقولہ و ادعیہ یا ثورہ کے معانی لغویہ کی تحقیق کرے  
اگر خود فنون عربیت کا عالم ہے تو بہتر و زور نہ اس امر کو اس فن کے محققین سے  
جو صاحبان اعتبار اور اولو الایدی والابصار ہوں اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے  
میں عرب اول کی لغت کے سوا اور کسی کی طرف التفات نہ کرے اور فنون ادب  
کے متعمقین کی مؤسگافیوں پر جنہوں نے فضیلت نائی کیلئے اپنے آپ کو  
محققین عربیت سے قرار دیا ہو اور اکثر اہل اسلام پر مقصود کا راستہ گم کر دیا ہے  
فریفتہ نہ ہو کہ وہ بدعت محض اور لہو ولہب میں عمر کا ضائع کرنا ہے

ترسم نہ کسی بہ کعبہ اسے اعرابی!

کس راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

بعد ازاں خلاصہ ان معانی کا اور تفصیل ان مضامین کی جس طرح پہلے باب میں



مذکورہ ہونی سے ملاحظہ کرے اور اس کو تہ دل میں مستحکم کرے اور اس ملاحظہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار اور ادغیہ ماثورہ کا زبان سے مابین الجہر والاخفا اکثر اوقات میں پڑھنا شروع کرے لیکن جہر مفطر اور اخفائے مفطر پس وہ بعض بعض اوقات میں مفید ہوتا ہے اور اس کی عادت کر لینا چنداں مفید نہیں اور جہر مفطر کی حد مثل اذان اور تلبیہ سے سمجھنی چاہیے اور اخفائے مفطر کی حد کان سے تصور کرنی چاہیے اور وسط کی حد کو اس کلام پر قیاس کرنا چاہیے جو لوگوں کی آپس میں اہل ادب کی محفلوں اور بابائے مینز کی مجلسوں میں واقع ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ ذکر ایمانی سے مقصود صرف کثرت ذکر کی یا مجاہدہ نفس کا یا صرف ضبط اوقات کا نہیں بلکہ مقصود اس سے اس حالت کا پیدا کرنا ہے جو باب اول میں مذکور ہوئی ہے۔ پس جب تک وہ ذکر مستحق ہو تب تک تو اس ذکر کو ذکر ایمانی سمجھنا چاہیے۔ لیکن بدین تحقیق اس حالت کے اس ذکر کو منجملہ ریاضیات نفسانیہ کے شمار کرنا چاہیے۔ الغرض ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہ کرنی چاہیے کہ ذکر کی طبیعت اتنا کر ملول اور بند ہو جائے بلکہ تدریجاً نفس کو اس کا عادی کرنا چاہیے۔ لیکن مراقبہ صمدیت۔ پس جانتا چاہیے کہ اس کے اصل مبادی جس طرح پہلے اور تیسرے باب میں مذکور ہوئے وہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے انعامات اور اس قادر مطلق کے عجائبات قدرت کا ملاحظہ ہے لیکن خوشی اور فرحت کا ہیجان اور اپنے قصور اور احتیاج کا ظہور اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذغان جو مراقبہ صمدیت

۱۲ یعنی نہ بہت پکار پکار کر پڑھے اور نہ بہت آہستہ بلکہ مابین ۱۲

۱۳ یعنی جو کان سے نہ سنائی دے وہ اخفائے مفطر میں داخل ہے۔



کا اصل ٹھکانہ ہے۔ وہ ابتدائے احوال میں نعم مشترکہ اور تاثیرات عادیہ کے  
 ملاحظہ کے سبب سے حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً مینہ برسانا اور کھتیوں کا اگانا اگرچہ  
 بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے لیکن چونکہ اس نعمت میں تمام افراد انسانی شرکت  
 رکھتے ہیں لہذا اس امر کے ملاحظہ سے ایک عامی شخص کو حالت مرقومہ القصد نہیں  
 پیدا ہوتی اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور اجرام نیرہ فلکیہ کا موجود  
 کرنا اگرچہ قدرت ظاہر کے عظیم آیات اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ  
 کے علامات سے ہے لیکن چونکہ امور مذکورہ اکثر اوقات انسان کے سامنے رہتے  
 ہیں اس وجہ سے ان امور کے ملاحظہ سے اس کے ذہن کو کمالات حضرت حق  
 کی طرف انتقال واقع نہیں ہوتا اسی لیے طالب پر لازم ہے کہ ان خاص نعمتوں  
 کا ملاحظہ کرے جو اس کے اپنے نفس اور اس کے امثال کے شامل حال ہیں اور ان  
 عجائبات قدرت کا ملاحظہ کرے جو برخلاف عادت ظہور میں آئے ہیں اور جو  
 قصص ایسے مضامین پر شامل ہوں ان کو مکرر سہ کر رہے گوش ہوش سے سننے اور  
 اور ان کو بار بار اپنی بصیرت کے منہ سامنے حاضر کرے اور دم بہ دم اپنے آپ کو  
 اس عظیم بالا استحقاق کی عظمت کے سمندر میں غرق اور نعم علی الاطلاق کے  
 انعامات کے باویہ میں متحیر کرے تاکہ مراقبہ صمدیت کا سرشتہ ہاتھ میں آئے اور جب  
 مراقبہ صمدیت اس طریق پر جو کہ باب اول اور باب ثالث میں مذکور ہوا ہے۔ اسکے  
 زمین نشین ہو جائے تو اسے ذکر ایمانی سے مخلوط اور مزوج کرے اور اگر ممکن ہو تو  
 ذکر ایمانی کے اثنا میں مراقبہ صمدیت کرے ورنہ بعض اوقات ذکر اور بعض اوقات  
 فکر میں مصروف کرے اور ابتدائے حال میں فکر کو ذکر سے اہم جانے اور ذکر ایمانی  
 اور مراقبہ صمدیت میں سے ہر ایک کیلئے بعض امور تائید کرتے ہیں۔ ان مؤیدات کے  
 سبب سے ذکر و فکر کو رونق ہوتی ہے اور اس کے آثار قوت اور جلدی سے ظہور پذیر



ہوتے ہیں اور بزرگ ترین مویدات سے خدمت خلق ہے خصوصاً یتیموں اور غریبوں اور مفلسوں اور مسکینوں کی خدمت اور اہل حوائج کی حاجات کا پورا کرنا اور مریضوں اور بیماروں کی خبر گیری کرنا غرض ان لوگوں کے حق میں سعی کرنا جو اپنی حاجتوں کے حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوں اور حصولِ مطلب کے دروازے ان کے منہ پر بند ہو گئے ہوں اعلیٰ درجہ کا موید ہے، آخر کلام یہ ہے کہ جب ذکر اور فکر پر مداومت اور مواظبت کرے گا تو سعادت دارین یعنی حبِ ایمانی کے خزانوں کی کنجی اس کے سپرد ہو جائے گی اور اسی حب کا پیدا ہونا ذکر اور فکر کے کمال کرنے کی علامت ہے۔ یعنی اس حب کے پیدا ہونے کے سبب سے معلوم ہو جائیگا کہ ذکر اور فکر اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔

### تیسرا قاعدہ

جب حبِ ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اس وقت طالب کی ہیئت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات یہ ہیں جس کا نام فنا ہے ارادت ہے پہنچ جائے گا چنانچہ باب اول میں اس بات کا مذکور ہو چکا ہے اور اسی کمال کا حاصل ہو جانا حبِ ایمانی کے مکمل ہونے کی علامت ہو واضح ہو کہ نفس کا ارادہ سے خالی ہو جانا راہِ نبوت میں بمنزلہ شغلِ تقی کے ہے۔ راہِ ولایت میں کہ یہ دونوں شغل ان دونوں طریقوں کے اصل الاصول ہیں بیان اس کا اس طرح ہے کہ سلوک راہِ نبوت کا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کا کمال درجہ مطیع و فرمان بردار ہو جائے اور علاقہ عبودیت نہایت مضبوط اور مستحکم ہو جائے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو پیچھا اور نگرانی کی طرح اپنے مولیٰ کے ہاتھ میں تصور کرنا اور اپنے نفس کی لوح کو ارادوں اور عزیمتوں کے نقش سے



پاک صاف کر دینا پر لے سر سے کا انقیاد اور استحکام علاقہ عبودیت کا قوی تر مرتبہ ہے  
ہاں بعض اوقات بعض فرماں بردار بندے اپنے عقل اور تدبیر کی مداخلت کے سبب اپنے  
مولیٰ کے دربار میں وجاہت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس وجاہت کا حاصل کرنا اسی  
صورت میں مقصود ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ سے بڑھ کر عقلمند ہو۔ پس مولیٰ کسی چیز کا  
امیر فرماتا ہے اور یہ خیر خواہ بندہ اپنی ہوشیاری کے سبب سے جانتا ہے کہ اس حکم  
کی تعمیل میں مولیٰ کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہو جائے گا۔ پس اگر یہ  
غلام اس وقت بھی تعمیل فرمائش پر اکتفا کرے اور اپنی عقل اور سمجھ کو دخل نہ دے  
تو بیشک ملامت اور عتاب سے وہ بالکل بری اور معذور ہے اور اگر اپنے عقل  
اور فہم کی مصلحت کسی قدر مداخلت کرے اور اس مداخلت کے سبب سے کوئی معاملہ معاملاً  
مولیٰ سے خراب نہ ہو پس اگرچہ شرعاً عتاب اور ملامت کا محل ہوگا لیکن اصلاح  
معاملات مولیٰ میں کوشش کرنے کے سبب جو خیر خواہی کی علامت ہے اپنے مولیٰ  
کے حضور میں ایک خاص قسم کی وجاہت حاصل کر لے گا اور جب یہ معاملہ عبودیت  
کا جاہل اور نادان غلام اور مولائے حکیم علی الاطلاق اور عالم السیر والخصیات کے  
درمیان ہو پس اس جگہ سوائے فرماں برداری اور تعمیل حکم کے کسی اور راستہ میں چلنا  
اپنے آپ کو ہلاکت اور گنہ گاری کے خطرہ میں ڈالتا ہے اور اس جگہ ایک نکتہ ہے  
جس کا جاننا نہایت ضروری ہے اور وہ ارادہ سے خالی ہونے کی اقسام کا بیان ہے  
پس جاننا چاہیے کہ ارادہ سے خالی ہونا تین قسم پر ہے۔ قسم اول اور وہ سالکین راہ  
ولایت کی مقصود ہوتی ہے وہ عبادت ہے خواہش اور ارادہ کے بطلان سے  
بیان اس کا اس طرح ہے کہ انسان کو مقام فنا میں رسوخ حاصل ہونے کے سبب  
سے ہر شے کی خواہش اور رغبت باطل ہو جاتی ہے اور توحیدِ تعالیٰ کے انگشتان  
کے سبب سے عزم اور ارادہ کی بیخ کاٹی جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو تقدیر کے



ہاتھ میں بس اس طرح سمجھے جیسے لکڑی یا پتھر اور جادو بجان کی طرح اپنے آپ سے گئے گزرے ہوتے ہیں اور گویا اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ دوسری قسم اور وہ راہ نبوت کے ابتدائی سالوں کے نصیب ہوتی ہے اور اپنے ارادہ کو حق جل و علا کے ارادہ کے تابع کر دینا ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ لوگ خواہش اور رغبت اور ارادہ اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور ان کی عزم و ارادت بالکل باطل نہیں ہوتی بلکہ امور مرغوبہ کی طرف رغبت اور مکر وہ چیزوں کے پیش آنے سے نفرت ان کے دل سے جوش مارتی ہے لیکن اپنے مولے کی رضا جوئی کیلئے اس خواہش اور رغبت اور کراہت اور نفرت کو بدون اجازت مولیٰ کے جاری نہیں کرتے اور اپنے ارادہ کو موافق اقتضائے طبیعت کے ہرگز استعمال نہیں کرتے اور یہ سب کچھ اپنے مولے کی رضا چاہنے کیلئے اپنے اوپر پسند کرتے ہیں۔ تیسری قسم اور وہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو راہ نبوت کے عالی منصبوں پر پہنچے ہوتے ہیں اور وہ اپنے مولے کی طرف سے امر کے صادر ہونے کے انتظار میں رہتے ہیں اور اپنے ارادہ کو معطل اور بے کار رکھتے ہیں۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ چونکہ اس راہ سے بلند منصب والوں پر رحمت ربانی اور حکمت حقانی منکشف ہو جاتی ہے۔ یعنی اپنے تہ دل سے اس امر کو جان لیتے ہیں کہ جو کچھ النسب و اولیٰ ہے حکمت الہیٰ اسی کا تقاضا کرتی ہے اور کسی اور کے اور النسب کو حکمت خداوندی فرورگذاشت نہیں کرتی اور ہم جیسے فرماں بردار بندوں کو ہرگز رحمت الہیٰ ہطل اور معطل نہ پھوڑے گی بلکہ ہم بندوں کے حق میں جو کچھ اولیٰ اور النسب کے اسی کام میں ہم کو لگا دے گی۔ اور اس کام کا ہمیں حکم دے گی اس لئے اپنے عقول اور ارادوں کو کار نجات الہیہ میں دخل دینا محض لغو اور بیفائدہ کام ہے پس جو شخص اس مولے حکیم و رحیم و علیم کے بندوں کے زمرہ میں منسلک ہو اس کا کام یہی ہے کہ اپنے عقل و ارادہ کو اس کے کارخانے میں مطلق دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر کو اپنے مولیٰ کے پھر سے کے برابر سی کر اس کے حکم کا منتظر ہو اور اپنے مولے کی



خدمتوں میں سے کسی خدمتِ معینہ کو اپنی رائے سے اپنے اوپر لازم نہ کرے اور وہ خاص خدمت اپنا شعار نہ بنالے بلکہ خدمتِ حاضر باطنی اور دوامِ ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے مولے کی اوضاع و اطوار سے اس کی مرضی کو پہچان کر ہمیشہ اس کی نظر کے روبرو اپنے آپ کو حاضر رکھے اور ہر وقت اس کے حکم کے صادر ہونے کا منتظر رہے تاکہ جو کام اس کے مولے کی طرف سے صادر ہو اسی کام میں اپنے آپ کو کمالِ حستی اور جلال کی سے لگائے۔

### چوتھا افتادہ

جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ طالبِ محیدین اور شہداء کے زمرے میں داخل ہو جائے اس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے بیان اس کا اس طرح ہے کہ جس طرح سالکانِ راہِ ولایت پہلے ملکہ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اس کے کہ یادداشت کا ملکہ ان کے نفس کی صلب میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو بعض صفات کے ساتھ مزوج کرتے ہیں جیسے اس ذاتِ منبع البرکات کا نام کا ثنات پر احاطہ کرنا یا منظر ہرے متعددہ میں ظاہر ہونا یا کثرتِ کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیت و جوریہ۔ اسی طرح اس طالب یعنی طالبِ راہِ نبوت کو چاہیے کہ بعد حصول ملکہ یادداشت کے صفتِ سلطنت اور حکومت کو منعم کرے اور مضمون آیت

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ اللَّهُ  
فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ۔

یعنی اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کا ہے جو لیبتا ہے رات میں اور دن میں اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو۔



کو ملاحظہ کرے اور معیت اور قرب علمی کو اپنے پیش نظر رکھے اور اس کی حکومت اور  
سلطنت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور سمندر اور خشکی پر اور آبادی اور ویرانہ اور  
مرکب اور لسیط اور اپنے اندر اور باہر ہر جگہ برابر اور مساوی سمجھے۔ پس حرکت  
اور سکون کہ اس سے یا اس کے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر  
ہونے سے یہ مضمون اس کے تہ دل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اسکو حق تبارک و تعالیٰ  
جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو خلوات اور خلوات بلکہ تمام حالات میں  
اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اس کا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہے کہ اسکے  
ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اسکو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوت کا  
بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی  
ہے اور علاقہ آقائی کا بھی ہے اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبت  
کا بھی اور محبوبیت کا بھی اور یہ سب صرف قرب و جود پر اکتفا نہ کرے۔ یعنی  
مخلص اس قدر جان لینا کہ فلاں شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت  
نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت  
اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر حسین اور فرین کرتا ہے اور آخرت  
میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اس پر عطا فرماتا ہے اور اس کو  
اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہ گار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور  
اس پر لعنت اور نفرین بھیجتا ہے۔ اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں  
دوری اور خواری اس کے نصیب ہوتی ہے اور اسکو کافر لغمتوں کے زمرے سے



شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو سہل سی طاقتوں کے سبب سے جو کمال اخلاص اور نہایت فرماں برداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے اور بڑی بڑی بندگیاں چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو نہایت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہوں ضبط اور برباد کر دیتا ہے۔ غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ لوزاری اس کی شان ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کو تفصیل وار اپنے ذہن میں تصور کرے، حاشا و کلاً تصورات عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جائے جو ایسے شخص کا ملازم ہو جس کے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور اسی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود نہیں کہ اس کو اپنے ذہن میں تصور کر کے فقط اذعان عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب کائیت کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں اور بحر و خاں کی امواج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گزرتا ہے کہ ایک لوزہ کا دریا موجزن ہے، اسی طرح فیض رحمان کی تدبیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہاں کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر ہوا وہ تمام علویات اور سفلیات میں بلحاظ مجموعی و فردی کایاں ہو جائے۔ مثلاً زمین کے جس قطعہ پر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے کھڑا ہو اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جس کا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص نے دیپٹے زخار کے محاذات میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہو پس اگر وہ دریا کی طرف دیکھتا ہے تو اس کو اس قابل نہیں دیکھتا کہ اس کا بوجھ اٹھا سکے اور اگر ہوا کو دیکھتا ہے تو اس کو بھی ایسا ہی جانتا ہے اور اگر آسمان کو دیکھتا ہے تو وہاں تک اپنا پہنچا محال سمجھتا ہے۔ پس اپنے ثابت رہنے کا سبب اس شخص کے سوا کوئی دوسری چیز اس کے



ذہن میں نہیں آتی۔ پس اپنے پختہ یقین سے جانتا ہے کہ جب تک اس شخص نے  
 میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے کسی چیز کی مصرت مجھے نہیں پہنچ سکتی خواہ بحرِ زخار کی موجیں ہوں  
 یا ہوا کے تھونکے اور آندھیاں اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ پھوڑ دے گا تو تم جہاں  
 میرے لئے ہلاکت گاہ ہے۔ کیوں کہ دریا کی جس موج پر گروں گا وہیں ڈوب جاؤں گا۔ اور  
 اس امر میں یعنی میرے غرق کرنے میں امواج دریا میں سے کسی موج کی خصوصیت  
 نہیں اور یہ ملاحظہ اس کے ذہن میں اس قدر مستحکم ہو کر بیٹھ جائے کہ اگر شیر درندہ  
 یا مسرت ہاتھی اس پر حملہ کرتے یا اس کا دشمن تنگی تلواریں اس کے گلے پر رکھ دے  
 اس حالت کے اثناء میں وہ طالب یقیناً جان نثار ہے کہ جب تک حضرت حق  
 سبحانہ و تعالیٰ نے قدرت کا ہاتھ میری محافظت سے نہیں اٹھایا تب تک ان اہل  
 سے کچھ ضرر مجھے نہیں پہنچے گا اگرچہ ظاہر حال قطعی الوصول ہوں اور جس وقت اس  
 حافظ مطلق نے محافظت کا ہاتھ میرے سر پر سے اٹھایا اس وقت ہر چوڑھی  
 پائیکال اور ہر گیس بکس میرے ہلاک کرنے میں کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق  
 کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ سے کامیاب ہوئے ہیں جیسے انبیا و کرام  
 اور ان کے وراثتے عظام بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ باوجود قلت انصار  
 و اعوان کے بے پروا و مقابلے کیے، میں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور  
 فرعون کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اس  
 طالب پر بہ سبب قرب اسباب ہلاکت کے خوف اور ان کے بعد کے سبب سے  
 اطمینان بہرگز طاری نہیں ہوتا کیوں کہ یہ امر تو لوازم بشریت سے خالی ہونے کے حکم  
 میں ہے اور لوازم بشریت سے خالی ہونا دار دنیا میں خصوصاً راہ نبوت کے  
 طالبوں کے حق میں جس کا خلاصہ تکمیل فطرت انسانی ہے ممکن نہیں بلکہ مقصود یہ  
 ہے کہ اسباب مہلک کے قرب و بعد کے سبب سے ایسا خوف اور اطمینان جو



تہ دل سے صادر ہوا اور عقل و ہوش کو پراگندہ کرے اس طالب پر طاری نہیں ہوتا بخلاف خوف اور اطمینان طبعی کے اور اس امر غامض کی توجیح یعنی خوف قلبی اور طبعی کے درمیان اتنا فرق ہے کہ ایک تمثیل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص لکڑی ہاتھ میں لے کر اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف متوجہ کرے اور کہے میں یہ لکڑی تیری آنکھ میں ہرگز نہ ماروں گا میرا مقصود صرف تیرا امتحان لینا ہے پس جب تک وہ لکڑی اس کی آنکھ سے دور ہے کچھ تغیر اس لڑکے کے حال میں راہ نہیں پاتا اور جب وہ لکڑی آنکھ سے قریب ہو جاتی ہے ایک قسم کا تغیر اس کے شامل حال ہوتا ہے اس لئے بے اختیار اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں حالانکہ اس کے دلی یقین میں اس لکڑی کے دور اور نزدیک ہونے میں کچھ فرق نہیں کیوں کہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس لکڑی کا ضرر مجھے ہرگز نہیں پہنچے گا خواہ قریب ہو خواہ بعید اسی لیے اس کے دل میں پریشانی اور بے قراری راستہ نہیں پاتی اور اندھا ہونے کا خوف اس کے ذہن میں نہیں گزرتا۔ پس اسی طرح یہ طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ہاتھ میں لکڑی اور پتھر کی طرح جانتا ہے اور تمام موجودات کو اس کی عظمت کا مقہور سمجھتا ہے۔ اگرچہ خوف و اطمینان طبعی امور صاف اور نافعہ کے قرب و بعد کے سبب سے اس پر طاری ہو جاتا ہے۔ کیا تو نے حضرت ذکریا علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں نہیں سنا کہ آنجناب نے باوجود اپنی کلاں سالی اور اپنی بی بی کے باجھ ہونے کے جناب و امہب العظیبات جل جلالہ سے سعادت مند بیٹے کی درخواست کی اور اثنائے طلب میں آپ کو باوجود موائع کے بیٹے کے پیدا ہونے سے کچھ کسی قسم کا استبعاد عارض نہ ہوا۔ ورنہ ایسی دعا جو تہ دل سے صادر ہوتی ہے آپ سے متصور نہ ہوتی اور جب غیب سے فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت ملی اس وقت حصولِ ولد کے استبعاد کا کلمہ آپ



کی زبان ہدایت نشان سے صادر ہو کہ فرمایا رَبِّ اِنِّیْ یٰکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَاَکَانَتْ  
اُمْرَاتِیْ عَاقِرًا وَاَوْقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا

یعنی اے میرے رب میرے کیوں کر بیٹا پیدا ہو گا حالانکہ میری بی بی بانجھ ہو چکی  
ہے اور میں اپنے بڑھاپے سے نہایت کلاں سالی کو پہنچ گیا ہوں

### پانچواں افادہ

جب مراقبہ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کے کمال کی علامت  
یہ ہے کہ توکل کی روح بھر کہ باب اول میں مذکور ہوئی ہے اس کے ہاتھ سے  
لگ جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں زمرہ اہل خدمات میں بھی داخل  
ہو جاتے ہیں اس وقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرے۔ اس کی تصویر یہ ہے  
کہ حق تبارک وتعالیٰ کے شیون بے شمار ہیں۔ منجملہ ان کے شان حکم کی ہے کہ  
باوجود مخالفین کے سخت مخالفت کرنے کے ان کے مؤاخذہ اور پاداش میں  
جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ ان کے شان مغفوبہ ہے کہ ہر چند گنہگار لوگ فاحش ترین  
قبائح اور بزرگ ترین معاصی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی  
نہایت انکسار کیسا تھ اس کی دلہن پر آگر گرتے ہیں۔ اور اخلاص دل سے توبہ  
کرتے ہیں تو البتہ وہ رحیم مطلق ان کے گناہوں سے درگزر کر کے اس تائب کو  
اپنی کف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس  
ناشائستہ گناہ کو نسیا منسا کر دیتا ہے اور عذاب کو الغام سے بدل دیتا ہے  
اور منجملہ ان کے شان فیض عموماً کی ہے جیسے برسانا اور کھیتوں کا اگانا وغیرہ وغیرہ  
کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محبت اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف  
اس میں شرکت رکھتے ہیں اور اس کے دریائے رحمت نے سب کو گھریا ہے  
اور آیت وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اس عموماً رحمت کے بیان

اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے



سے ایک حرف سے اور منجملہ شیون الہی کے شان و سعادت ہے کہ نفس کاملہ انسانہ میں وسعت حوصلہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت صدر میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ معاملات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پرگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اس کے ساتھ سزاوار ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام مہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہو جائیں اور دوسرے کارخانوں کو برباد کر دیں یا ایک کارخانے والوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح ان کے ہاتھ میں مقہور ہو کر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کر دیں نہ اتنی تقریظ کریں کہ کارخانہ بالکل بے رولق ہو جائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل و خوار ہو کر گنم اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ اس کے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کا پیمانہ پر ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ جو خصوصیت مجھے ان کے ساتھ حاصل ہو گئی کسی دوسرے کو اگر چہ خدمت اور مرتبہ میں مجھ سے اعلیٰ اور اہل نہیں ہوئی۔

الخص اس کلام کے مغز کو دریافت کر کے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب



ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں سمجھنا چاہیئے کہ جس قدر کارخانہ خدائی اور ان نفوس  
کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعت الہی اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق  
ہے اور جس کسی نے وسعت الہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگارنگ  
کارخانوں اور گونا گوں معاملات پر اطلاع پائے گا اسی قدر انبساط وسعت الہیہ اس  
کے ذہن میں قرار پکڑے گی اور منجملہ شیون الہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ  
نہ کرنا ہے کیوں کہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر لغت اس  
منعم حقیقی کی مخالفت اور اس مالک حقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اس کے  
احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیاء علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوششیں کرتے  
ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جوہ و کار و واہ ان بد بختوں پر بند نہیں کرتا اور  
اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے ان کو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب  
کے ایک طرح سے ان پر مؤاخذہ کرنا بھی ہے تو اور ضراروں طریق سے بے شمار  
لغمتوں کا ان پر فیضان کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں اس کا مؤاخذہ اکثر  
اوقات ایسا ہوتا ہے جیسے مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے کو ادب سکھاتا ہے  
کہ اگرچہ بظاہر وہ مہربان باپ بمقتضائے حکمت و حکومت عاق بیٹے کی سزا  
پر اقدام کرتا ہے لیکن عین اسی تادیب اور سزائے میں اس کی خیر خواہی  
اور شفقت پوری مستور ہے اور بالکل اس کو برباد نہیں کرنا چاہتا اگرچہ خود  
یہ تادیب بھی از قسم لطف و تربیت ہے لیکن مقصود اس مقام میں یہ ہے کہ  
وہ تادیب ایسی وجہ پر نہیں کرتا کہ وہ عاق بیٹا محض برباد ہو جائے بلکہ ہر  
مؤاخذہ اور ہر ملامت میں اس کی خلاصی کا راستہ ملحوظ رکھتا ہے کہ اگر وہ کافر  
لغت اپنی خلاصی کا راستہ اس مؤاخذہ سے ڈھونڈے اور اپنی ناک  
سرامی سے پچھتا کر باز آئے تو البتہ اس ہلاکت سے نجات کا راستہ اس پر



ظاہر ہو جائے اور ان تمام شیوں کی اصل علو ذاتی ہے کہ اس کا پر تو نفوس میں کاملہ پر پڑتا جاتا ہے اور علو ہمت کے نام سے نامزد ہوتا ہے کیوں کہ جو شخص علو ذاتی میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہو وہ ان امور خسیسہ دنیاوی کی اتنی لیاقت نہیں سمجھتا کہ ان امور کے ہجوم کے سبب سے اس کے دل میں تشویش اور پریشانی راہ پائے یا اس کے معاملات میں تزلزل واقع ہو اسی لیے کمینوں کے گالم گلوں سے عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں غصہ اور کینہ کشی کا خیال نہیں پیدا ہوتا کیوں کہ وہ بزرگ ان کمینوں کو غبار اور خس و خاشاک کی طرح جانتے ہیں اور بدلہ لینے کے لائق نہیں سمجھتے۔ غرض ہم اس علو ذاتی الہی کا شیون مرقومۃ الصدر کی شرح کے لحاظ سے اور عالم امکانی میں مطابق قانون حکمت کے ان آثار کے ظہور کے اعتبار سے الوہیت نام رکھتے ہیں پس الوہیت کو ایک درجہ کی مثل تصور کرنا چاہیے اور علو ذاتی کو اس درجہ کا تخم قرار دینا چاہیے اور شیون مذکورہ کو شاخوں اور پتوں کے جا بجا سمجھنا چاہیے اور عالم مکانی میں ان کے آثار کے ظہور کو قائم مقام پھل کے پس طالب راہ نبوت کو بعد ظہور آثار مراقبہ عظمت کے لازم ہے کہ مراقبہ الوہیت کا شغل اختیار کرے اور مراقبہ الوہیت سے صرف یہ مراد نہیں کہ الوہیت کے معنی کا تصور کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کے کمال کو تصور کرے اپنے نفس کے آئینہ میں اس کے انعکاس کی خواہش کرے کہ تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور جب معاملہ مذکورہ میں سے کوئی معاملہ اس کو پیش آئے مثلاً کسی قوم کی ریاست اس کے سپرد ہو یا مختلف قسم کے معاملات اس پر ہجوم کریں یا کوئی مخالف اس کی مخالفت میں زور لگائے تو اس معنی الوہیت کو سوچ کر بمقتضائے اسی شان الہی کے محض تشبہاً باللہ معاملہ کرے غرض کہ اس شخص کا حال اس شخص کی طرح ہو جیسے محبوب کی وضع نشہ



اور ذری ولباس وغیرہ ہر معاملہ میں اس کے عقل و خیال کو مالا مال کر کے اس کے تمام بدن میں سرایت کر جائے مثلاً جب کسی سے کلام کرتا ہے تو وہی محبوب کا سا لہجہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو وہی محبوب کی سی رفتار اس سے صادر ہوتی ہے اسی طرح اخلاق الہیہ صاحب اس مراقبہ کی صلب نفس سے صادر ہوتے ہیں اور اس کی تمام قوتوں میں سرایت کر جاتے ہیں

### قائدہ

مخفی نہ رہے کہ مراقبوں کے آثار تین طریق پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اس کے لوازم اس کے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی نگاہ اس پر لگائی ہوئی ہو اور نہایت طمع کے ساتھ اسے تاک رہا ہو تو ضرور ہے کہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دے گا۔ اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت نحواش اور کمال طلب کے ساتھ شیون الہیہ میں سے کسی شان پر جیسے عظمت یا الوہیت یا معاملات ربانیہ میں کسی معاملہ پر جو اس کریم مطلق اور اس کے خاص بندوں کے درمیان گزرتے ہیں جیسے نخلت اور محبوبیت لگائے رہتا ہے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں جو معاملہ طالب کی استعداد کے اندازے پر اس کے نفس کے آئینہ میں جو نامرضیات حق کے زنگ سے مصفا ہے منعکس ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مراقبہ عظمت کیا ہو تو اسے ملاوٹا علی میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض کائنات پر ایک قسم کی حکومت اور سلطنت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس نے مراقبہ الوہیت کا کیا ہو تو اسکو وسعت و سعادت اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ اور عفو اور حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے اور اگر مراقبہ نخلت کا کیا ہو تو اس پر بعض معاملہ نخلت کا جیسے مکالمہ اور سامرہ ظاہر ہو جاتا ہے



اور دوسرا طریق اس طالب کو مقبولیت عامہ کا حاصل ہو جانا ہے۔ اور ملائے اعلیٰ  
 اور ملائے سافل اور ارواحِ مقدسہ اور قلوبِ صلحائے نبی آدم میں اس کا ہر دل عزیز  
 ہو جانا اور یہ امر بابِ اول میں ثمراتِ حبتِ ایمانی کے ذکر میں مفصل لکھا جا چکا ہے  
 تیسرا طریق نوافلِ عطیاء ہے جس طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ طعاموں اور  
 مزید میووں اور عمدہ پوش کون کی طرف آنکھ لگائی ہو اور ان چیزوں میں سے کسی قدر  
 کے حاصل ہونے کا امیدوار ہو پس ان چیزوں کا مالک قدر ان چیزوں سے بھی اسے  
 بخش دے اور کوئی اور چیز بھی جو اس مفلس کے مناسب حال ہو مگر چہ اشیائے مذکورہ  
 کی جنس سے نہ ہو اس کو عطا کرے۔ مثلاً مفلس نے طمع کی آنکھ غذا پر لگائی ہوئی تھی  
 اور اس میں سے کسی قدر کے حاصل ہونے کا امیدوار تھا تو اس طعام کے مالک نے  
 غذا میں سے بھی ایک لقمہ اس کو بخش دیا اور کچھ نقد بھی اسے دے دیا تاکہ اپنے  
 حوارج ضروریہ اس نقد کی بدولت پورے کرے۔ اور بعض اوقات میں اس طرح  
 اتفاق پڑتا ہے کہ وہ مفلس اس شے کی لیاقت نہیں رکھتا جس پر اس نے طمع کی  
 آنکھ لگائی ہوئی ہے۔ مثلاً وہ بیمار ہے اور لذیذ میووں کے حاصل ہونے کی طمع  
 رکھتا ہے۔ پس ان میوہ جات کا مالک حکم ضرورت اس مفلس کو کوئی ایسی چیز جو جنس  
 فواید سے نہ ہو مثلاً ٹوپی یا قبادے کر اس کی تسلی کر دے گا اور ان بخششوں کو جن  
 کے حاصل ہونے کی امید نہ تھی نوافلِ عطیاء کہتے ہیں۔ اسی طرح طالبِ عطیاء جب  
 شیون الہی میں سے کسی شان یا معاملاتِ ربانیہ میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرے  
 تو کبھی نوافلِ عطیاء سے کامیاب ہوتا ہے باوجود حصولِ ثمرات اس مراقبہ یا بدوں  
 حصولِ ان ثمرات کے۔ اور یہ نوافلِ عطیاء کسی قاعدہ اور قانون میں جس کو عقول بشریہ  
 ادراک کر سکیں ضبط نہیں ہو سکتے کیوں کہ اس عطیاء نافلہ کی تعیین اس مراقبہ کے  
 آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد پر موقوف ہے۔ مثلاً



کوئی شخص ابتدائے آفرینش میں ذکی العقل نہایت تیز ذہن پیدا ہوا ہے اور طلبِ راہِ نبوت کے وقت میں اس نے مراقبہ عظمت کی مشق کی۔ پس اس کے آثار مرتب ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اعلیٰ درجہ کی ذکاوت ذہن اور علومِ مرصیۃ حق میں نہایت تیز فہمی اس کو نصیب ہو جائے گی اور اسی طرح جو شخص طہارتِ فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اس کو عباداتِ حقہ کی توفیق اور پرہیزگاری کا ملکہ حاصل ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ امور مذکورہ مراقبہ عظمت کے آثار سے بالکل مناسبت نہیں رکھتے ہی سبب ہے کہ اکثر طالبینِ راہِ حق اس طریق کے اشغال اور اعمال کی مزاولت کرتے ہیں اور جب ان کے آثار کا حقیقہ اپنے آپ میں نہیں پاتے تو محرومی کی صدا اور یا اس اور ناامیدی کے کلمے ان کی زبان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ ان ہی اشغال و اعمال کی برکت سے کوئی اور امرانِ امور سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں ان کو حاصل ہو گیا ہو۔ اگرچہ ان اعمال و اشغال کے آثار کی جنس سے نہ ہو اور ان اشغال و اعمال اور ان امور کے درمیان مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی وجہ سے ان کی عقل حقیقت حال پر واقف نہ ہوئی ہو اور اسی طرح اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہل کمال کے قہقہے سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں شغل اور اور عمل کے سبب فلاں کمال حاصل ہوا تھا۔ پھر وہ خود شغل اور اعمال بجالاتے ہیں۔ اور اس کمال کا اثر اپنے آپ میں نہیں پاتے تو تعجب اور حیرانی کے ویرانہ میں سرگشتہ ہو جاتے ہیں۔ پس کبھی تو ان قصوں کو جھٹلانے لگتے ہیں اور کبھی اس عمل کے شروط و ارکان میں شک کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ عمل اس عمل کا غیر ہو جو اس بزرگ سے صادر ہوا تھا حالانکہ یہ سمجھتے نہیں کہ وہ کمال جنسِ نوافل عطا یا سے تھا نہ اس عمل کے قبیل کے آثار سے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَهُوَ الْهَادِي إِلَى طَرِيقِ الْبِرِّ شَادٍ۔



جب مراقبہ الوہیت اپنے کمال کو پہنچا اور اس کے آثار بیش از بیش ظاہر ہوئے اور کمال و تکمیل کا مقام اس کے سپرد ہو گیا اور خلافت عن اللہ کا مرتبہ اس کو نصیب ہوا۔ بعد ازاں بعض کاموں کو ایک ایسا مقام انکشاف وجہ اللہ کا ہے اور آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ یُرِیدُونَ وَجْهَهُ . . . . اس معنی کی طرف ایک بار یک سی رنر ہے ہر چند واضح کرنا اس مقام کا تقریر اور کلام سے متصور نہیں

لذت مے نہ شناسی بخداتنا چشتی

لیکن اس کا خیال میں لانا اگرچہ نخیل ناقص ہی ہو ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ ہر امر کا ادراک خواہ وہ امور احساس سے ہو یا امور مغیبہ سے اس کی مثل کے واسطے سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً احساس انوار شہاویہ کالوز لہر سے ہوتا ہے اسی طرح تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک آلات جسمانیہ ظاہرہ سے ہوتا ہے۔ جس کا نام حواس رکھتے ہیں۔ اسی طرح ادراک عالم مثال کا قوت خیال کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عالم کا نمونہ انسان کے بدن میں رکھا ہوا ہے اور علیٰ ہذا القیاس ان امور کا ادراک جو بین التجر والتعلیق ہیں یعنی نہ تو بالکل مادہ سے مجرد ہیں اور نہ پوری طرح مادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قوت واسمہ کے ساتھ ہوتا ہے جو بین العقل والحواس ہے اور اسی طرح کلیات عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک قوت عاقلہ سے ہوتا ہے جو مجرد اور بساطت میں ان امور کے مشابہ اور مماثل ہے اور اسی

لہ اور روک اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ارادہ

کرتے ہیں اس کی رضا مندی کا ۱۲



قیاس پر میں تمام لطائف انسانیہ مثلاً بجلی اعظم اور حقائق ملاء علی کا ادراک لطیفہ سر کے ساتھ ہوتا ہے اور وجود منبسط کا ادراک لطیفہ نحفی سے جو کہ حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے اور اس کا نام قلب رکھتے ہیں۔ پس ہمیں سے سمجھنا چاہیے کہ دریا کرنا اس ذات بے کیف بیچون و بیچگون و بے شبہ و بے نمون کا جو کہ تمام تجلیات سے برتر ہے حتیٰ کہ بجلی اعظم سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور وہ ذات والا صفات جو تمام تنزلات سے معرا ہے۔ حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سے شامل تر ہے اور وہ ذات پاک جو تمام موجودات کی مماثلت سے کسی صفت میں صفات سے منزہ ہے یعنی ذات کے اس مرتبہ کا دریافت کرنا جس کو مجہول المطلق اور متمنع التصور قرار دیتے ہیں سوائے نور قدسی الہی کے کسی اور چیز سے ممکن نہیں چنانچہ اس حدیث شریف میں کہ **ان الله خلق خلقه في ظلمة فالكفى عليهم من نوره فنن اصابته من ذلك النور اهتدى و من اخطاه ضل** اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ پس اسی نور قدسی کو ابتداء آفرینش سے سعادت مندوں کی عقل میں ودیعت دیکھا ہے۔ پس وہ نور حق کا ایک قطرہ نور بصری کے قائم مقام ہے جو مجمع النور میں ہے اور آنکھ کے تمام پردے بلکہ خود آنکھ کا جرم اس نور کے قالب میں اور تمام ظاہری نور جیسے چراغ کافور اور شمع کافور اور آفتاب اور ماہتاب کافور اس کے مویذات سے کیوں کہ اگر وہ نور بصری مجمع النور میں ودیعت لکھا ہو انہ ہوتا تو البتہ وہ شخص اندھوں کے گروہ میں سے شمار کیا ہوا ہوتا ہے اور اندھے آدمی کو آنکھ کے جسم اور ظاہری نوروں سے کچھ فائدہ نہیں

۱۰ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو ایک طلعت میں پیدا کیا پھر ان میں اپنے نور میں سے کچھ نور ڈالا  
 ۱۱ ترجمہ شخص کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس کو نہ پہنچا وہ گمراہ ہوا



پہنچتا۔ پس عوام الناس اگر سچے ظاہر حال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھ کی بذولت  
 یا آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں لیکن اگر حقیقت امر میں تامل  
 کریں تو البتہ سمجھ لیں کہ البصار کا آلہ فی الحقیقت وہی نور لبصری ہے۔ لیکن چونکہ وہ  
 نور کامل آنکھ کے راستہ سے باہر آتا ہے اس لیے سببیت کو آنکھ کی طرف بھی منسوب  
 کر سکتے ہیں اور چونکہ انوار ظاہرہ اسی نور لبصری کے مؤید ہیں اس سبب سے ان  
 انوار کو بھی اسباب البصار کہہ سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خود ان انوار کا ادراک  
 اسی نور کے طفیل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ دوسرے امور کا ادراک اسی طرح آلہ ادراک  
 ذات بحت کا اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرہ نور قدسی کا ہے جو ابتدائے ظہور  
 ارواح کے وقت اہل سعادت کو نصیب ہوا تھا اور اہل ان کی پیدائش کے بعد  
 لطیفہ عقل کی تہ میں پوشیدہ کیا گیا اور اس کے شعاع لطائف باطنہ انسانہ میں طرح  
 طرح کے اقسام اور گونا گوں رنگوں کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں جیسے آفتاب کا شعاع بسیط  
 مختلف رنگوں اور طرح طرح کی شکل والے شیشوں میں اور وہ نور قدسی انوار غیبیہ  
 قاہرہ کے ساتھ جیسے آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور انبیائے کرام اور علمائے  
 ذوی الاثرام اور اولیائے عظام کا وجود انبساط اور الشرح پاتا ہے یہ معنی نہیں  
 کہ یہ انوار خبیثہ انسان کے نفس میں اس نور قدسی کے پیدا ہونے کا سبب ہو جائے  
 ہیں بلکہ وہ نور قدسی تو ازل الازل سے نفس کے اندر ودیعت رکھا ہوا ہے اور یہ  
 انوار غیبیہ اس کے انبساط اور الشرح کا سبب ہو گئے ہیں۔ پس اگرچہ سالکان راہ  
 ولایت اور طالبان راہ نبوت ابتدائے احوال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ حق جل و علا کا  
 ادراک لطیفہ قلب یا لطیفہ سر یا لطیفہ خفی یا ان کے امثال سے ہم کو حاصل ہوا ہے یا بہ  
 سبب نزول کتب سماویہ کے اور وجود انبیاء و اولیائے کرام میں توجہ الی اللہ نصیب  
 ہوئی ہے لیکن اگر حقیقت کار کا کھوج لگائیں تو البتہ جان لیں کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب



وہی نورِ قدسی ہے جو ازل الازل میں انکسب ہو اسے اور تمام لطائف باطنہ کو اسی نور نے رونق بخشی ہے اور کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کی حقیقت بھی اسی نور کے سبب ان کے ذہن میں قرار پڑ گئی ہے۔ اسی لئے جو شخص ازل الازل میں اس نور سے محروم رہا جیسے ابولہب اور ابو جہل اس کے حق میں یہ انوارِ قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے اور ماددِ زاد اندھے کی طرح نورِ روشن میں ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے جاتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس نورِ قدسی کا شعاعِ لطائف انسانیہ کے رنگ میں ظہور فرمایا ہے اور اختلافِ لطائف کے انداز سے پر اس میں اختلافِ عظیم راہ پاتا ہے اور ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی ایک قسم اور تجلیاتِ ربانیہ میں سے ایک قسم کی تجلیات کا انکشاف اور معاون حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے آثار میں سے ایک قسم کے آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لطیفہ میں ان امورِ مذکورہ کی ایک اور نوع ظاہر فرماتا ہے اور اس لطیفہ نورانیہ کو ہم حجرِ بحث کے نام سے ملقب کرتے ہیں۔ پس حجرِ بحث کو عقل کے جگر میں اس چراغ کی طرح تصور کرنا چاہیے جو مختلف رنگ والے شیشیوں کے پردے میں روشن کیا ہوا ہو جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا پس جاننا چاہیے کہ جس طرح اجرامِ علوی جو رات کے وقت نمودار ہوتے ہیں اگرچہ ان کا نور وہی آفتابِ کالوز ہے جو ان ستاروں کے صیقلیہ اجرام میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گونا گوں لباسوں میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کی عقل میں جلوہ گر ہو گیا ہے۔ لیکن جب آفتابِ افق سے طلوع کرتا ہے تو تمام مختلف انوارِ آفتاب کی فضائے بسیط میں محو ہو جاتے ہیں اور ایک نورانی چادر یک رنگ تمام علویات اور سفلیات کے بساط پر تانی جاتی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے مراتب انعکاسیہ آفتاب کے اصلی مرتبہ میں محو منطمس ہو جاتے ہیں اور سب فرغ اور اصل ایک



رنگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب نفس کامل کا کام حجبِ بخت کے مرتبہ میں بے پردہ  
 جا پڑتا ہے اور اپنے لطائف باطنہ کے تمام لباس اتار دیتا ہے تو حجبِ بخت  
 سے ایک مقدس شعاع ظاہر ہوتی ہے اور تمام لطائف کو اپنا ہم رنگ کر لیتی ہے  
 اور تمام باطن اس سالک کا سر سے پاؤں تک حجبِ بخت ہو جاتا ہے اور اس شخص کی مثال  
 اس شخص کی سی ہے جس کے تمام بدن میں تمام نورِ بصری سرایت کر جاتا ہے اور  
 اس کا سار بدن رنگس کی طرح آنکھ ہی آنکھ ہو جائے اور یہ حال اس کا غیر ہے  
 جو سالک راہِ ولایت کو ابتدائے سلوک میں طاری ہوتا ہے کہ ان کا دل وسعت پکڑ  
 جاتا ہے اور تمام بدن ان کا اس میں گم ہو جاتا ہے پس ان کا تمام وجود گویا قلب ہو  
 جاتا ہے کیوں کہ یہ حال حجبِ بخت کے انبساط کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا  
 جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ نہایت اس حال کی یہ ہے  
 کہ تمام وجود سالک کا تجلی قلبی کے ادراک کا آلہ ہو جاتا ہے اور اس حال کا مال یہ ہے  
 کہ اس صاحبِ کمال کا تمام باطن ذاتِ بخت کے ادراک کا واسطہ ہو جاتا ہے اور  
 ان دونوں حالوں میں بڑا فرق ہے۔ قصہ کو تاہ یہ کہ جس شخص کا کام وجودِ قلب  
 ہو گیا وہ اس شخص کے سامنے جس کا تمام باطن حجبِ بخت ہو گیا کیا مزبور رکھتا ہے  
 اور جب کوئی شخص کامل اس ترتیب تک پہنچتا ہے تو جو امور دوسرے لوگوں کے  
 لیے باعثِ کدور اور موجبِ قبض ہوتے تھے اس شخص کے باطن میں مطلق کچھ  
 اثر نہیں کرتے۔ مثال اس کی ایسی ہے کہ کوئی شخص علومِ دقیقہ کی مشق و مزاوت  
 کرتا ہے اور اس کا کام کاروبارِ قوتِ عاقلہ سے تعلق رکھتا ہے تو جو امور حواس  
 ظاہرہ کی کدورت کا باعث ہوتے ہیں جیسے آنکھوں کے سامنے پردہ آجانا یا کان  
 کے سوراخ میں روئی دے دینا وہ اس کام میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتے۔  
 یہ ہے وہ مضمون جو اس مقام کی تصویر میں احاطہ کسب اور میدانِ تقریر میں گنجائش



رکھتا ہے لیکن وہ کہتا ہے اس مقام کی سو وہ دراد الورد ششم دراد الورد ہے۔

### فائدہ

جاننا چاہیے کہ طالبین راہ نبوت کی لوحیں حسب ایمانی کے غلبے اور فنائے ارادہ کے رسوخ کے سبب سے خواہشوں اور آرزوؤں کے نقشوں سے صاف اور معتر ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ بجز طلب رضائے حق کسی امر کی طلب اور دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی رغبت ان کے تہ دل میں قرار نہیں پکڑتی اور دنیاوی مزوں اور اخروی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف التفات ان کے صمیم قلب سے ظاہر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک بار اللہ جل شانہ کا مبارک نام جو ان کی زبان پر جاری ہوا اگر اس کے مقابلے میں دونوں جہان کی نعمتیں اس کو بخش دیں اور تھوڑی سی طاعت کو دونوں جہان کی نعمتوں سے مبادلہ کرنے کی ترغیب دیں تو البتہ ان کے حق میں سب و شتم کے جا بجا ہوگا۔ الغرض اس صاحب حال کا تمام اعمال صرف حضرت ذوالجلال کی رضا مندی کیلئے بجالاتا ہے اور بس اور آیت وَالَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدْوَةِ وَالْعَنِيتِ يَرِيدُونَ وَجْهَهُ انہی لوگوں کی شان کا بیان ہے اور جب اس طریق والے سکر محبت کے مقام سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بلند درجوں پر ترقی کر جاتے ہیں اور بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچتے ہیں۔ تب ان کے دل میں امور ملامتہ طبیعت کی طرف ارجحیت مرغوبات کو نہیں رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت کی ناپسند چیزوں سے از قسم مکروہات دارین نفرت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ اپنی طاعات کے مقابلہ میں کسی مرغوب چیز کی درخواست یا کسی مکروہ چیز کے دور ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ کیوں کہ یہ بزرگوار لوگ اپنے



اعمال کو اپنی چیز نہیں سمجھتے تاکہ ان کے مقابلہ میں کسی چیز کے امیدوار ہوں بلکہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ عالی جاہ کی رعایا میں سے کسی شخص نے بادشاہ کی رضا جوئی کی خاطر بڑی مدت حیران اور سرگوداں رہ کر اور خدمت سلطانی کے مناصب میں جیسے سپہ گری اور جمعاری وغیرہ انتقال اور تبدیلیاں کر کے آخر الامر قبولیت اور رضا جوئی سلطانی کے مقام میں پہنچ کر کفالت و وکالت شاہی کا عالی منصب حاصل کیا اور اس کا لقب "چیلہ خاص" رکھا گیا۔ پس اس حالت میں اس کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ جو عمدہ چیزیں اس کے مولیٰ کی زیر حکومت اور اس کی سلطنت کے اندر موجود ہیں ان کی خواہش کرے اور جو نفیس چیز بادشاہی کے خزانوں میں موجود ہے اسکی درخواست کر سکتا ہے، نہ اس وجہ سے کہ اسکو اپنے علاقہ چیلگی کا بدل جانتا ہے یا اپنی ادائے خدمات کی جو سمجھتا ہے کیوں کہ اس قسم کی طلب اس کے حق میں ایک نہایت قبیح امر ہے کہ اپنے آپ کو ایک نہایت بلند مرتبے سے گرا کر مزدوروں کے شمار میں داخل کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس علاقے کا مقتضی ہی یہی ہے کہ اپنی تمام حاجات کو اپنی منجملہ طلب مرغوبات اور مکروہات سے پناہ مانگتا ہے اپنے مولیٰ سے ہی طلب کرے۔ اور بس اسی طرح یہ ارباب کمال جب مرتبہ اصفیاء اور اقباء اور مقبولیت اور محبوبیت پر کامیاب ہوتے ہیں اور منہم متعدد صدق میں رسوخ قدم ان کو نصیب ہو جاتا ہے اور درجہ شمول رفیق علی سے فائز ہو جاتے ہیں اور بندہ خاص اور عبد بااختصاص ان کا لقب ہو جاتا ہے۔ اس وقت البتہ ان کے دل میں امور مرغوبہ دارین کی طرف میلان ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ امور اپنے مولیٰ کے خزانوں میں موجود ہیں اور بسبب اس بات کے کہ مقام قبولیت میں راسخ القدم ہو چکے ہیں ان کو کسی چیز کی طلب سے اگرچہ نہایت رفیع اور بدیع ہو، کاوٹ نہیں۔ اس لیے ان چیزوں کی طلب نہیں کرتے کہ ان امور کو اپنے عمل کی جزا سمجھتے ہیں بلکہ اس لیے کہ علاقہ عبودیت کو زیادہ



تو رونق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط نفسانیہ کا طلب کرنا ان کے حق میں زیادت  
ترب کا باعث ہوتا ہے۔ نہ کہ بعد اور دُوری کا سبب نظم

موسے اندر درخت آتش دید سبز تریشدن درخت از نار

شہوت و حرص مرد صاحب دل این جنین دان این جنین انگار

جب اس کمال کے صاحب اس مقام و حال میں پہنچتے ہیں تو بہ سبب  
تفاوت استعداد جہلی کے تین فریق ہو جاتے ہیں۔ ایک قوم تو اپنے منصب میں کمال علو  
اور مقام قبولیت میں نہایت راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دونوں جہان کے مرغوبات  
اور مکروہات کو اور دارین کے مصائب و مشکلات کو نہایت ادنیٰ اور خسیس امور سے  
سمجھ کر طلب مرغوب کی طرف اور مکروہ سے بھاگنے اور ازالہ مصائب اور استحلال  
مشکلات کی طرف کچھ ذرہ التفات ان کے تہ دل سے صادر نہیں ہوتی نہ بہ سبب نجوم  
سکر محبت کے اور مکروہ اور مرغوب میں فرق اور تفریق نہ کرنے کے سبب بلکہ ان کے منصب  
کے کمال اعلیٰ ہونے اور ان مذکورہ امور کے نہایت ادنیٰ ہونے کے سبب۔ الحق کہ  
ان کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ ایسے امور کی طرف ان کے دلوں میں التفات اور میل پیدا  
ہو اور ان کا اپنے مناصب اور مراتب کے ساتھ خوش اور خرم ہونا اس سے اعلیٰ  
ہے کہ کوئی اور خوشی طلب کریں۔ اگرچہ اس حد تک ان کو عرض حاجات کا رتبہ حاصل ہو  
گیا ہے کہ نظر عنایت ربانی اور کفالت رحمانی کے سبب ان کی دعا واجب الاجابت اور  
ان کا تہوذ واجب القبول ہو گیا ہے۔ اور دوسری قوم عرض حاجات اور دعائے حل  
مشکلات اور طلب مرغوبات اور دعائے دفع مکروہات اور شفاعات میں سعی کرنے میں  
بنابراستحکام علاقہ عبودیت اور اطہار حاجت کے جوئندہ ہونے کا شعار ہے اور  
اہل اضطراب اور ارباب حاجات پر رحمت اور شفقت کرنے کیلئے چست و چالاک اور  
سرگرم ہوتے ہیں۔ اور تیسری قوم بھی فریق ثانی کے ہم مشرب ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں



طلب مرغوبات اور استحکام مشکلات اور خواہش ذوی الحاجت پیدا ہوتی ہے لیکن بسبب حد کمال ادب کے اور کفالت حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ پر اعتماد کر کے باوجود کمال اس اعتماد کے کہ علم ازلی تمام اشیاء کے اسرار اور ان کے رموز کو محیط ہے، زبان حال پر اکتفا کر کے اکثر اوقات زبان حال کو کام میں نہیں لاتے کہ مقولہ حبیبی سُوَالِی عَلِمَةُ بَحَالِی اس قسم کے بزرگوں کی شان کا بیان ہے اور حق جل و علا البتہ ان کی دعائے حالی قبول فرماتا ہے اور ان کی دلی حاجات روا فرماتا ہے۔ بایں طور کہ ان کے اقتضائے دلی کو خود بخود بلا تصریح ظاہر کر دیتا ہے اور ان کو بلکہ کام بزرگان محفل قرب کو اس امر پر مطلع فرماتا ہے کہ اس امر کا ایجاد محض ان کی رضا مندی اور ان کی دلی خواہش کے پورا کرنے کیلئے ہوا ہے اور یہ امر ان کے زیادت اعتبار اور کمال افتخار کا باعث ہوتا ہے اور اس معاملہ کے سبب سے اقران و امثال میں ان کو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔

قائدہ

اگرچہ ان تینوں فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے دو گروہوں پر من جمیع الوجوہ فضیلت دینا غلط محض اور خطائے صریح ہے۔

ہر گلے رازنگ و بولے آست

لیکن ملا علی میں زیادہ اعتبار اور وجاہت پر نظر کر کے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو اہل فطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بدیں لحاظ کہ قوم ثانی کیلئے علاقہ عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں اور ان کی سعی و سفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ سے پہنچتے ہیں۔ رب اور خلقت کے درمیان ان کو وسیلہ ہونیکا مقام حاصل ہے۔ قوم ثانی کو قوم اول پر فضیلت حاصل ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔

۱۰ یعنی مجھ کو یہ سوال سے یہی کافی ہے کہ وہ حاجت روا میرے حال کا عالم و دانا ہے۔



## خاتمہ

بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت سید احمد قدس سرہ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق ولایت سلوک کے اثنائے سلوک میں پیش آئے ہیں۔ اگرچہ خود یہ کمالات ہدایت آیات کہ یہ کتاب مستطاب ان پر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیل قاطع اور برہان ساطح ہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں نہ حال کو قال سے یعنی ان کے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بہ سبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے جو اس قائل کے کلام کی بہ نسبت تقلید ان کو حاصل ہو۔ حالانکہ عقلمندوں کو محکم کا کلام اعتقاد کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسی کلام کرنے کی ضرورت پڑی جو اس کے ماخذ مضامین کا حال بیان کرے تاکہ ان سبب کے ناظرین کو بہ سبب اطلاع پانے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے ان مضامین کو کہاں سے حاصل کیا اور کس شخص سے ان کا استفادہ کیا اطمینان حاصل ہو جائے۔ پس جاننا چاہیے کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نماز میں اور شریع شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمال رغبت اور بدعت کے ساتھ آلودہ ہونے سے اور کمال نفرت اور طمانعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے چلی کرابت سن خود سالی میں آپ پر ظاہر باہر تھی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپ کی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے۔ تا آنکہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جس کی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند و رازے کھل جائیں آپ کے ہاتھ میں آئی اور وہ کیا کنجی تھی یعنی ملازمت جناب ہدایت تاب قدوۃ ارباب صدق و صفا زبدۃ اصحاب فناء و بقا، سید العلماء سند الاولیاء رحمت اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مزجج ہر ذلیل و عزیز مولینا و مرشدنا



ایشیح عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ و اعزنا وسائر المسلمین بحیدرہ و علائکہ کی اور  
 آپ کو آنجناب کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ میں بیعت حاصل ہوئی اور حصول بیعت کے  
 یمن اور آنجناب کی توجہات کی برکت سے آپ کو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر  
 ہوئے کہ انہیں وقائع عجیبہ کے سبب طریق نبوت کے کمالات جو ابتدائے فطرت میں  
 مجملاً مندرج تھے۔ ان کی اب تفصیل اور شرح کی نوبت پہنچی اور مقامات طویق ولایت  
 بھی اچھی جگہ پر جلوہ گر ہوئے۔ ان سب معاملات سے اول اور بہتر یہ ہے کہ آپ نے  
 جناب رسالت صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 تین عدد چھو ہار سے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو کھلائے۔ اس طرح سے کہ ایک ایک  
 چھو ہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے منہ میں رکھتے تھے اور  
 بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے آپ کے رویائے حقہ کا اثر ظاہر ہوا اپنے نفس میں پائے  
 تھے اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہو گیا۔ بعد ازاں ایک  
 دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرا  
 رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی مرتضیٰ نے آپ کو اپنے دست مبارک  
 سے غسل دیا اور آپ کے بدن کو خوب اچھی طرح شست و شو کی۔ جس طرح والدین اپنے  
 بیٹوں کو شست و شو کرتے ہیں۔ اور جناب فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہ نے نہایت عمدہ  
 اور نفیس قیمتی لباس اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کو پہنایا۔ پس اس واقعہ کے  
 سبب سے کمالات طویق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے۔ اور اجتناب سے ازلی جو کہ انزل الازل  
 میں پوشیدہ تھی منقذہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ اور عنایت ربانی اور تربیت رحمانی بلا  
 واسطہ آپ کے حال کے متکفل ہوئی اور پے درپے معاملات اور بے شمار واقعات و قورع  
 میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل و علانے آپ کا داہنا ہاتھ خاص  
 اپنے دست قدرت میں پکڑ لیا اور کوئی پیرا اور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور



بدیع تھی آپ کے سامنے کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عطا کی ہے اور ایسی  
 اور چیزیں بھی عطا کریں گے تا آنکہ ایک شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست  
 کی۔ اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العہوم بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔ اس لیے اس شخص  
 کی درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ جب اس شخص نے نہایت الحاح اور اصرار کیا تو آپ نے  
 اس سے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیے۔ بعد ازاں جو کچھ مناسب وقت ہو گا  
 اس پر عمل کیا جائے گا۔ پھر آپ اجازت اور استفسار کیلئے حضرت حق میں متوجہ ہوئے  
 اور عرض کیا بندگان درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ مجھ سے  
 بیعت کرے اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا  
 ہاتھ پکڑتا ہے ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاق  
 مخلوقات سے کچھ مناسبت نہیں۔ پس... اس معاملہ میں کیا منظور ہے؟ اس طرف  
 سے حکم ہو کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ اگرچہ وہ لکھو کھہا ہی کیوں نہ ہو  
 ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ القصد اس قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سینکڑوں  
 پیش آئے تاکہ کمالات طریق نبوت اپنی نہایت بلندی کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علوم  
 حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے۔ یہ ہے طریق استفادہ کمالات راہ نبوت و لیکن  
 کمالات راہ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہیے کہ اولیاء اللہ کے  
 طریق میں سے ہر ایک طریق میں مجاہدات اور ریاضات اور اشغال و اذکار اور مراقبات  
 معین کیسے ہوتے ہیں اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر  
 پیدا کرتا ہے اور کمرات اشغال کے توار کے سبب سے ایک امر مستقر طالب کے نفس میں پیدا  
 ہو جاتا ہے کہ اس امر کے سبب سے طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے۔  
 اور وہی امر حضرت حق جل و علا کے ساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہوتا ہے اور وہ  
 امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو



یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں  
 ورنہ جو ہر نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرف قوم صوفیہ میں نسبت کہتے  
 ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے یا  
 دوسرے صنائع میں جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ  
 مدت بعد ایک امر مستقر حادث ہو جائے گا کہ اس کو ملکہ صناعت کہتے ہیں اور وہ  
 ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے۔ خواہ وہ شخص ملکہ کی طرف التفات کرے  
 یا نہ کرے ہاں البتہ جب یہ شخص ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے اور اس کو ظاہر کرتا  
 ہے تو اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردے میں مخفی رہتے ہیں۔  
 جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی جانا چاہیے کہ اگرچہ عادتاً اللہ اس قانون پر جاری  
 ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کی تحصیل کرنے کے بعد  
 حاصل ہوتے ہیں لیکن بعض نفوس کاملہ کو بطریق خرق عادت پہلے ان مضامین لطیفہ  
 پر اطلاع بخشتے ہیں اور اس کو اصلاح قوم میں علم لدنی کہتے ہیں۔ اور فنون ادبیہ  
 بعد اس کے ثانیاً ان کو میسر ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مبادی کے  
 حاصل کرنے میں دوسرے مبتدیوں کی طرح اس فن کے استادوں کے محتاج ہوتے  
 ہیں۔ بلکہ کبھی مبادی سے عاری رہتے ہیں۔ القصد حضرت سید صاحب کو تینوں  
 طریقوں یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی لیکن  
 نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس  
 سرہ الغزنی کی بیعت کی برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے مین سے حضرت  
 جناب غوث الثقلین اور جناب خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی روح مقدس آپ

یعنی ایسا امر جو طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔



کے متوجہ حال ہو میں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دور و رح  
 مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا۔ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں  
 سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو تمامہ اپنی طرف جذب کرے تاکہ تنازع کا زمانہ  
 گزرنے اور شرکت پر صلح کا واقعہ ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحوں آپ پر  
 جلوہ گر ہو میں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر  
 توجہ قوی اور پر زور اثر ڈالتے رہے۔ پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت  
 آپ کو نصیب ہوئی۔ لیکن نسبت چشتیہ۔ پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ  
 حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز کی  
 مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اس  
 اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت

قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتدائے حصول  
 نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر اس واقعہ سے ایک مدت کے گزرنے کے بعد مسجد اکبر  
 آبادی واقع شہر دہلی حرمہا اللہ تعالیٰ عنہا اوقات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت  
 میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کاتب الحروف بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان بوسوں  
 کی سلاکت مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ کے گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے  
 اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس کے اختتام کے بعد کاتب  
 الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل و علانے محض اپنی عنایت سے بلا واسطہ  
 کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے بعد ازاں طریقہ چشتیہ کی تلقین اور  
 تعلیم میں بازوئے ہیئت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی۔ جس پر یہ کتاب مستطاب  
 مشتمل ہے۔ یہ ہے طریقہ استفادہ تینوں نسبتوں کا لیکن باقی نسبتوں کا افادہ جیسے  
 نسبت مجددیہ اور نسبت شاڈلیہ وغیرہ۔ پس جاننا چاہیے کہ کمالات راہ نبوت ارباب



کمال کی بصیرتوں کو کحلِ قدسی سے سرمہ ناک کر دیتے ہیں اور کحلِ قدسی کے سبب ان کی بصیرت کا نورِ حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کر لیتے ہیں۔ پس گویا راہِ ولایت کی تمام نسبتیں سالک راہِ نبوت کے کمال میں مجملًا مندرج ہوتی ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف راق اس توجہ متحقق ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح و بسط کے ساتھ ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ائمہ طریق ولایت پر سالک راہِ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے۔ بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالک راہِ نبوت کے نفس میں ایک نورِ قدسی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحبِ نسبت کی نسبت کو اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہوا دراک کر سکتا ہے۔ جس طرح مجمع النور میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ اسی قوت کے سبب سے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر اوراک کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس جسم کا اشراق نورِ بصیری سے اعلیٰ اور قوسی ہو۔ واللہ اعلم۔ ولیکن مبادا کہ اخذ کرنا پس جاننا چاہئے کہ اشغال اور اذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریح کا نطل ہے اور جو صاحبِ قرب فرانس کے مقام میں قائم ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ بزرگ از قسم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے تو ضرور ہے کہ شریعت مجذوبہ کے صاحب ہوں گے نہیں تو طرق موصولہ الی اللہ کا اوضاع کا مقرر کرنا فوارہ کی طرح ان کی طبیعت سے جوش مارتا ہے۔ اس میں تعلیم اور تعلم کو گنجائش نہیں ہے۔

### فائدہ

ان چند کلمات میں جو حضرت شید صاحب کے معاملات کے اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں۔



بڑے بڑے فائدے ہیں اور بڑی بڑی منفعتیں ہیں۔ منجملہ ان فوائد کے ایک فائدہ تو  
 وہ ہے جو شروع میں مرقوم ہو چکا ہے اور منجملہ ان کے ہے تَحَدِثُ بِبِعْمَةِ اللّٰهِ  
 یعنی نعمت الہی کا اظہار، کہ امر و آما بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل  
 اس میں متصور ہو سکتی ہے اور منجملہ ان فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا ہے کہ جو شخص حق  
 جل و علا کا طالب ہو اور حضرت حق کی طلب صادق لہس کے دل سے پیدا ہوئی ہو اس  
 کو اپنی مطلب یا نبی کے مقام کی طرف ہدایت ہو جاتی ہے اور منجملہ ان کے زمانہ کے جاہلوں  
 کی تنبیہ کرنا ہے کہ انہوں نے ولایت ربانی کو ممنوعاتِ عقلیہ سے شمار کر کے  
 اوائل امت پر اسے منحصر سمجھ کر القطارِ نبوت کی طرح ولایت کے القطارِ  
 کے قائل ہو گئے ہیں، فقط و السلام علی من اتبع الهدی والحمد  
 لله اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلی اللہ علی خیر خلقہ  
 محمد و آلہ و صحبہ و سلم۔





Handwritten text in Urdu script, appearing to be a signature or a short message, located in the middle section of the page.

Handwritten text in Urdu script, appearing to be a signature or a short message, located in the lower section of the page.